

پاکستانی معاشرے کو درپیش فکری و اخلاقی تحدیات:
اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ
(مقالہ برائے پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

محمد حسین

پی ایچ ڈی اسکالر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت
رجسٹریشن نمبر: 677-PhD/IS/S17



شعبہ اسلامی فکر و ثقافت
فیکلٹی آف سوشل سائنسز
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
اکتوبر-2024

پاکستانی معاشرے کو درپیش فکری و اخلاقی تحدیات:
اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ
(مقالہ برائے پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

محمد حسین

پی ایچ ڈی اسکالر

رجسٹریشن نمبر: 677-PhD/IS/S17

نگران مقالہ

ڈاکٹر امجد حیات

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت نمل۔ اسلام آباد



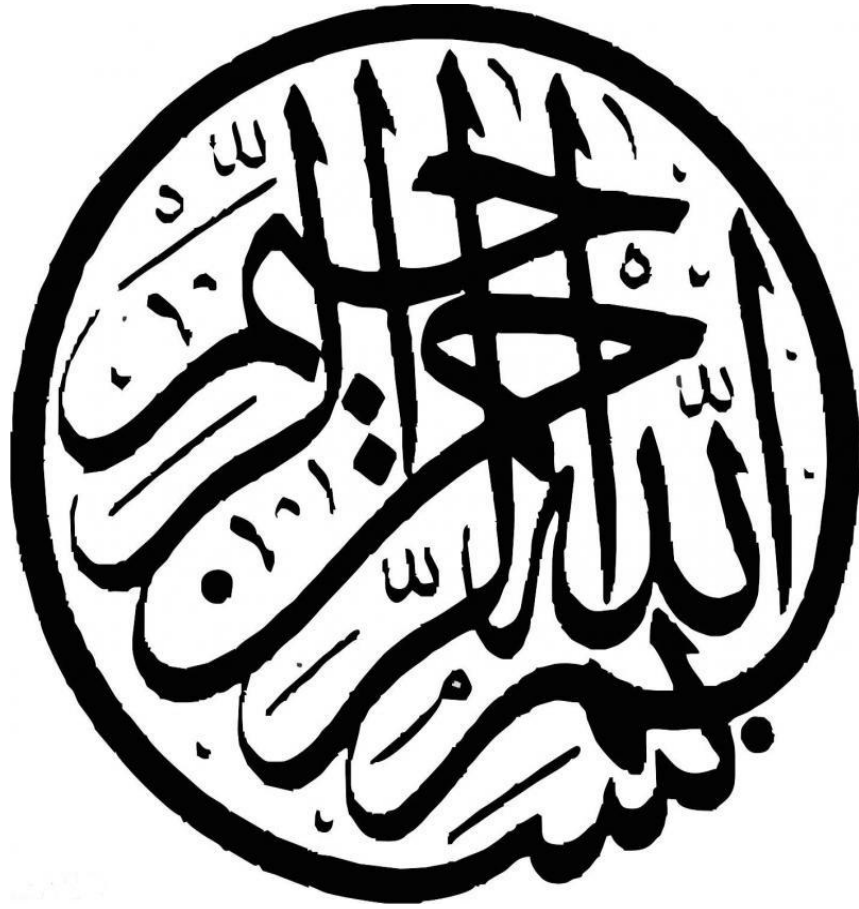
شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

(2024-2017)

© محمد حسین 2024



منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defence Approval Form)

زیر دستخط تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔
مقالہ بعنوان: پاکستانی معاشرے کو درپیش فکری و اخلاقی تحدیات: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

Intellectual and moral challenges facing the Pakistani society: An analytical study in the light of Islamic teachings.

نام ڈگری: ڈاکٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: محمد حسین

رجسٹریشن نمبر: 677-PhD/IS/S17

ڈاکٹر امجد حیات

(نگران مقالہ)

دستخط نگران مقالہ

ڈاکٹر ریاض احمد سعید

(صدر شعبہ اسلامی فکر وثقافت)

دستخط صدر شعبہ اسلامی فکر وثقافت

پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض شاد

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)

دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

میجر جنرل (ر) شاہد محمود کیانی (ہلال امتیاز ملٹری)

(ریکٹر نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز)

دستخط ریکٹر نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز

تاریخ:

حلف نامہ فارم

(Condidate Declaration Form)

میں محمد حسین ولد علی محمد

رجسٹریشن نمبر: 677-phD/IS/517

طالب علم پی-ایچ-ڈی شعبہ علوم اسلامی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفا اقرار کرتا ہوں کہ
مقالہ بعنوان:

پاکستانی معاشرے کو درپیش فکری و اخلاقی تحدیات: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

Intellectual and moral challenges facing the Pakistani Society:
An analytical study in the light of Islamic teachings.

پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لئے ڈاکٹر امجد حیات صاحب کی زیر نگرانی پیش کیا گیا ہے۔ یہ راقم
الحروف کی اصل و ذاتی تحقیقی کاوش ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ حصول سند کے لئے نہ کہیں جمع کرایا گیا ہے اور نہ کسی دوسرے
ادارے میں شائع شدہ ہے اور نہ ہی کسی یونیورسٹی میں میری طرف سے ثانوی سند کے لئے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: محمد حسین

دستخط مقالہ نگار: -----

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

Intellectual and moral challenges facing the Pakistani society:

An analytical study in the light of Islamic teachings.

Abstract:

Intellectual or moral challenges of a human being, such as the individual's atmosphere or social interactions on the surface of the world. There are challenges from different angles of a person who is affected by his life, his own self-promotion, his emotional relationships, or his family life, all inclusive.

Intellectual Challenges: Intellectual Challenges A human being is like his imagination, his way, his knowledge of the limits of the questions that have come to him. There is no human being, but this world has an understanding, philosophy, or theories related to comprehensive problems. He is silent.

Thoughts and morals are the great capital of any nation. Due to this, nations deserve to rise and become perfect with development, while their lack leads to social destruction and destruction.

Social and moral values are the identity and recognition of any society, every society is based on some good traditions. It sets up an ideal type of rules for itself and then makes it necessary to live up to it and make it a part of our lives.

Pakistan is an Islamic democratic state which is based on Quran and Sunnah and according to Quaid-e-Azam, it is a laboratory where we can test Islamic principles. Economic, social and social theories will be analyzed and analyzed in the light. But in the present era, the lessons of the learned scholars and the speeches of the talented orators, as well as many madrasahs, Islamic centers, preaching centers and Islamic institutions such as Islamic Despite the establishment of the Ideological Council and their performance, we are facing some intellectual and moral challenges such as extremism, atheism. In the light of Islamic teachings, a plan of action is to be given so that the Pakistani society can be protected as much as possible .

In these circumstances, to protect our values and traditions and philosophy of life, we have to consider the dimensions of intellectual and moral challenges such as religious, political, economic dimensions and their causes and factors such as corruption, avoidance of telling the truth, desecration of social values, mercy. It is necessary to find out the causes like lack and give a plan of action in the light of Islamic teachings.

Keywords:Intellectual and moral challenges,Atheism,Corruption ,Religious extremism, Pakistani society, Islamic teachings.

اُردو ملخص

پاکستانی معاشرے کو درپیش فکری و اخلاقی تحدیات: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

فکر و اخلاق کسی بھی قوم کا عظیم سرمایہ ہوتے ہیں۔ اسی کی بدولت قومیں فروغ پانے کے ساتھ عروج و کمال کا مستحق ٹھہرتی ہیں جبکہ ان کا فقدان معاشرتی تباہی اور بربادی پر منبج ہوتا ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ گزشتہ اقوام کی تباہی میں اخلاقیات کا ایک کلیدی کردار رہا ہے جس کی وجہ سے قومیں عذاب الہی کا شکار رہی ہیں۔

معاشرتی اور اخلاقی اقدار کسی بھی معاشرے کی شناخت اور پہچان ہوتے ہیں، ہر معاشرے کی بنیاد کچھ اچھی روایات سے مل کر بنتی ہے۔ یہ اپنے لئے آئیڈیل قسم کے اصول وضع کرتا ہے اور پھر ضروری قرار دیتا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور اپنی زندگیوں کا حصہ بنایا جائے۔

پاکستان ایک اسلامی جمہوری ریاست ہے جس کی بنیاد قرآن و سنت پر رکھی گئی ہے اور بقول قائد اعظم کے یہ ایک تجربہ گاہ ہے جہاں ہم اسلامی اصولوں کو آزماسکیں۔ جس میں نئے مسائل کا اسلام کے تناظر حل پیش کیا جائے گا۔ اسلامی اقدار کی روشنی میں معاشی، معاشرتی اور سماجی نظریات کا تجزیہ و تحلیل کیا جائے گا۔ لیکن عصر حاضر میں جید علماء کے دروس اور باصلاحیت خطیبوں کی تقاریر نیز بہت سے مدارس، اسلامی سینٹرز، تبلیغاتی مراکز اور اسلامی اداروں جیسے اسلامی نظریاتی کونسل کے قیام اور ان کی کارکردگی کے باوجود بعض فکری و اخلاقی تحدیات جیسے انتہا پسندی، الحاد، لسانی و علاقائی تعصبات، تعلیمی ثنویت، برلیم اور فرقہ واریت جیسے تشدد و تصورات کا سامنا ہے۔ ان حالات میں ہم اپنی اقدار و روایات اور نظریہ حیات کی حفاظت کے لئے فکری و اخلاقی تحدیات کی جہات جیسے مذہبی، سیاسی، معاشی جہات اور ان کے اسباب و عوامل جیسے بد عنوانی، حق گوئی سے احتراز، معاشرتی اقدار کی بے حرمتی، صلہ رحمی کا فقدان جیسے اسباب، کا کھوج لگا کر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ملاحظہ عمل دینا ہے تاکہ پاکستانی سماج کو ان تحدیات کے اثرات جیسے امر بالمعروف کا فقدان، قول و فعل میں تضاد، خدا خونی کا خاتمہ، دین کی سیاست سے جدائی جیسے اثرات سے حد الامکان تحفظ دیا جاسکے۔

کلیدی الفاظ: پاکستانی معاشرہ، فکری و اخلاقی تحدیات، الحاد، مذہبی انتہا پسندی، لسانی و علاقائی تعصبات، تعلیمی ثنویت، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع	VII
2	حلف نامہ	V
3	ملخص () Abstract	VII
4	فہرست عنوانات	VII
5	اظہار تشکر	VII
6	انتساب	VII
7	باب اول: موضوع سے متعلق تعارفی مباحث	01
	فصل اول: موضوع کا تعارف اور ضرورت و اہمیت	03
	فصل دوم: دراسات تحقیق، جواز تحقیق اور سابقہ تحقیق میں موجود خلاء	08
	فصل سوم: بیان مسئلہ، مقاصد تحقیق، سوالات اور منہج و اسلوب	17
8	باب دوم: پاکستانی معاشرہ اور فکر و اخلاق کے اسلامی اصول و ماخذ	20
9	فصل اول: معاشرہ اور فکر و اخلاق کا مفہوم	22
10	فصل دوم: فکر و اخلاق کے بنیادی اصول و ماخذ	43
12	باب سوم: پاکستانی معاشرے میں فکری تحدیات کی متفرق جہات	55
13	فصل اول: پاکستانی معاشرے کے فکری تحدیات کی متاثرہ جہات	57
14	فصل دوم: پاکستانی معاشرے کے اخلاقی تحدیات کی متفرق جہات	104
16	باب چہارم: پاکستانی معاشرے میں فکری و اخلاقی تحدیات کے اسباب	140
	اور اثرات کا جائزہ	
17	فصل اول: پاکستانی معاشرے کی فکری تحدیات کے اسباب و عوامل	142

169	فصل دوم: پاکستانی معاشرے میں اخلاقی تحدیات کے اسباب و عوامل	18
198	فصل سوم: پاکستانی معاشرے کی فکری تحدیات کے اجتماعی اثرات	19
251	باب پنجم: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں فکر و اخلاق کی اصلاح کا لائحہ عمل	20
253	فصل اول: قرآنی تعلیمات اور فکر و اخلاق کی اصلاح	21
297	فصل دوم: تعلیمات حدیث اور فکر و اخلاق کی اصلاح	22
321	خلاصہ بحث (Summary)	24
323	نتائج (Findings)	25
325	سفارشات (Recommendations)	26
326	فہارس	27
327	فہرست قرآنی آیات	28
337	فہرست احادیث	29
340	فہرست اصطلاحات	
343	فہرست اعلام	30
344	فہرست مصادر و مراجع	31

اظہار تشکر

(Acknowledgement)

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہے جس کی نعمتوں کو گننے والے گن نہیں سکتے، نہ کوشش کرنے والے اس کا حق ادا کر سکتے ہیں، نہ بلند پرواز ہمتیں اسے پاسکتی ہیں نہ عقل و فہم کی گہرائیاں اس کی تہہ تک پہنچ سکتی ہیں، اس کے کمال ذات کی کوئی حد معین نہیں، اس ذات بابرکت کے فضل کرم سے ہی یہ تحقیقی عمل اختتام کو پہنچا۔

اس تحقیق کی تکمیل میں جو مدد اور تعاون مجھے میرے سپروائزر ڈاکٹر امجد حیات صاحب اور شعبہ اسلامی فکر و ثقافت کے صدر اور اس کے روح رواں جناب ڈاکٹر ریاض احمد سعید صاحب سے حاصل ہوا۔ جن کی علمی بصیرت اور ہمہ وقت کی رہنمائی سے اس تحقیق کو مفاد عامہ کے لئے ایک بہترین لائحہ عمل کے طور پر پیش کرنے کا امکان روشن ہوا۔ اسی طرح فکری جہات اور زندگی کی ترجیحات کی تعیین میں جامعہ الکوثر اور جامعہ مظہر الایمان کے شفیق بانیان مفسر قرآن محسن ملت مرحوم و مغفور شیخ محسن علی نجفی اعلیٰ اللہ مقامہ، آغا محی الدین کاظم دام ظلہ اور دیگر شفیق اساتذہ کی مدبرانہ رہنمائی کا میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ یہ تحقیق صرف میری ذاتی محنت کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ ایک اجتماعی عمل کا نتیجہ ہے جہاں ہر فرد نے اخلاص سے اپنی فکری محنت اور علم کو میرے ساتھ شریک کیا جیسے ایک درخت کی جڑیں مختلف سمتوں میں پھیل کر زمین سے غذا حاصل کرتی ہیں، اسی طرح علم کا ارتقاء بھی مختلف نظریات، تجربات اور لوگوں کے درمیان تعلقات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ میں اس بات کا شکر گزار ہوں کہ میں اس علم کے سفر میں ان تمام افراد کا حصہ بن سکا ہوں جنہوں نے اپنی مہارت اور مدد سے مجھے آگے بڑھنے کا موقع دیا۔

اس تحقیق کی کامیابی کے پیچھے نہ صرف میری محنت بلکہ میرے والدین کے ہمہ وقت کی دعائیں، بھائیوں جیسے غلام عباس، رحمان علی کی اقتصادی معاونت نیز ہم خیال محققین، ماہرین اور اداروں کی مشترکہ کاوشیں بھی شامل ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ ان تمام علمی، ادبی اور روحانی شخصیات اور معاونین کی عمر، ہمت، حوصلہ اور عزم و ارادے کو دوام و استحکام عطا فرمائے جن کا کسی بھی حوالے سے کسی بھی قسم کا تعاون راقم کو حاصل رہا۔ (امین)

محمد حسین

پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ

انتساب

(Dedication)

میں اپنی اس کاوش کا انتساب

اپنے مرحوم و مغفور والدین اور اساتذہ کرام کے نام کرتا ہوں جن کی دُعاؤں مُحبّتوں، عقیدتوں اور شفقتوں
کی بدولت اس تحقیقی عمل کو تکمیل تک پہنچانے میں بفضل الہی سرخرو ہوا۔

مقدمہ

باب اول: موضوع سے متعلق تعارفی مباحث

فصل اول: موضوع کا تعارف اور ضرورت و اہمیت

فصل دوم: دراسات تحقیق، جواز تحقیق اور بیان مسئلہ

فصل سوم: مقاصد تحقیق، سوالات تحقیق اور منہج و اسلوب

باب اول: موضوع سے متعلق تعارفی مباحث

یہ باب موضوع سے متعلق ان تمام مباحث پر مشتمل ہیں جو اس تحقیقی مقالے کا غرض و غایت، اس کے اہداف اور مقاصد نیز اس کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ فکری اور اخلاقی تحدیات کا تعلق ابتدائے آفرینیشن سے ہے۔ ہابیل و قابیل سے جڑی ہوئی دونوں تحدیات کی یہ تاریخ ہر دور میں ہر معاشرے کی تقدیر کا فیصلہ کرتی چلی آئی ہیں۔

بہت سی قومیں ان تحدیات کے نشیب و فراز کی وجہ سے صفحہ ہستی سے مٹ چکی ہیں۔ جہاں تک ان تحدیات کو پاکستان کے تناظر میں دیکھا جائے ان کے اثرات کافی حد تک نفوز کر چکے ہیں حالانکہ پاکستان ایک اسلامی جمہوری ریاست ہے جس کی بنیاد قرآن و سنت پر رکھی گئی ہے اور بقول قائد اعظم کے یہ ایک تجربہ گاہ ہے جہاں ہم اسلامی اصولوں کو آزما سکیں۔ جس میں نئے مسائل کا اسلام کے تناظر حل پیش کیا جائے گا۔ اسلامی اقدار کی روشنی میں معاشی، معاشرتی اور سماجی نظریات کا تجزیہ و تحلیل کیا جائے گا۔ لیکن عصر حاضر میں جید علماء کے دروس اور باصلاحیت خطیبوں کی تقاریر نیز بہت سے مدارس، اسلامی سینٹرز، تبلیغاتی مراکز اور اسلامی اداروں جیسے اسلامی نظریاتی کونسل کے قیام اور ان کی کارکردگی کے باوجود بعض فکری و اخلاقی تحدیات جیسے انتہا پسندی، الحاد، لسانی و علاقائی تعصبات، تعلیمی ثنویت، برلیرزم اور فرقہ واریت جیسے نتشدد تصورات کا سامنا ہے۔ ان حالات میں ہم اپنی اقدار و روایات اور نظریہ حیات کی حفاظت کے لئے فکری و اخلاقی تحدیات کی جہات جیسے مذہبی، سیاسی، معاشی جہات اور ان کے اسباب و عوامل جیسے بدعنوانی، حق گوئی سے احتراز، معاشرتی اقدار کی بے حرمتی، صلہ رحمی کا فقدان جیسے اسباب، کا کھوج لگا کر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں لائحہ عمل دینا ہے تاکہ پاکستانی سماج کو ان تحدیات کے اثرات جیسے امر بالمعروف کا فقدان، قول و فعل میں تضاد، خدا خونی کا خاتمہ، دین کی سیاست سے جدائی جیسے اثرات سے حد الامکان تحفظ دیا جاسکے۔

فصل اول: موضوع کا تعارف اور ضرورت و اہمیت

موضوع تحقیق کا تعارف (Introduction of Topic)

فکر و اخلاق کسی بھی قوم کا عظیم سرمایہ ہوتا ہے۔ اسی کی بدولت قومیں فروغ پاتی ہیں اور عروج و کمال کا مستحق ٹھہرتی ہے جبکہ ان کا فقدان معاشرتی تباہی اور بربادی پر منتج ہوتا ہے۔ جب قومیں فکری طور پر دیوالیہ ہو جائے تو اخلاقی تنزلی اور تباہی و بربادی ان کا مقدر ہو جاتی ہے۔ یوں فکری بے راہ روی اخلاقی تباہی کے لئے زمینہ فراہم کرتی ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ گزشتہ اقوام کی تباہی میں اخلاقیات کا فقدان ہی وہ واحد عنصر تھا جس کی وجہ سے قومیں عذاب الہی کا شکار رہی ہیں۔ قوم عاد و ثمود اور قوم حضرت لوط علیہ السلام کی باقیات آج بھی عبرت حاصل کرنے کا عندیہ دے رہی ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی تبلیغات کا محور بھی یہی فکر و عمل رہا ہے جسے فرض منصبی سمجھ کر انجام دیا گیا جس کی گواہی قرآن دے رہا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾¹

(وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اور بے شک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔)

غرض بعثت سے بھی یہ بات واضح ہے کہ آیات کی تلاوت، تزکیہ نفس اور کتاب و حکمت کی تعلیم، ان سب کا مقصد افکار کا تزکیہ اور اخلاق ہے۔ مسلم معاشرے کا افتخار یہ ہے کہ وہ فکر و اخلاق دونوں میں آفاقی تعلیمات سے منسلک ہے۔ اسلام کے وضع کردہ اصولوں کی بدولت اسلام کا نظام معاشرت دیگر معاشروں سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ ان تعلیمات کے مطابق حاکمیت صرف اللہ کی ذات کے ساتھ خاص ہے جبکہ انسان زمین پر اللہ کے نائب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر مسلمان اعمال اور معاملات کو بحیثیت نائب خدا انجام دیتا ہے۔ لہذا اس سلسلے میں اسے معاملات زندگی میں آفاقی تعلیمات کی رہنمائی کا ہر پل احتیاج رہتا ہے۔ اسلامی نظریے کے مطابق انسان کو اس دنیا میں نائب خدا کا درجہ حاصل ہے۔ اسلامی نظام نے جس طرح اللہ کی اطاعت کے لئے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع لازم کی ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے لئے ان کے نائبین یا خلفاء یعنی اولی الامر کی اطاعت کو ضروری و لازم قرار دے کر قرآن میں بیان کر دیا

ہے، جس کے مطابق اطاعت و وفاداری کی وابستگی خود اسلام کے ساتھ وفاداری اور وابستگی ہے۔ لہذا اسلامی معاشرے کا یہ خاصہ ہے کہ اطاعت الہی و سنت نبوی اور اولی الامر کی اتباع کو اجتماعی زندگی کا مظہر قرار دے کر حقوق انسانی کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے۔

ان اصولوں کے ضمن میں، ہمارے دین میں معاشرتی تعلیمات میں عدل و انصاف کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ یہ عدل و انصاف حاکم کی طرف سے بھی اپنی رعایا کے لیے ہو، اور رعایا کا آپس میں بھی عدل و انصاف کو قائم رکھنا لازم ہے، گویا یہ اجتماعی سطح پر بھی اور انفرادی سطح پر بھی لازم اور ضروری امر ہے۔

اسلامی معاشرے کا بنیادی نظریہ اخوت و مساوات بھی ہے کہ تمام انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اور ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ انسان ہونے کی حیثیت سے وہ سب برابر ہیں، اور ان کے درمیان نسل، رنگ، زبان، قومیت اور وطنیت کی بناء پر جو تعصب پیدا ہو گئے ہیں۔ اسلام ان سب کو غلط اور جاہلیت قرار دیتا ہے۔ اسلام رنگ نسل، زبان اور وطن کی حد بندیوں کو توڑ کر ایک عالم گیر معاشرے کے قیام کا متقاضی ہے اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ انسانوں کے اندر فکری وحدت پیدا ہو۔ اس عالمی وحدت کے پیدا کرنے کے لئے اسلام نے زندگی بسر کرنے کا ایک سیدھا اور کامیاب راستہ بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنی اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کی بجائے ایک اللہ واحد کی اطاعت قبول کر لی جائے۔

آج مادی نظریات جیسے سیکولرزم، لبرلیزم، ایٹھیزم اور ماڈرنیزم جیسے راسخ العقول خیالات نے مسلمانوں کو مذہب سے بیگانہ کرتے ہوئے صرف عقلیات پر اکتفاء کرنے پر مجبور کیا ہے۔ ان مسائل نے مسلمان کو خدا مرکزی سے موڑ کر انسان مرکزی کی طرف پھیر کر خود انسان کو خدائی منصب پر لا بٹھایا ہے۔ اسی طرح تعلیمی ثنویت اور شدت پسندی نے مختلف طبقات اور گروہوں کو جنم دیا ہے جو مختلف تعصبات جیسے لسانی، علاقائی اور مذہبی حوالے سے سماجی دیواریں کھڑی کر کے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیا ہے جو کسی صورت انسانی اور فطری اصولوں کے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ یوں غیر اسلامی ثقافتی یلغار سے مرعوب ہو کر اندھی تقلید میں مسلم معاشرہ اسلامی نظریہ حیات کے اس عظیم انسانیت ساز سرمایے کو ضائع کر تادیکھائی دیتا ہے۔ نوجوان نسل اسلامی تعلیمات سے عاری معاشرے کے لئے ناسور بنتے جا رہے ہیں۔ یونیورسٹی کے طلباء الحاد میں ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرتے ہوئے خدا کے انکاری ہونے پر ندامت سے عاجز ہیں¹ ایسے میں اسلامی تعلیمات کا احیاء وقت کی اشد ضرورت ہے۔ آفاقی تعلیمات ہی حقوق انسانی کا ضامن ہیں کیونکہ یہ

تعلیمات ان اصولوں پر مبنی ہیں جس میں نسلوں کی بقاء کا راز مضمر ہے اور مستقبل میں آنے والے مسائل کا حل بھی انہی میں پوشیدہ ہے۔ اس سلسلے میں نوجوان نسل کو جدید علوم سے بہرہ ور کرنے کے لئے جدید نصابِ تعلیم کی اسلامی تشکیل جس سے تعلیم کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس اور اخلاقیات کی تعلیم کا اہتمام بھی ہوتا کہ نوجوان نسل یہ باور کرنے میں تفاخر محسوس کرے کہ وہ ہر نئے مسئلے کو اسلامی تعلیمات کے تناظر میں حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس سے توحید جیسے بنیادی عقائد کے حامل ایسی نسل تیار ہوگی جو الحادی نظریات کا ہر پہلو سے دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی فلاحی ریاست کا ایک بہترین فرد کے طور پر زندگی گزارنے پر قادر ہوگی۔ جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا پابند اور خدا خونی سے سرشار معاشرے کی تشکیل کا ایسا ذریعہ ثابت ہوگا جس میں انسانی اقدار اور فطری اصول حاکم ہوا کرتی ہیں۔

موضوع تحقیق کی ضرورت و اہمیت (Importance of Research Topic)

ہمارا موضوع "پاکستانی معاشرے کو درپیش فکری و اخلاقی تحدیات" کئی جہات سے اہمیت کا حامل ہے کیونکہ فکر اور اخلاق کسی بھی سماج کے ایسے بنیادی عناصر ہیں جن سے قوموں کا عروج و زوال، ترقی اور تنزلی، فنا اور بقاء منسلک ہے۔ آج بھی بہت سی قومیں فکر و اخلاق کی بدولت زندہ ہیں اور بہت سی اقوام انہی کی بدولت صفحہ ہستی سے مٹ چکی ہیں۔ وہ قومیں اب بھی زندہ ہیں جن کو فکری مسائل اور ان کے اثرات کا بھر وقت ادراک تھا اور پھر اس چیلنج سے نمٹنے کا حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے لیکن جو قومیں فکری اور اخلاقی مسائل سے غافل رہیں آج تاریخ میں ان کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ اس سلسلے میں چند نکات اس کی اہمیت و ضرورت کو مزید اجاگر کرنے کا باعث بنتی ہیں جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

- فکر و اخلاق کا تعلق ان مفاہیم سے ہیں جو انبیائے کرام علیہم السلام کی تبلیغات کا محور و مرکز رہے ہیں لہذا ان کی سنت پر عمل کئے بغیر دنیا اور آخرت کی کامیابی ممکن نہیں۔ آج معاشرے کی تنزلی کی اہم وجہ انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت اور قرآنی تعلیمات سے دوری ہے۔ لہذا اس تحقیق کے ذریعے کھوئی ہوئی وقار کو بحال کرنا مقصود ہے چونکہ دنیا میں صرف وہی قومیں زندہ رہتی ہیں جو فکر و اخلاق سے مزین ہو۔

- اس موضوع کے ذریعے فکری و اخلاقی تحدیات کے مخفی اور جلیباسب و عوامل کا ادراک کرنا ہے تاکہ آنے والے مسائل سے نوجوان نسل کو آگاہ رکھا جاسکے۔ چونکہ فکری و اخلاقی اقدار کی تنزلی سے دنیاوی معاملات کے معطل ہونے کا خدشہ پیدا ہوتا ہے اس لئے اخلاقی تحدیات کے لئے ایک مستقل و پائیدار حل پیش کرنا ضروری ہے تاکہ

سماجی نظام میں خلل پیدا نہ ہو۔

- جو معاشرہ فکر و اخلاق سے آراستہ نہیں اس کے افراد ایسے خطرناک حیوان ہیں جو انسانی ذہانت سے مسلح ہونے کی وجہ سے ہر چیز کو تباہ کر دیتے ہیں ہر طرف آگ لگا دیتے ہیں اپنے ناجائز مقاصد کے حصول کے لئے جنگ برپا کر دیتے ہیں اور اسلحہ بیچنے کے لیے قوموں کے درمیان نفاق اور تفرقہ کا بیج بو دیتے ہیں۔ لہذا تحقیق کے ذریعے اس احساس کی طرف توجہ مبذول کرانا ہے تاکہ افراد استکباری حربوں سے آگاہ رہیں۔
- اس تحقیق کے ذریعے لوگوں کو فکری و اخلاقی کوتاہیوں کی طرف متوجہ کرنا ہے تاکہ معاشرے میں انسانی اقدار اور فطری اصولوں کو تحفظ فراہم ہو سکے۔
- معاشرے میں ظلم و جبر کی ایک اہم وجہ افراد کا فکری و اخلاقی اقدار سے عاری ہونا ہے لہذا فکر و اخلاق کی اہمیت کو اُجاگر کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے یہ اس وقت ممکن ہو گا جب فکری اور اخلاقی تحدیات سے نمٹنے کے لیے منظم طریقہ کار سے حکمت عملی تیار کی جائے۔
- جدید پیش آنے والے چیلنجز سے مقابلہ کرنے کیلئے ضروری ہے کہ لوگوں کو قبل از وقت جدید فکری و اخلاقی تحدیات کے لیے مستعد رکھا جائے تاکہ مسئلے سے مواجہہ کرتے وقت افراد اتفری کا شکار نہ ہو بلکہ منظم طریقہ کار اور حکمت کیساتھ مقابلہ کرنے کی جرات پیدا ہو سکے۔

فصل دوم: دراسات تحقیق، جواز تحقیق اور سابقہ تحقیق میں موجود خلاء

دراسات تحقیق (Literature Review)

سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ یہ ہے کہ

فکری و اخلاقی مسائل کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مرتب کرنے کے لیے بعض مفکرین و مصنفین اور محققین کی طرف سے تصنیفات و تالیفات اور تحقیقات پیش کی گئی ہیں جن میں کسی خاص جہت سے توضیح و تشریح کے بجائے عمومی اور موضوعی انداز میں فکری و اخلاقی مسائل کے مباحث پر تبصرہ کیا گیا ہے مگر پاکستان کے تناظر میں فکری و اخلاقی تحدیات کو تجزیاتی مطالعہ کے طور پر زیر بحث نہیں لایا گیا۔ لہذا یہ وہ تحقیقی خلا ہے جس کو پُر کرنے کے لیے میں نے اپنے پی ایچ ڈی مقالہ کا عنوان ”پاکستانی معاشرے کو درپیش فکری و اخلاقی تحدیات: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ“ انتخاب کیا ہے۔ لہذا یہ اپنی نوعیت کی منفرد تحقیق ہے جس سے فکری و اخلاقی تحدیات کو ایک نئے رنگ اور آہنگ سے متعارف کروانے کا موقع میسر آئے گا۔

مقالات

1- العلاقات الاجتماعیة فی القرآن الکریم والفکر الاجتماعی المعاصر، جلالی،، یونیورسٹی آف پنجاب، 1991 (پی ایچ ڈی):

یہ ڈاکٹر جلالی کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جسے یونیورسٹی آف پنجاب میں 1991ء کو پیش کیا گیا۔ اس مقالے میں سماجی، معاشرتی اور معاشی نظریات کو مفصل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں میرے موضوع سے متعلق بہت سے مطالب کی وساطت سے رہنمائی ملی۔ لیکن میرا موضوع پاکستانی معاشرے کو درپیش فکری تحدیات اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ ہے لہذا اس میں معاشرے کو درپیش فکری مسائل پر کوئی ضخیم بحث نہیں کی گئی ہے۔

2- فکرہ الاستقراء فی القرآن الکریم، محمد جمیل، قلندر، یونیورسٹی آف پنجاب، 2000 (پی ایچ ڈی)

یہ ڈاکٹر محمد جمیل قلندر کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جسے یونیورسٹی آف پنجاب میں 2000ء کو پیش کیا گیا۔ اس مقالے میں میرے موضوع سے متعلق بہت سے مطالب سے رہنمائی ملی۔ قرآنی افکار کے بارے میں اس میں

منفصل گفتگو کی گئی ہے لیکن فکری مسائل کے لئے درپیش چیلنجز کے پہلو کو اجاگر نہیں کیا گیا ہے۔

3- الفکر الاقتصادي الاسلام لدی امام ابن حزم، حمید اللہ عبدالقادر، یونیورسٹی آف پنجاب، 1986 (پی ایچ ڈی)

یہ ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جسے یونیورسٹی آف پنجاب میں 1986ء کو پیش کیا گیا۔ اس مقالہ میں اسلامی اقتصاد کو لے کر امام ابن حزم کی نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے اس میں فکر اقتصادی کی خوب تشریح و توضیح کی گئی ہے۔ اس حوالے سے اس میں صرف اقتصادی پہلو زیر بحث آیا ہے باقی فکر کے لئے درپیش مسائل کا احاطہ غور طلب رہا ہے۔

4- الفکر الاقتصادي الاسلامی والبناء الاقتصادي للدولة فی الاسلام کما یراه الامام یحییٰ بن آدم، صالح، محمد احمد، یونیورسٹی آف پنجاب 1989 (پی ایچ ڈی)

یہ ڈاکٹر صالح محمد احمد کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جسے یونیورسٹی آف پنجاب میں 1986ء کو پیش کیا گیا۔ اس مقالہ میں اسلامی اقتصاد کو لے کر امام یحییٰ بن آدم کی نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے اس میں فکر اقتصادی کی خوب تشریح و توضیح کی گئی ہے۔ اس حوالے سے اس میں صرف اقتصادی پہلو زیر بحث آیا ہے باقی فکر کے لئے درپیش مسائل کا احاطہ غور طلب رہا ہے۔

5- قوموں کے عروج و زوال کے اخلاقی عوامل۔ شائستہ پروین، نگران ڈاکٹر ثمر فاطمہ، پنجاب یونیورسٹی (پی ایچ ڈی)

یہ ڈاکٹر شائستہ پروین کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جسے یونیورسٹی آف پنجاب میں 2005ء کو پیش کیا گیا۔ اس مقالہ میں قوموں¹ کی تاریخ اور ان کے عروج و زوال کے اسباب کا عمیق نظر سے اتر لیا گیا ہے۔ اس مقالہ میں اسباب زوال کو اخلاقی جہت پیش کیا گیا ہے لیکن پاکستانی سماج کے تناظر میں اخلاقی مسائل اور ان کے اثرات کے حوالے سے کوئی خاص تجزیہ اس میں شامل نہیں۔

6- قوموں کے عروج و زوال پر معاشرتی اخلاقی اور سیاسی پستی کے اثرات، شگفتہ ستار، نگران ڈاکٹر شمس البصر اسلامیہ

یونیورسٹی بہاولپور، 2006 (پی ایچ ڈی)

یہ ڈاکٹر شگفتہ ستار کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جسے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں 2006ء کو پیش کیا گیا۔ اس مقالہ میں قوموں کی تاریخ اور ان کے معاشرتی اخلاقی اور سیاسی اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ مقالہ کسی حد تک ہمارے موضوع بحث کے قریب ہے اس مقالہ میں مجموعی طور پر قوموں کے زوال و عروج اور ان کے اثرات کو ملحوظ رکھا گیا لیکن پاکستان کے تناظر میں کوئی خاص بحث نہیں کی گئی اور اسلامی تعلیمات کی روشنی ان کا حل پیش نہیں کیا گیا ہے۔

7- مسلم امہ کی فکری اصلاح، جہات و تدارک، محسن خان، ڈاکٹر ضیاء الحق یوسفزئی، نمل اسلام آباد، 2015 (پی ایچ ڈی)

یہ ڈاکٹر محسن خان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جسے نیشنل یونیورسٹی اسلام آباد میں 2015ء کو پیش کیا گیا۔ اس مقالے میں مسلم امہ کی فکری اصلاح اور اس کی جہات کا دقیق نظر سے جائزہ لیا گیا ہے لیکن پاکستانی مسلم معاشرے کے تناظر میں فکری مسائل اور ان کے حل کے بارے میں مفصل بحث مفقود ہیں۔

8- اسلام میں فکری آزادی کی حدود، محمد حسین نگران ڈاکٹر عطاء اللہ فیضی نمل اسلام آباد، 2016 (ایم فل)

یہ محمد حسین کا ایم فل کا مقالہ ہے جسے نیشنل یونیورسٹی اسلام آباد میں 2016ء کو پیش کیا گیا۔ اس مقالے میں فکری آزادی کی حدود کے بارے میں جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں پاکستانی معاشرے کو درپیش فکری اور اخلاقی تحدیات کے بارے میں کوئی مفصل گفتگو موجود نہیں۔

9- فکر اسلامی کو درپیش عصری چیلنجز کا تحقیقی جائزہ، محمد سمیع اللہ، نگران پروفیسر ڈاکٹر نور الدین جامی، بہاول الدین الزکریا یونیورسٹی ملتان، 2011 (پی ایچ ڈی)

یہ ڈاکٹر محمد سمیع اللہ کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جسے بہاوالدین الزکریا یونیورسٹی ملتان میں 2011ء کو پیش کیا گیا۔ اس مقالے میں فکر اسلام کو درپیش مسائل کے بارے میں مفصل بحث کی گئی ہے۔ یہ مطالب کے حوالے سے ہمارے موضوع سے بہت مشابہت رکھتی ہے اس میں فکر اسلامی کو درپیش مسائل زیر بحث ہے جبکہ ہمارے موضوع میں مسلم معاشرے کو درپیش فکری مسائل پر بحث کی گئی ہے۔

10- مغرب کی تہذیبی و ثقافتی یلغار: ذرائع ابلاغ کا کردار، فائزہ شریف، یونیورسٹی آف پنجاب (پی-ایچ ڈی)

یہ ڈاکٹر فائزہ شریف کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جسے یونیورسٹی آف پنجاب میں 2011ء کو پیش کیا گیا۔ اس مقالے میں مغربی تہذیب اور ثقافتی یلغار سے مسلم افکار پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ لیا گیا اور اثرات مرتب کرنے میں ذرائع ابلاغ کے کردار پر گفتگو کی گئی ہے لیکن ہمارا موضوع اس سے قدرے مختلف اس لئے ہے کہ اس میں فکری اور اخلاقی تحدیات کی جہات کا تعین کیا گیا ہے۔

11- مغربی تہذیب و افکار اور عبد الماجد دریا آبادی کی فکر و نظر، عبد الماجد، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی (ایم-فل)

یہ عبد الماجد کا ایم فل کا مقالہ ہے جسے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں 2017ء کو پیش کیا گیا۔ اس مقالے میں مغربی تہذیب اور ثقافتی یلغار سے مسلم افکار پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ لیکن اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان مسائل کو حل کرنے کی کوئی تجویز نہیں دی گئی۔

12- حریت فرد کا اسلامی تصور، حماد لکھوی، محمد، یونیورسٹی آف پنجاب، 2000 (پی ایچ ڈی)

یہ محمد حماد لکھوی کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جسے یونیورسٹی آف پنجاب میں 2000ء کو پیش کیا گیا۔ اس مقالے میں اسلام میں فرد کی آزادی پر بحث کی گئی ہے۔ اس میں بعض مطالب فکری مسائل پر مبنی ہے لیکن پاکستانی معاشرے کو درپیش فکری مسائل پر مفصل کوئی باب باندھا نہیں گیا۔

1- **فکر اسلامی کا بحران:** فکری مسائل پر مبنی ایک جامع کتاب ہے ڈاکٹر عبد الحمید احمد ابو سلیمان کی عربی تصنیف ہے۔ جناب ڈاکٹر عبید اللہ فہد (ریڈر شعبہ اسلامیات مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) نے اس اہم کتاب کا ششہ اور رواں اردو زبان میں ترجمہ ہے کیا ہے اس پوری کتاب کا ماحصل یہی ہے کہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے رہنے کے باوجود اسلام کے موجودہ نام لیوا کس طرح اپنے دین کے اصل ماخذ کتاب و سنت سے دور ہوتے چلے گئے ہیں اور کس طرح انہوں نے مغربی نظریات و افکار کو بلا سوچے سمجھے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اختیار کر لیا۔

2- **تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق:** ابن مسکویہ، احمد بن محمد (1426) کی تصنیف ہے۔ ابن مسکویہ کے فکر و نظر کا مرکزی نقطہ و خیال اخلاق ہے ان کا نقطہ نظریہ ہے کہ نوجوانوں کی تعلیم و تربیت سے ان کے اخلاق سنوارے جاتے ہیں۔ لیکن اخلاقی مسائل اور ان کے حل پر الگ سے کوئی باب اس کتاب میں شامل نہیں۔

3- **علم الاخلاق:** یہ ناصر مکارم شیرازی کی شہرہ آفاق کتاب ہے جو اخلاق کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں اخلاق کا مفہوم، اخلاق کے اصول اور اس کے ماخذ کو مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اخلاقی مسائل اور ان کے اسباب کے بارے میں کوئی الگ باب مرتب نہیں کیا گیا ہے۔

4- **فلسفہ اخلاق:** یہ مرتضیٰ مطہری کی تحریر کردہ کتاب ہے۔ جو اخلاق کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں ¹ اخلاق کا مفہوم، اخلاق کے بارے میں مختلف نظریات، اخلاق کے اصول اور اس کے ماخذ کو مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ لیکن سماجی میدان میں اخلاقی مسائل کے بارے میں اخلاقی اسباب سے عاری ہے۔

5- **اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات:** یہ کتاب سید ابو الاعلیٰ مودودی کی شہرہ آفاق کتابوں میں شامل ہے اس کتاب میں دور حاضر کے مسلمانوں کے معاشرتی مسائل، اور اسلامی نظام حکومت پر دقیق

گفتگو کی گئی ہے۔ جو ہمارے موضوع کے زیادہ قریب ہے لیکن فکری اور اخلاقی مسائل پر کوئی الگ سے باب نہیں ملتا۔

6- تزکیہ نفس: یہ کتاب امین احسن اصلاحی کی تصنیف ہے اس کتاب کے 36 ابواب ہیں جس کا مرکزی نقطہ تزکیہ نفس ہے اس مقالے میں بہت سے مطالب فکری تطہیر پر منبج ہوتے ہیں لیکن بلا واسطہ فکری اور اخلاقی مسائل پر کوئی الگ سے باب نہیں ملتا۔

7- اخلاق اور فلسفہ اخلاق: محمد حفظ الرحمن کی تصنیف کردہ اس کتاب کا تعلق بھی اخلاق سے ہے۔ تمام مذہبی علوم میں اخلاق کا ذکر ملتا ہے لیکن اسلام کے تناظر میں اس کتاب میں زیادہ گفتگو کی گئی ہے اس کے علاوہ دیگر زاویوں سے بھی مفصل گفتگو اس کتاب میں ملتی ہے۔ جیسے شروع میں اخلاق کی مباحث نفسیہ ہے۔ اس کتاب میں ہمارے موضوع سے متعلق ضمنی مطالب تو ملتے ہیں لیکن فکری اور اخلاقی مسائل بیان کئے بغیر ان کے اسباب پر مفصل گفتگو کی گئی ہے۔

8- Issues in Contemporary Islamic Thought:

یہ شیخ طہ جابر کی شہرہ آفاق تصنیف ہے اس نے اس کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں فکر اسلامی کے لئے درپیش مسائل کے بارے میں مفصل گفتگو موجود ہے۔ اس کا مرکزی نقطہ علم کی اسلامی تشکیل ہے جس کی وجہ سے نوجوان نسل کو قرآنی تعلیمات سے ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے۔ اس حوالے سے یہ صرف ایک پہلو کی طرف رہنمائی کرتا ہے لیکن سماج میں بہت سے فکری و اخلاقی مسائل موجود ہیں جن کا حل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پیش کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

9-Islamic Thought:An Introduction:

یہ ڈاکٹر عبد اللہ کی تصنیف ہے جسے رُطلیج نے 14 جولائی 2006ء کو شائع کیا ہے۔ یہ کتاب 224 صفحات پر مشتمل ہے اس میں سماجی مختلف جہات کے بارے میں اسلامی نظریات کو مفصل انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن فکری اور اخلاقی مسائل کے لئے کوئی الگ سے باب نہیں باندھا گیا۔

10-Traditional islam in the modern world:

یہ سید حسین نصر کی تصنیف ہے جسے سہیل اکیڈمی لاہور نے 1977ء میں شائع کیا ہے۔ یہ کتاب 335 صفحات پر مشتمل ہے اس کتاب میں اسلام کو جدید زمانے کے آئینہ میں تشریح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن فکری اور اخلاقی مسائل کو کسی خاص پیرائے میں بیان نہیں کیا گیا ہے بکھرے مطالب کو جمع کرنے سے موضوع کی ایک خاص جہت متعین ہو سکتی ہے۔

11-Islamic life and Thought:

یہ بھی سید حسین نصر کی تصنیف ہے جسے سہیل اکیڈمی لاہور نے 1985ء میں شائع کیا ہے۔ یہ کتاب 232 صفحات پر مشتمل ہے اس کتاب میں اسلام کا نظریہ حیات احسن طریقے سے زیر بحث لائی گئی ہے لیکن اس میں فکری اور اخلاقی مسائل کو کسی خاص پیرائے میں بیان نہیں کیا گیا ہے بکھرے مطالب کو جمع کرنے سے موضوع کی ایک خاص جہت متعین ہو سکتی ہے۔

¹ آرٹیکلز

1- اسلام اور تجدید پسندی: ڈاکٹر محمد امین کی اس آرٹیکل کو 2005ء میں بصیرہ انسٹیٹیوٹ نے شائع کیا ہے۔ اس مضمون میں اسلام اور تجدید کے نام نہاد ٹکراؤ کو مسترد کیا ہے بلکہ اسلام تجدید پسندی سے کام لیتا ہے۔ اس مضمون میں فکری و اخلاقی جہات میں سے صرف ایک پہلو کو اجاگر کیا ہے باقی جہات کا اس میں کسی قسم کا اشارہ نہیں ملتا۔

2- مبشر نذیر، الحاد جدید کے مغربی اور مسلم معاشرے پر اثرات، کراچی یونیورسٹی ریسرچ فورم مبشر نذیر کا یہ مضمون کراچی یونیورسٹی ریسرچ فورم نے 2010ء میں شائع کیا ہے۔ اس مضمون میں الحادی نظریات سے نوجوان نسل پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس مضمون میں بھی فکری و اخلاقی جہات میں سے صرف ایک پہلو کو اجاگر کیا ہے باقی جہات کا اس میں کسی قسم کا اشارہ نہیں ملتا۔

3-The Concepts of Hope and Fear in the Islamic Thought: Implications for Spiritual Health:

یہ مضمون سپرنگ لنک پر 20 جنوری 2017 کو شائع ہوئی جس کو فاطمہ بہمانی و دیگر نے تحریر کیا ہے۔ اس میں امید اور خوف کے عنصر کو اجاگر کیا گیا ہے۔ جس کا براہ راست فکر و اخلاق سے تعلق ہے۔ لیکن یہ اس کا ایک جزء تو ہے لیکن تمام مسائل نہیں۔

4-Extremism in Pakistan: Issues and Challenges

ڈاکٹر زاہد حسین کی اس آرٹیکل کو جنوری تا جون 2018ء جرنل آف پولیٹکس اینڈ انٹرنیشنل سٹڈیز میں شائع کیا ہے۔ اس مضمون میں انتہا پسندی کے مختلف جہات اور ان کے اسباب و عوامل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس مضمون میں فکری و اخلاقی جہات میں سے صرف ایک پہلو کو اجاگر کیا ہے باقی جہات کا اس میں کسی قسم کا اشارہ نہیں ملتا۔

5-The Politics of Religious Extremism in Pakistan: An Analysis

ڈاکٹر سدر اکرامت کی اس آرٹیکل کو جون 2019ء میں ریو آف اکنامکس اینڈ ڈولپمنٹ سٹڈیز نے شائع کیا ہے۔ اس مضمون میں مذہبی انتہا پسندی کے مختلف جہات اور ان کے اسباب و عوامل کو زیر بحث لایا گیا ہے اس ضمن میں اس کے معاشرتی اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے مذہبی انتہا پسندی کے سدباب کے لئے لائحہ عمل دیا گیا ہے تاکہ سماج ترقی کے راہ پر گامزن ہو سکے۔

6-Atheism in Muslim societies: Problems and Solutions

ڈاکٹر ثناء رسول کی اس آرٹیکل کو جولائی 2023ء میں انٹرنیشنل جرنل آف اسلامک اینڈ سوشل سائنسز نے شائع کیا ہے۔ اس مضمون میں الحاد اور اس کی اقسام پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے ضمنی امحاث میں اس کے ذرائع اور اسباب کا خوب جائزہ لیا گیا ہے۔ خصوصاً نوجوان نسل پر پڑنے والے اثرات کا عمیقانہ نظر سے جائزہ کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں فکری و اخلاقی جہات میں سے صرف ایک پہلو کو اجاگر کیا ہے باقی جہات کا اس میں کسی قسم کا اشارہ نہیں ملتا۔

جواز تحقیق (Rational of Research)

اس موضوع کے انتخاب میں چند نکات انتہائی اہمیت کا حامل ہیں یہ چیزیں اس موضوع پر تحقیق کے لئے جواز فراہم کرنے کے ساتھ محقق کو تجسس میں ڈال دیتی ہیں۔ ان میں سے چند ایک محرکات کو ذیل میں اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

- پاکستانی معاشرے میں فکری اور اخلاقی تحدیات کی وجہ سے نوجوان نسل فکری اور اخلاقی طور پر بے راہ روی کا شکار نظر آتی ہے۔ الحادی نظریات سرایت کرنے کی وجہ سے اسلامی تعلیمات سے دوری روز کا معمول بن چکا ہے جس کی وجہ سے گروہ بندی، نسلی، لسانی اور علاقائی تعصب، تفرقہ بازی، قتل و غارت، رشتوں کا عدم لحاظ، حلال اور حرام کی عدم تمیز جیسے داخلی اور خارجی فکری اور اخلاقی مسائل پاکستانی سماج میں اپنی گرفت مضبوط کر رہے ہیں۔ مقالہ ہذا میں ان فکری اور اخلاقی تحدیات کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لینا مقصود ہے جن سے پاکستانی معاشرہ فکری اور اخلاقی طور پر زبوں حالی کا شکار ہے۔
- فکری اور اخلاقی تحدیات کی نوعیت کا جائزہ لئے بغیر مسائل کا عمیق حل پیش کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے تحدیات کی تمام جہات کے ملاحظے کے بعد تعلیمات اسلامی کی روشنی میں مروجہ حل ہی پائیدار ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی رہنمائی قرآن اور آفاقی تعلیمات سے مزین ہوتی ہے اور جسے کوئی چیلنج بھی نہیں کر سکتا۔
- عصر حاضر میں قومی اور قبائلی تنازعات کی بنیادی وجہ بھی فکری اور اخلاقی مسائل ہی ہیں لہذا ان مسائل کو اجاگر کرنے اور قرآن کی روشنی میں ایک پائیدار حل کے ذریعے قومی تنازعات کا سدباب کیا جاسکتا ہے۔
- اعلیٰ فکری اور اخلاقی روایات کسی بھی معاشرے میں انسانی اور فطری اقدار کی پاسبان ہوتی ہیں لہذا ان کے تحفظ کے لئے بیرونی مسائل کی جانچ پڑتال اور ان کے سدباب کے لئے حکمت عملی وقت کی اشد ضرورت ہے تاکہ اس حکمت عملی کے ذریعے مسائل کا دفاع ممکن ہو سکے۔

بیان مسئلہ (Statement of the Problem)

پاکستانی معاشرے میں بہت سے اسلامی اداروں کے قیام اور ان کی کارکردگی نیز ممتاز علماء و دانشوروں کی سماجی و دینی خدمات کے باوجود بعض فکری تحدیات جیسے انتہا پسندی، الحاد، فرقہ واریت، لسانی و علاقائی تعصبات اسی طرح بعض اخلاقی تحدیات جیسے کرپشن، حق گوئی سے احتراز، جذبہ حب الوطنی کا بحران جیسے مسائل کا سامنا ہے۔ ان حالات میں ہم اپنی اقدار کی حفاظت کے لئے فکری و اخلاقی تحدیات کی جہات، ان کے اسباب و عوامل اور ان کے مذہبی، معاشرتی، سیاسی اور معاشی اثرات کا جائزہ لے کر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں لائحہ عمل دینا مقصود ہے تاکہ پاکستانی سماج کو ان تحدیات سے حد الامکان تحفظ دیا جاسکے۔

سابقہ تحقیق میں موجود خلاء: (Research Gap)

فکری و اخلاقی مسائل کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مرتب کرنے کے لیے بعض مفکرین و مصنفین اور محققین کی طرف سے تصنیفات و تالیفات اور تحقیقات پیش کی گئی ہیں جن میں کسی خاص جہت سے توضیح و تشریح کے بجائے عمومی اور موضوعی انداز میں فکری و اخلاقی مسائل کے مباحث پر تبصرہ کیا گیا ہے مگر پاکستان کے تناظر میں فکری و اخلاقی تحدیات کو تجزیاتی مطالعہ کے طور پر زیر بحث نہیں لایا گیا۔ لہذا یہ وہ تحقیقی خلا ہے جس کو پُر کرنے کے لیے میں نے اپنے پی ایچ ڈی مقالہ کا عنوان ”پاکستانی معاشرے کو درپیش فکری و اخلاقی تحدیات: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ“ انتخاب کیا ہے۔ لہذا یہ اپنی نوعیت کی منفرد تحقیق ہے جس سے فکری و اخلاقی تحدیات کو ایک نئے رنگ اور آہنگ سے متعارف کروانے کا موقع میسر آئے گا۔

فصل سوئم: مقاصد تحقیق، سوالات تحقیق اور منہج واسلوب

مقاصد تحقیق: (Research Objectives)

- اسلامی فکر و اخلاق کے اصول و مبادی تلاش کرنا۔
- پاکستانی معاشرے کے فکری اور اخلاقی تحدیات کی جہات کا تعین کرنا۔
- پاکستانی معاشرے کے فکری اور اخلاقی انحطاط کے اسباب کا جائزہ لینا۔
- قرآن و سنت کی روشنی میں فکری اور اخلاقی تحدیات کا تجزیہ کرنا

سوالات تحقیق : (Research Question)

- فکر اور اخلاق کے اسلامی اصول کون کون سے ہیں؟
- پاکستانی معاشرے کی فکری اور اخلاقی تحدیات کی جہات کس نوعیت کی ہیں؟
- پاکستانی معاشرے میں فکری اور اخلاقی انحطاط کے اسباب اور عوامل کی تعیین کیسے ممکن ہے؟
- اسلامی تعلیمات فکری و اخلاقی تحدیات کے سدباب کے لئے کیا حکمت عملی رکھتی ہیں؟

منہج تحقیق: (Research Methodology)

1. تحقیق کے معیاری پیراڈائم (Qualitative Paradigm) میں رہتے ہوئے تجزیاتی منہج تحقیق اختیار کیا گیا

ہے۔

2. تحقیق میں بنیادی مصادر (قرآن مجید، کتب احادیث صحاح ستہ وغیرہ)، کتب تفاسیر (تفسیر ابن کثیر، تفسیر طبری، تفسیر مظہری، تفسیر قرطبی، تفسیر المنار، تفسیر کبیر فخر رازی وغیرہ)، کتب اللغات، تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق (از ابن مسکویہ)، التعریفات (از جرجانی)، کتاب الاموال (از ابو عبیدہ)، الموائقات (از ابو اسحاق شاطبی)، احیاء العلوم (از غزالی)، نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات (از ابو الاعلیٰ مودودی) وغیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

3. حسب ضرورت ثانوی مصادر (فکر اسلامی کا بحران (از عبد الحمید احمد ابو سلیمان)، اخلاق اور فلسفہ اخلاق (از محمد

حفظ الرحمن)، الفاروق (از شبلی نعمانی)، سیرت ابو بکر صدیق رضی اللہ (از ابو نعمان سیف اللہ)، فلسفہ اخلاق (از مرتضیٰ مطہری)، الحاد جدید کے مغربی اور مسلم معاشرے پر اثرات (از مبشر نذیر)، مولانا شبلی نعمانی پر ایک نظر (از صباح الدین عبد الرحمن)، اساسیات اسلام (از رشید احمد جالندری)،

4-Harry Cox, secular city: Secularization and Urbanization in Theological prospective
(Newyark: MacMillan, 1966),

5-Wilfred cantwell smith, Islam in modern history,(NewYork: The New American library, 1957)

وغیرہ کی طرف بھی رجوع کیا گیا ہے۔

6-مقالہ ہذا میں تجزیہ مواد کے مختلف تکنیکس اور طریقے جن کا استعمال اس مخصوص تحقیقی مقصد کے مطابق کیا گیا ہے جیسے Inference Analysis، استنتاجی استدلال (Deductive Inference)، اور کوالٹیو تجزیہ مواد (Qualitative Content Analysis)، کی تطبیق عمل میں لائی گئی ہے۔

7- جدید تحقیق کے ذرائع مثلاً ویب سائٹس، سافٹ ویئر، ڈیجٹل لائبریری (اسلامی سافٹ ویئر، مکتبہ شاملہ، اسلامک ڈیجٹل لائبریری وغیرہ) سے استفادہ کیا گیا ہے جن میں درج ذیل نمایاں ہیں

www.islamtime.com، www.Hadees.com

www.minhaj.org.com

www.kitabosunnat.com

www.britannica.com/topic/islamicarts

www.archive.com

8- مقالہ کی تحریر و تسوید اور حوالہ جات کے لئے شکاگو مینول سٹائل اختیار کیا گیا ہے۔

محمد حسین

پی ایچ ڈی اسکالر

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت، نمل اسلام آباد

10-07-2024

باب دوئم: پاکستانی معاشرہ اور فکر و اخلاق کے اسلامی اصول و ماخذ

• فصل اوّل: معاشرہ اور مفہوم فکر و اخلاق

• فصل دوئم: فکر و اخلاقِ اسلامی کے بنیادی اصول و ماخذ

باب دوم:

پاکستانی معاشرہ اور فکر و اخلاق کے اسلامی اصول و ماخذ

پاکستان ایسا اسلامی ملک ہے جو کلمہ لا الہ الا اللہ کی بنیاد پر وجود میں آیا۔ اسلامی نظام معاشرت کو اگر دیکھا جائے تو اسلام ایک پائیدار طرز معاشرت رکھتا ہے جس کے اصول مستقل اور واضح ہیں، اسلام کا پورا نظام عدل پر قائم ہے، یہ ایک ایسا جامع اور ہمہ گیر نظام ہے کہ زندگی کی تمام سرگرمیاں اس کے دائرے میں آجاتی ہیں۔ یہ انسان کے قلب و ضمیر کی تربیت کرتا اور اس کے معاملات زندگی میں رہنمائی کرتا ہے اس کی ہدایات و قانون سازی دین و دنیا پر حاوی ہے۔

مسلمان اپنی ابتدا سے اکثر قوموں کے مقابلے میں اخلاق کی اہمیت سے زیادہ واقف اور متواتر اخلاقی ڈھانچے سے انحراف کے بارے میں زیادہ حساس رہے ہیں۔ تاہم جہاں تک قرآن کے پیش کردہ اور رسول اللہ کے قول و فعل سے ثابت اخلاقیات کے بروئے کار لائے جانے کا مسئلہ ہے، اس میں ہر زمانے میں شدید ترین دشواریاں پیش آتی رہی ہیں۔ ان دشواریوں کا تعلق ایک طرف احوال زمانہ اور اخلاقی نظریات کی عملی تشکیل سے رہا ہے تو دوسری طرف اجتہادی مساعی کے امکانات سے۔ ان دشواریوں کی طرف احادیث میں بھی اشارہ ملتا ہے:

((إِنَّ الدِّينَ بَدَأَ غَرِيبًا وَ يَرْجِعُ غَرِيبًا فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ الَّذِينَ يُصْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُنَّتِي))¹

"دین اپنی ابتدا میں اجنبی تھا۔ وہ اجنبی ہونے کی صورت میں ہی لوٹ جائے گا۔ اس لیے ان اجنبیوں کو خوش خبری ہو جو میرے بعد میری سنت میں پیدا کیے گئے بگاڑ کو درست کریں گے۔"

اسلامی مفکرین پچھلی دو صدیوں سے فکر اسلامی اور سائنسی و تکنیکی ترقیات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اہم اور حیرت انگیز تبدیلیوں کے درمیان ہم آہنگی کی کوششیں کرتے آرہے ہیں ان مفکرین کی زیادہ کوشش اس بات پر رہی ہیں کہ کسی طرح کہتجد (Modernity) اور روایت (Tradition) کے درمیان ایک قسم کی موافقت اور ہم آہنگی پیدا ہو جائے۔ ان مفکرین کی غالب سوچ یہ تھی کہ روشن خیالی کے بعد کی فکر (Post-enlightment thought) اور فکر اسلامی (Islamic thought) کے درمیان مشترک عنصر عقل ہے۔

اس باب میں فکر و اخلاق کے مفہوم اور اس کے اصول و مبادی نیز فکر اسلامی کا منبع و ماخذ کو قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے

¹صحیح، کتاب الایمان، باب بیان أن الإسلام بدأ غريباً، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1375ھ)، حدیث رقم: 372

فصل اول: پاکستانی معاشرہ اور مفہوم فکر و اخلاق

معاشرہ افراد کے ایک ایسے گروہ کو کہا جاتا ہے کہ جسکی بنیادی ضروریات زندگی میں ایک دوسرے سے مشترکہ روابط موجود ہوں۔ کلام عرب میں اسے المجتمع کہا جاتا ہے لسان العرب میں اس کا معنی کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

"هو عبارة عن فئة من الناس تشكّل مجموعة تعتمد على بعضها البعض، يعيشون مع بعضهم، وترابطهم روابط ومصالح مشتركة وتحكمهم عادات وتقاليدهم وقوانين واحدة"¹.

"معاشرہ عبارت ہے انسانوں کے ایک ایسے گروہ سے جو ایک جماعت کو تشکیل دیتا ہے جس کے افراد ایک دوسرے پر انحصار رکھتے ہیں، جو ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں۔"

معاشرے کی تعریف سے یہ بات واضح ہے کہ انکا تعلق ایک ہی قوم یا ایک ہی مذہب سے ہونا لازمی نہیں²۔ اسی طرح معاشرت کے معنی ہیں رہن سہن، طرز معاشرت کا مطلب ہے معاشرے میں رہنے سہنے کے ڈھنگ، سماج کے دوسرے افراد کے ساتھ ربط وارتباط کے طریقے اور شب و روز کے مسائل حل کرنے کے اصول و ضوابط۔ معاشرہ کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

"یہ انسانی روابط کا ایک کلی مرکب ہے اس بنا پر کہ یہ روابط انسانی عمل سے پیدا ہوتے ہیں اور ذرائع و مقاصد کے مابین رشتوں کے توسط قائم رہے ہیں۔"³

انسان ایک معاشرتی وجود ہے، وہ پیدائش سے لے کر موت تک اپنے معاشرے سے متعلق ہوتا ہے۔ اپنی تمام تر ضروریات زندگی کے لئے وہ سماج کا سہارا لیتا ہے۔ اگر اس سے وہ تمام علاقے حذف کر دئے جائیں جو معاشرے کی بدولت اس کو حاصل ہوتے ہیں تو اس کے پاس کچھ باقی نہیں رہتا اور اس کی انسانی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ انسان کے اعمال، افکار، اور عادات کو معاشرتی زندگی کے سیاق کے بغیر سمجھا نہیں جاسکتا ہے۔ ابن خلدون اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"افراد انسانی کا اکٹھے مل جل کر رہنا ایک ناگزیر امر ہے۔ یہ ایک اہم حقیقت ہے جسے اہل علم اس طرح بیان کرتے ہیں کہ انسان پیدائشی طور پر مدنیت پسند واقع ہوا ہے"⁴

¹ ابن منظور، محمد بن مکرم الافریقی المصری، لسان العرب (بیروت: دار الصادر۔ لبنان)، ج 4، ص: 270

² اردو دائرہ معارف اسلامیہ، (لاہور: دانش گاہ پنجاب 1395ھ، 1985)، ج 15، ص: 450

³ ساجد الرحمان، اسلامی معاشرہ کی تاسیس و تشکیل، (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی ۱۹۹۷)، ص: 149

⁴ ساجد الرحمان، اسلامی معاشرہ کی تاسیس و تشکیل، ص: 149

معاشرے کے افراد ایک خاص ترکیب کے ساتھ ایک دوسرے سے مربوط ہو جاتے ہیں اور ان کے اثرات بھی آپس میں پیوستگی اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ایسے اثرات مرتب ہوتے ہیں جو علیحدہ حیثیت میں اجزاء کے مجموعی آثار نہیں ہوتے۔ جس طرح گاڑی کے پُرزے ایک دوسرے سے مربوط ہو کر مجموعی آثار مرتب کر لیتے ہیں اس ترکیب میں اجزاء کے درمیان جبری ارتباط اور جبری تعاون کا فرما ہوتا ہے۔

پاکستانی معاشرہ

پاکستانی معاشرہ مختلف ثقافتوں، مذاہب اور زبانوں کا ایک مرکب ہے۔ لیکن اکثریت مسلمانوں کی ہے باقی مذاہب کے پیروکار بہت ہی اقلیت میں ہے باب تغلیب کے طور پر پاکستانی معاشرہ سے مراد ایسا اسلامی معاشرہ ہے جو توحید، اسلامی عقائد اور آخرت پر یقین رکھتا ہے۔ چنانچہ اس کا پورا نظام زندگی اسلامی عقائد و نظریات کے تابع ہوتا ہے۔

اسلام میں مشترکہ بنیادی ضروریات زندگی کے اس تصور کو مزید بڑھا کر بھائی چارے اور فلاح و بہبود جیسے مفاہیم کو بھی شامل کیا گیا ہے جس کی وجہ سے اسلام دیگر مذاہب کے بیان کردہ زندگی کے اسلوب اور مفاہیم میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ حالانکہ ان اسلوب کا مفاد تمام انسانوں سے متعلق ہے لیکن دیگر مذاہب کے پیروکار ان کی حقیقت سے لابلد ہے۔ جیسا کہ امر بالمعروف کا تصور جو بلا واسطہ سماج کے مفاد سے پیوست ہے جو صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ اہل کتاب کے بھی مفاد میں ہے لیکن اہل کتاب کو اس کی افادیت کا علم نہیں۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ

بِاللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِّنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾¹

(تم سب امتوں میں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لیے بھیجی گئی ہیں اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے

روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو، اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر تھا، کچھ ان میں سے ایماندار

ہیں اور اکثر ان میں سے نافرمان ہیں۔)

پاکستانی معاشرے کی خصوصیات کو مختلف زاویوں سے بیان کیا جاسکتا ہے:

1- مذہب کی اہمیت

پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہے اور اس کا معاشرہ بھی بنیادی طور پر اسلامی اصولوں پر مبنی ہے۔ اسلامی نظریے کے مطابق انسان کو اس دنیا میں نائب خدا کا درجہ حاصل ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرشتوں سے یہی فرمایا تھا کہ میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

¹ آل عمران: 110

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةًۭ قَالُوْۤا اَنْتَ جَاعِلٌ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَۤ اَلْاَرْضَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾¹

(اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں تو انہوں نے عرض کیا: کیا تو زمین میں اسے نائب بنائے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا حالانکہ ہم تیری حمد کرتے ہوئے تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ فرمایا: بیشک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔)

اللہ کے خلیفہ کے اس منصب سے صاف ظاہر ہے کہ اسلامی نظریہ حیات کے مطابق انسان کو وہ تمام قسم کی صلاحیتیں عطا کی گئی ہیں جن سے کام لے کر وہ صحیح راہ پر گامزن ہو سکتا ہے اور اس طرح انسانیت کی تعمیر اور معاشرے کی فلاح و بہبود کا موجب بن سکتا ہے۔

مسلم معاشرے کا ایک اور اہم اصول عدل کا نفاذ ہے۔ عدل کا مطلب یہ ہے کسی شخص کے ساتھ بدون افراط و تفریط کے وہ معاملہ کرنا، جس کا وہ واقعی مستحق ہے۔ عدل و انصاف کا ترازو ایسا صحیح اور برابر ہونا چاہیے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے دونوں پلڑوں میں سے کسی پلڑے کو جھکا نہ سکے۔ یعنی نہ محبت و تعلق آپ کو راہِ حق سے ہٹائے اور نہ عداوت و دشمنی آپ کو انصاف سے پھیر سکے۔ بس یہی عدل ہے، یہی انصاف ہے، جس کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمَنُوْۤا قَوْمِیْنَ لِلّٰہِ شٰہِدَآءَ بِالْقِسْطِ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی اَلَّا تَعْدِلُوْۤا اَعْدِلُوْۤا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَ اتَّقُوا اللّٰہَ اللّٰہُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾²

(اے ایمان والو! انصاف کے ساتھ گواہی دیتے ہوئے اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ اور تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے کہ تم انصاف نہ کرو (بلکہ) انصاف کرو، یہ پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ تمہارے تمام اعمال سے خبردار ہے۔)

کسی بھی معاشرہ کی بقاء کے لیے جو چیز لازم اور ضروری ہے، وہ عدل و انصاف ہے یہ عدل و انصاف حاکم کی طرف سے بھی اپنی رعایا کے لیے ہو، اور رعایا کا آپس میں بھی عدل و انصاف کو قائم رکھنا لازم ہے، گویا یہ اجتماعی سطح پر بھی اور انفرادی سطح پر بھی لازم اور ضروری امر ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

¹ البقرة: 30

² المائدہ: 8

((مَنْ طَلَبَ قَضَاءَ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى يَنَالَهُ، ثُمَّ غَلَبَ عَدْلُهُ جَوْرَهُ فَلَهُ الْجَنَّةُ، وَمَنْ غَلَبَ جَوْرُهُ عَدْلَهُ فَلَهُ النَّارُ))¹

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مسلمانوں کے منصب قضاء کی درخواست کرے یہاں تک کہ وہ اسے پالے پھر اس کے ظلم پر اس کا عدل غالب آجائے تو اس کے لیے جنت ہے، اور جس کا ظلم اس کے عدل پر غالب آجائے تو اس کے لیے جہنم ہے۔"

مسلم معاشرہ فقہان عدل سے پڑنے والے مادی و روحانی اور دنیاوی و اخروی اثرات سے پاک ہوتا ہے کیونکہ یہ آفاقی تعلیمات کا عملی مظہر ہونے کے ساتھ امن و سلامتی کا ضامن ہوتا ہے۔

اسلامی معاشرے کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ تمام انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اور ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ انسان ہونے کی حیثیت سے وہ سب برابر ہیں، اور ان کے درمیان نسل، رنگ، زبان، قومیت اور وطنیت کی بناء پر جو تعصب پیدا ہو گئے ہیں۔ اسلام ان سب کو غلط اور جاہلیت قرار دیتا ہے۔ اس سلسلے میں ارشاد باری ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِوَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾²

(لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت دنیا میں پھیلا دیے)۔

مسلم معاشرے کا ایک اہم خاصہ جذبہ ایثار و قربانی ہے جس کا مطلب انسان کا اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دینا۔ مثلاً بھوک کی شدت کے باوجود کسی بھوکے شخص کو اپنا کھانا کھانا۔ اپنی احساسات و جذبات کو دوسرے کی خواہش پر قربان کرنا ایک ایسا عمل ہے جو اسلام کے نزدیک انتہائی قابل تحسین ہے۔

دوسروں کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھنا اور اپنی تکلیف کو بھول کر دوسروں کی پریشانی دور کرنے کے لیے بے قرار ہو جانا ہی ایثار ہے، اس جذبہ کو ابھارنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ))³

¹ ابو داؤد، السنن، کتاب الاقضية، باب: فی القاضی یخطی، (بیروت دار الفکر، لبنان، 1414ھ) حدیث رقم: 3575

² النساء: 1

³ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب: مَنْ الْإِيمَانِ أَنْ يُحِبَّ لِأَخِيهِ، (بیروت: دار الفکر لطباعة والنشر و توضیح

1401ھ / 1981ء) حدیث رقم: 13

ایشیاء کے جذبہ کو ہم صحابہ کرامؓ کی زندگی میں بھی بدرجہ اتم دیکھ سکتے ہیں، انھوں نے اسے اپنی زندگی کا وصف لازم قرار دیا تھا۔ اس سلسلے میں حضرت ابو طلحہ کا واقعہ بہت مؤثر اور سبق آموز ہے، بیشتر کتابوں میں اسے ایشیاء کے باب میں درج کیا گیا ہے۔ یہ نادر مثال ہمیشہ انسان کے اندر ایشیاء کی روح پھونکتی رہے گی۔

”جنگ یرموک میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ، حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ، حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ زخم کھاکر زمین پر گرے اور اس حالت میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے پانی مانگا، پانی آیا تو دیکھا کہ حضرت سہیل رضی اللہ عنہ پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں، بولے پہلے ان کو پلاؤ حضرت سہیل رضی اللہ عنہ نے پانی مانگا تو انھوں نے دیکھا کہ حضرت حارث رضی اللہ عنہ کی نگاہ بھی پانی کی طرف ہے، بولے ”ان کو پلاؤ“ نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کے منہ میں پانی کا ایک قطرہ نہ گیا اور سب نے تشنہ کامی کی حالت میں جان دی۔“¹

اسلامی معاشرت کا ایک اہم پہلو عفت و عصمت ہے مذہب اسلام نے عفت و عصمت کی پاکیزگی اور اس کی اہمیت کو برقرار رکھنے کے لئے ایسے اصول وضع کر دیئے ہیں کہ ان کی پاسداری میں بے حیائی کا تقریباً سد باب ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْرُبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾²

(زنا کے قریب نہ جاؤ، بلاشبہ وہ بے حیائی کا کام ہے، اور بڑا ہی برا راستہ ہے۔)

اس آیت میں زنا کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ ایسے امور کے قریب بھی نہ جاؤ جو زنا کی جانب لے جانے والے ہیں، عریانیت، مرد و عورت کا اختلاط، غیر مرد کے ساتھ تنہائی، پارٹی یا فیشن کے نام پر غیروں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، فطری تقاضوں کے نام پر عفت و عصمت کا سودا غرضیکہ ہر وہ کام جو زنا کے لئے راہ ہموار کرے

2- ثقافت کی تنوع

پاکستان ایک کثیر الثقافتی ملک ہے جس میں مختلف قومیں اور اقلیتی گروہ شامل ہیں۔ یہاں کی ثقافتیں مختلف علاقوں کی جغرافیائی، لسانی اور مذہبی پس منظر پر مبنی ہیں۔ پاکستان میں پنجابی، سندھی، پٹھان، بلوچی، کشمیری، اور ہزارہ قوموں سمیت متعدد نسلی گروہ آباد ہیں۔ ہر قوم کی اپنی روایات، لباس، خوراک، موسیقی اور دیگر ثقافتی خصوصیات ہیں۔ ثقافتوں کی تنوع اللہ کی تخلیق کا حصہ ہے اور یہ کہ انسانوں کو اپنے مختلف ثقافتی، نسلی اور لسانی پس منظر کو سمجھنا اور ایک دوسرے کے ساتھ

¹ ندوی، عبدالسلام، اسوہ صحابہؓ (دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ 1985)، ج 1، ص: 156

² الاسراء: 32

احترام کے ساتھ پیش آنا چاہئے۔ اللہ کے نزدیک سب انسان برابر ہیں اور ان کا حقیقی معیار صرف تقویٰ ہے، جو اخلاقی اور روحانی فضیلت کی نشاندہی کرتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾¹

(اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ اللہ بے شک جاننے والا اور خبردار ہے۔)

یہ آیت قرآن مجید کی ایک بنیادی تعلیم ہے جو انسانوں کے درمیان ثقافتی، نسلی، اور لسانی تنوع کو سمجھنے اور اس کا احترام کرنے کی اہمیت پر زور دیتی ہے۔

تنوع کا مقصد: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف قوموں، قبیلوں، رنگوں اور زبانوں میں پیدا کیا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کو پہچان سکیں اور ایک دوسرے کے ثقافتی پس منظر سے آگاہ ہوں۔ یہاں "تعارف" کا لفظ استعمال ہوا ہے، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مختلف ثقافتوں کا مقصد ایک دوسرے سے آگاہی حاصل کرنا ہے، نہ کہ نفرت یا امتیاز پیدا کرنا۔

مساوات کا پیغام: اس آیت میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ اللہ کے نزدیک انسانوں کی قدر و قیمت کا معیار صرف "تقویٰ" ہے، نہ کہ کسی کا نسل، رنگ یا ثقافت۔ یعنی اللہ کے نزدیک سب انسان برابر ہیں، اور جو زیادہ متقی یعنی اللہ کا خوف رکھنے والا اور اچھے عمل کرنے والا ہو، وہی اللہ کے نزدیک عزت کا حامل ہے۔

اجتماعی ہم آہنگی: یہ آیت بتاتی ہے کہ انسانوں کے درمیان جو تنوع ہے، وہ دراصل اللہ کی حکمت کا حصہ ہے۔ اس کے ذریعے انسانوں کو ایک دوسرے سے سیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملتا ہے، جس سے معاشرتی ہم آہنگی اور بھائی چارہ فروغ پاتا ہے۔

ثقافتوں کی تنوع اللہ کی تخلیق کا حصہ ہے اور یہ کہ انسانوں کو اپنے مختلف ثقافتی، نسلی اور لسانی پس منظر کو سمجھنا اور ایک دوسرے کے ساتھ احترام کے ساتھ پیش آنا چاہئے۔ اللہ کے نزدیک سب انسان برابر ہیں اور ان کا حقیقی معیار صرف تقویٰ ہے، جو اخلاقی اور روحانی فضیلت کی نشاندہی کرتا ہے۔

¹ الحجرات 13:49

3- خاندانی نظام

پاکستانی خاندانی نظام اپنی روایات، ثقافت اور اسلامی تعلیمات سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ یہ نظام معاشرتی استحکام، فرد کی تربیت اور قومی ترقی کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ پاکستانی خاندان کی خصوصیات میں کئی اہم پہلو شامل ہیں جو اس نظام کو منفرد بناتے ہیں۔

گھر کے بزرگوں کا احترام

پاکستانی خاندان میں بزرگوں کا احترام انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ بزرگوں کی رائے کو اہمیت دی جاتی ہے اور ان کی موجودگی کو خاندان میں ایک روحانی اور اخلاقی طاقت سمجھا جاتا ہے۔ والدین، دادا دادی اور نانا نانی کو اکثر فیصلوں میں شامل کیا جاتا ہے اور ان کی مشاورت کو ضروری سمجھا جاتا ہے۔

خاندانی اتحاد

پاکستانی معاشرے میں خاندان کا اتحاد اور ایک دوسرے کے ساتھ روابط کا بہت بڑا کردار ہے۔ خاندان کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ گہرے رشتہ رکھتے ہیں اور مشکل وقت میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ پاکستانی خاندان میں افراد ایک دوسرے کے ساتھ خوشی و غم میں شریک ہوتے ہیں اور آپس میں قریبی تعلقات قائم رکھتے ہیں۔¹

شادی اور خاندان کی تشکیل

پاکستان میں شادی ایک مقدس اور اہم سماجی ادارہ ہے۔ شادی کے رشتہ میں خاندان کی رضا مندی کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ پاکستانی معاشرے میں اکثر شادیوں میں خاندان کی مشاورت اور ان کی رضا شامل ہوتی ہے، اور یہ سسٹم عموماً پسند کی شادی کے بجائے بندھن کی شکل اختیار کرتا ہے، جہاں خاندانوں کے درمیان اتحاد اور تعلقات کی مضبوطی اہمیت رکھتی ہے۔

بیوی اور شوہر کا کردار

پاکستانی خاندان میں شوہر کو عام طور پر خاندان کا سربراہ سمجھا جاتا ہے، لیکن بیوی کی بھی اپنی ایک اہمیت ہوتی ہے۔ قرآن اور حدیث کی روشنی میں شوہر اور بیوی کے درمیان احترام اور محبت پر زور دیا گیا ہے۔ اکثر خواتین گھر کے اندر کام کرتی ہیں اور بچوں کی تربیت کا زیادہ تر ذمہ داری اٹھاتی ہیں، جبکہ مرد بیرونی دنیا میں روزگار اور خاندان کے مالی امور کو سنبھالتے ہیں۔

رشتہ داری اور بزرگوں کی رہنمائی

پاکستانی خاندانی نظام میں رشتہ داری کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ خاندان کے تمام افراد کے درمیان قربت اور ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات مضبوط رہتے ہیں۔ بڑے خاندانوں میں رشتہ داروں کی ملاقاتیں اور میل جول معمول کا حصہ ہیں، اور ان اجتماعات کو خوشی کے مواقع پر خصوصی اہمیت دی جاتی ہے۔

خاندان میں عورت کا کردار

پاکستانی معاشرے میں عورت کا کردار خاندان کے اندر اہم ہوتا ہے۔ عورتیں عموماً گھریلو ذمہ داریوں جیسے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت، کھانا پکانے، صفائی اور گھر کی دیگر ضروریات کو پورا کرنے میں مصروف رہتی ہیں۔ عورت کو عزت اور احترام دیا جاتا ہے، اور خاندان کے دیگر افراد بھی اس کے کاموں کی قدر کرتے ہیں۔

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالْصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ﴾¹

(مرد عورتوں پر نگران ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی اور اس وجہ سے کہ انھوں نے اپنے مالوں سے خرچ کیا۔ پس نیک عورتیں فرماں بردار ہیں، غیر حاضری میں حفاظت کرنے والی ہیں)

دین داری اور اخلاقی اقدار

پاکستانی خاندانی نظام اسلامی تعلیمات کے مطابق چلتا ہے، جہاں دین داری، نماز، روزہ، اور دوسرے اسلامی عبادات کی اہمیت رکھی جاتی ہے۔ اسلامی اخلاقی اصولوں پر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جیسے سچ بولنا، امانت داری، اور احترام کرنا۔

سماجی تعلقات اور مہمان نوازی

پاکستانی معاشرہ اسلامی روایات و اقدار کا حامل ہونے کے ناطے بہت مہمان نواز ہے، اور یہاں کی مہمان نوازی دنیا بھر میں مشہور ہے۔ لوگ اپنے مہمانوں کا دل سے استقبال کرتے ہیں اور ان کے لئے بہترین کھانا اور آرام کا اہتمام کرتے ہیں۔

تعلیمات اسلامی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انسان مہمان کی تکریم کریں جیسا کہ حدیث میں وارد ہوتا ہے:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَانِزَتَهُ ، قَالُوا : وَمَا جَانِزَتُهُ؟ قَالَ : يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ ، وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ ، وَمَا كَانَ بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقِلْ خَيْرًا أَوْ لَيْسَ كَتَّ² قَالَ أَبُو عِيْسَى : هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

”جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرتے ہوئے اس کا حق ادا کرے“، صحابہ نے عرض کیا، مہمان کی عزت و تکریم اور آؤ بھگت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”ایک دن اور ایک رات، اور مہمان نوازی تین دن تک ہے اور جو اس کے بعد ہو وہ صدقہ ہے، جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے“

اسلام میں مہمان نوازی کو بہت بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ حدیث مبارکہ میں بار بار اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ مہمان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے اور اس کی عزت کی جائے۔ یہ نہ صرف اخلاقی بلکہ روحانی فائدے کا بھی حامل ہے اور اللہ کی رضا کا ذریعہ بنتی ہے۔

خواتین کا مقام

پاکستان میں خواتین کی حالت مختلف ہے، بعض علاقوں میں خواتین کو روایتی پابندیوں کا سامنا ہوتا ہے جبکہ بڑے شہروں میں خواتین کی تعلیم اور معاشی سرگرمیوں میں شرکت کی شرح میں اضافہ ہوا ہے۔ پاکستان میں خواتین کی ترقی کے لئے مختلف اقدامات کیے جا رہے ہیں، مگر معاشرتی طور پر بعض شعبوں میں خواتین کو ابھی بھی چیلنجز کا سامنا ہے۔

تعلیمی اور اقتصادی صورتحال

پاکستان میں تعلیمی معیار میں فرق پایا جاتا ہے، بڑے شہروں میں تعلیمی ادارے بہتر ہیں، لیکن دیہی علاقوں میں تعلیمی سہولتوں کی کمی ہے۔ اقتصادی لحاظ سے پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے جہاں مختلف صنعتیں اور زراعت اہمیت رکھتی ہیں۔ تاہم، ملک میں غربت، بے روزگاری، اور اقتصادی عدم مساوات جیسے مسائل بھی موجود ہیں۔

سیاسی صورتحال

پاکستان کا سیاسی نظام جمہوریت پر مبنی ہے، لیکن مختلف ادوار میں فوجی حکمرانی کا بھی تجربہ رہا ہے۔ سیاسی نظام میں مختلف جماعتوں کی موجودگی ہے، اور یہاں پر سیاسی اختلافات بھی نمایاں ہیں۔ سیاست میں مذہب، قومی اور لسانی سیاست کا بھی اثر ہوتا ہے۔

فنی اور ادبی روایات

پاکستانی معاشرت میں فنون اور ادب کا اہم مقام ہے۔ اردو ادب، پنجابی شاعری، اور فارسی ادب کی تاریخ بہت قدیم اور اہم ہے۔ پاکستان میں موسیقی، رقص، ڈرامہ، اور فنون لطیفہ کی مختلف صورتیں موجود ہیں، اور فلمی صنعت بھی ترقی کر رہی ہے۔

قدرتی وسائل اور ماحول

پاکستان کا قدرتی ماحول متنوع ہے، یہاں پہاڑ، صحرا، دریا اور جھیلیں ہیں۔ گلگت بلتستان، خیبر پختونخواہ اور بلوچستان میں قدرتی خوبصورتی بہت زیادہ ہے۔ تاہم، ماحولیاتی مسائل جیسے کہ آلودگی اور قدرتی وسائل کا بے جا استعمال بھی ایک چیلنج ہیں۔

روایات اور عیدیں

پاکستانی معاشرہ عیدین جیسے عید الفطر، عید الاضحیٰ، اور محرم کو بہت جوش و خروش کے ساتھ مناتا ہے۔ اس کے علاوہ، شادی بیاہ اور دیگر ثقافتی تقریبات بھی معاشرتی اہمیت رکھتی ہیں۔ پاکستانی معاشرہ اپنی ثقافت، روایات، مذہب اور سماجی تعلقات میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہ معاشرہ مختلف چیلنجز کا سامنا کرتا ہے، مگر اس میں بہت زیادہ تنوع، ہم آہنگی، اور مہمان نوازی کی خصوصیات بھی موجود ہیں۔

فکر کا مفہوم

عربی لغت کے مطابق فکر سے حرفی لفظ ہے جو (ف، ک، ر) سے ماخوذ ہے۔ یہ مصدر ہونے کے ساتھ عموماً نصر ینصر کے وزن پر آتا ہے اس سے مراد سوچنا اور غور کرنا یا کسی مسئلے میں تامل کرنا ہے۔ ابن منظور لسان العرب میں فکر کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فَكَرَ (صیغہ ماضی) فی الامر فکر (فَتَحَ الْفَاءُ وَسَكُونُ الْكَافِ) اَى اَعْمَلَ الْعَقْلَ فِيهِ وَرَتَبَ بَعْضَ مَا يَعْلَمُ لِيَصِلَ إِلَى الْعَقْلِ بِهٖ اِلَى الْمَجْهُولِ"¹

"یعنی عقل نے کارکردگی دیکھائی اور بعض غیر معلوم چیزوں کو مرتب کیا تاکہ اس ترتیب کے ذریعے مجہول تک پہنچا جاسکے"

فکر ذہن کی ایک ایسی کیفیت اور صلاحیت کا نام ہے جو سرستہ راز اشیاء کی حقیقت کا کھوج لگانے میں مصروف عمل رہتی ہے۔ اسے کبھی دقیق مسائل کے لئے دقت سے کام لینا پڑتا ہے تو کبھی سطحی مطالب کے لئے سرسری طور پر حقائق کا جائزہ لیتی ہے کتب لغات میں فکر اپنی مشتقات اور تصریفی لطیف مفاہیم کے ساتھ صراحت سے بیان ہوا ہے۔ اردو کتب لغت میں فکر سے مراد سوچ، خیال، غور اور تامل کے ہیں۔ ان معانی میں فکر کا استعمال بطور اغلب ہوا ہے جبکہ دیگر معانی جیسے حاجت، ضرورت، اندیشہ اور غم میں اس کا استعمال قرینہ یعنی موقع یا محل کا محتاج رہتا ہے²

ابن منظور اس بات کے قائل ہیں کہ یہ حاصل مصدر بھی ہے اس سے مراد وہ سوچ ہے جو غور و فکر کرنے کے بعد ذہن میں پیدا ہوتی ہے حاصل مصدر ہونے کی صورت میں اس کی جمع افعال کے وزن پر آتی ہے۔ اس کے باوجود آپ اس کی جمع فکر بر وزن فعل کے قائل ہیں انگریزی ڈکشنری (Dictionaries) میں مفہوم فکر کے متعدد معانی بیان کئے گئے ہیں مشہور ڈکشنیری بریٹینیکا (Britanica) فکر کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کرتی ہے:

"Thinking means thought, judgement, mind, sense, consideration, ide, intellegence and counselling"³

"فکر سے یعنی سوچ، فیصلہ، ذہن، افہام و تفہیم وغیرہ مراد ہے"

¹ ابن منظور، محمد بن مکرم الافریقی المصری، لسان العرب (بیروت: دار الصادر۔ لبنان)، ص: 4/270

² خواجہ عبدالحمید، جامع اللغات، (لاہور: اردو سائنس روڈ اپر مال)، ص: 2/1414

³ The Oxford (thesaurus) dictionary clarendonpress oxford, 1977, p: 123

مفہوم فکر اگرچہ مختلف الفاظ اور عناوین کے ساتھ بیان کیا گیا ہے لیکن ان سب کے مصداق و معانی کی بازگشت ایک ہی معنی کی طرف ہوتی ہے اور وہ غور و فکر، تدبر، فہم و فراست اور وجدان و سوچ ہے یہ سارے معانی فکر کی مختلف جہات کو واضح کرتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی کے نزدیک لفظ فکر ہمیشہ دو معانی میں استعمال ہوتا ہے:

"التفكر والتامل، الفكر بالكسر الاسم منه وهو لمعنيين :

احدهما: القوة المودعة في مقدمة الدماغ، ثانيهما، اثرهما اعنى ترتب امور في الذهن يتوصل بها الى

المطلوب يكون علما او ظنا " ¹

"تفکر غور و فکر کو کہا جاتا ہے اور فکر بالکسر دو معانی میں مستعمل ہے اس سے مراد ایسی قوت ہے جو مقدمہ دماغ میں موجود ہوتا ہے دوسرا اس سے مراد اس کا اثر ہے یعنی اس سے میری مراد ذہن میں مختلف امور کو مرتب کرنا ہے تاکہ اس مرتبہ کے ذریعے مطلوب کے بارے میں علم یا ظن تک رسائی حاصل ہو"

علامہ جرجانی فکر کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"الفكر: ترتيب امور معلومة لتادى الى المجهول" ²

"فکر سے مراد معلوم اشیاء کو اس طرح ترتیب دینا کہ مجہول تک پہنچ جائے"

الشیخ محمد رضا المظفر * فکر کو اعمال عقل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الفكرة (كسر الفاء و فتح كاف) اعمال العقل في المعلوم للوصول الى معرفة المجهول"

يقال لي في

الامر فكر و نظر و روية، و الجمع افكار" ³

"فکر سے مراد معلوم چیزوں میں عقل کی وہ کارکردگی ہے جس کے ذریعے وہ مجہول چیزوں کی معرفت حاصل کر لیتی ہے یعنی

معلوم چیزوں کی چھان بین اور ان کی جانچ پڑتال مقدمہ بنتا ہے کہ ان کے ذریعے نامعلوم حقیقت تک پہنچا جاسکے۔"

¹ راغب اصفہانی، مفردات القرآن، (لاہور: اسلامی اکادمی فضل مارکیٹ اردو بازار)، ص: 123

² اردو دائرہ معارف اسلامیہ، (لاہور: دانش گاہ پنجاب 1395ھ، 1985)، ج 15، ص: 450

³ محمد رضا المظفر، کتاب المنطق، (ایران: موسسہ لرافد لطباعہ والنشر، طبع اول 1430ھ)، ج 3، ص: 38

* شیخ محمد رضا المظفر چودویں صدی کے علماء میں سے ہیں آپ ایک مجتہد ہونے کے ساتھ فلسفی بھی تھے آپ کی تصنیفات میں اصول فقہ اور منطق بہت نمایاں علمی شاہکار ہیں۔ آپ کی علمی خدمات کے پیش نظر مجدد کے نام سے جانا جاتا ہے۔ مزید معلومات کے لئے ملاحظہ کیجئے، (العقید داری، الخوض السنی والاحباط الشیعی، ص: 253)

ان مذکورہ اصولی و فلسفیانہ تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ اصولی اور منطکین دونوں فکر کو حرکت عقل کا نام دیتے ہیں جو معلوم اور مجہول کے درمیان وقوع پذیر ہوتی ہے اس سفر میں عقل پانچ مختلف مراحل سے گزر کر مجہول کے بارے میں علم یا ظن حاصل کرنے میں کامیاب ہوتی ہے جیسا کہ الشیخ مظفر نے ان مراحل کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

- مواجہتہ مشکل: جیسے ہی انسان مشکل کا سامنا کرتا ہے تو پہلے مرحلے میں عقل مشکل اور اس کی نوعیت کا ادراک کر لیتی ہے۔
- معرفتہ نوع مشکل: اس مرحلے پر عقلیہ سراغ لگانے کی کوشش کرتی ہے کہ اس کا حل کیسے تلاش کی جائے۔
- تفحص: اس مرحلے پر عقل مشکل سے ان معلومات کی طرف پلٹتی ہے جو پہلے سے جمع شدہ ہے تاکہ ان کی چھان بین کر کے حل کی طرف راستہ تلاش کر سکے۔
- اس مرحلے پر عقل معلومات کی جانچ پڑتال کر کے حل تشکیل دیتی ہے جو اس مشکل کا سامنا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔
- تیسرے مرحلے پر عقل تمام تر معلومات اکٹھی کر کے معلوم سے مجہول کی طرف سفر کرنا شروع کر دیتی ہے کیونکہ مسئلے کی حل کے تمام مقدمات فراہم ہو چکی ہوتی ہیں۔ ان پانچوں مرحلوں میں سے انسانی فکر انتہائی سرعت سے نکلتی ہے جس کا انسان کو بھی شعور نہیں ہوتا اور اگر کسی انسان کے پاس قوت حدت موجود ہو تو وہ پہلے دو مرحلوں سے مستغنی ہوتا ہے کیونکہ اس کی عقل ایک ہی حرکت میں معلوم سے مجہول تک پہنچے میں کامیاب ہوتی ہے۔¹

فکر کی ضرورت و اہمیت

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان کی معنویت میں فکر ایک بینائی قوت ہے۔ اس کے عدم توجہی کی صورت میں قوت باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ، لامسہ اور قوت عاملہ سب معطل رہ جاتی ہیں۔ اس لیے جب وہ محسوسات کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو حواس خمسہ پورے آب و تاب کے ساتھ مطلوبہ اہداف حاصل کر لیتی ہے۔ یہی قوت فکر جب غیبیات کی طرف چل نکلتی ہے تو وجدان و ذوق اس کے اشاروں پر کام کرتے ہیں۔

قرآن حکیم نے اسی حقیقت کو واشگاف فرمایا ہے۔ چنانچہ جو قومیں ان حسی طاقتوں، آنکھ کی بینائی اور کان کی شنوائی وغیرہ کے ذریعہ معجزات انبیاء کو دیکھتی تھیں اور ان کے پاک کلمات سنتی تھیں مگر رضاء و تسلیم کا نام نہیں لیتی تھیں تو قرآن حکیم

¹ محمد رضا المظفر، کتاب المنطق، (ایران: موسسہ الرافد لطباعہ والنشر، طبع اول 1430ھ)، ج 3، ص: 38

نے اس کی وجہ آنکھوں کی نابینائی یا کانوں کی ناشنوائی قرار نہیں دی بلکہ دل کی نابینائی بتلائی ہے جو درحقیقت اس قوتِ فکر یہ کی نابینائی ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾¹

(بات یہ ہے کہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں بلکہ سینوں میں دل اندھے ہیں جو فکر اور غور سے عاری ہیں۔)

اس سے واضح ہے کہ سن کر کسی چیز کو ان سنی کر دینا اور دیکھ کر ان دیکھی بنا دینا قوتِ فکر ہی کے تعطل سے ہوتا ہے جس کو قرآن نے عقل والبصار سے تعلق ہو تو وہ مبصر و مسموع اور غیر مبصر کے حکم میں ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے غور و فکر کرنے والوں کی خوب مدح سرائی فرمائی ہے۔ تمام الہامی کتابوں میں اور قرآن مجید میں بالخصوص تفکر یا غور و فکر کو بہت اہمیت دی گئی ہے جگہ جگہ انسان کو تفکر اور تدبر کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور اپنی تخلیق پر غور کرے۔

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾²

(آسمانوں اور زمین کی پیدائش، رات دن کا ہیر پھیر، کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لئے ہوئے سمندروں میں چلنا آسمان سے پانی اتار کر، مردہ زمین کو زندہ کر دینا اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا، ہواؤں کے رخ بدلنا، اور بادل، جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر ہیں، ان میں عقلمندوں کے لئے قدرت الہی کی نشانیاں ہیں۔)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((تَفَكَّرُوا فِي آلاءِ اللَّهِ وَلَا تَفَكَّرُوا فِي اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ))³

(اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر مت کرو۔)

قرآن کریم میں کچھ آیات کا گلدستہ ایسا بھی ہے جو مختلف موضوعات پر غور و خوض کی دعوت دیتا ہے تاکہ انسان ان آیات میں غور و خوض کر کے قرب الہی حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے ان موضوعات کو ذیل میں ترتیب سے بیان کیا جاتا ہے۔

¹ الحج: 46

² البقرة: 164

³ ابوداؤد، السنن، کتاب الایمان، التوحید والدین والقدیر، حدیث رقم: 9

قرآن کریم کی کچھ آیات کتاب الہی پر غور کرنے کی دعوت دیتی ہیں ان آیات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قرآن حکیم کے نزول کا مقصد آیات میں غور و فکر اور نصیحت و رہنمائی حاصل کرنا ہے،، نیز یہ کہ قرآن حکیم سے صحیح استفادہ عقل مند لوگ ہی کر سکتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾¹

کیا یہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر ان کے تالے لگ گئے ہیں؟
فرقان الحمید میں غور و فکر نہ کرنے والے لوگ اکثر شکوک و شبہات کا شکار رہتے ہیں۔ اس کے برعکس قرآن حکیم میں غور و فکر کرنے والوں پر حق بتدریج واضح ہوتا جاتا ہے اور وہ ایمان و یقین کی منازل طے کرتے رہتے ہیں اور بالآخر ہدایت اور کامیابی کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں۔

غور و فکر سے متعلق دوسری قسم کی آیات وہ ہیں، جن میں اللہ رب العزت نے کائنات میں غور کرنے کی دعوت دی ہے ان آیات میں اللہ رب العزت نے انسان کو کائنات، اس کے مختلف مظاہر اور آثار میں رونا ہونے والے مختلف حادثات و تغیرات کی طرف متوجہ کیا ہے۔ ان میں ایمانداری کے ساتھ غور و فکر کرنے والے اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کی حکمت اور صنایع کے قائل ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ انھیں کائنات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل مل جاتے ہیں۔ اس طرح انھیں اللہ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

﴿اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِیْ مَلٰٓئِکَۃِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ﴾²

(ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمان و زمین کے عالم میں اور دوسری چیزوں میں جو اللہ نے پیدا کی ہیں)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ انسانوں کو آسمانوں، زمین، رات اور دن، اور سمندر میں چلتی ہوئی کشتیوں میں موجود نشانیوں کی طرف متوجہ کر رہا ہے تاکہ وہ ان میں اللہ کی قدرت اور حکمت کو دیکھیں اور اس کا شکر ادا کریں۔ یہ آیت انسانوں کو دعوت دیتی ہے کہ وہ ان قدرتی مظاہر پر غور کریں اور ان سے اللہ کی عظمت کو پہچانیں۔

غور و فکر کا تیسرا پہلو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور و فکر کرنا ہے۔ قرآن کریم میں ایسی آیات بھی موجود ہیں، جن میں اللہ رب العزت نے اپنی مخلوقات خصوصاً عالم حیوانات اور نباتات کی طرف انسان کو متوجہ کیا ہے کہ ان کی ساخت، رہنے سہنے کے انداز اور ان سے حاصل ہونے والے فوائد پر غور و فکر کریں۔ ارشاد خداوندی ہے:

¹ محمد: 24

² الاعراف: 175

﴿لَمْ يَرْوَا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهَانُ فِي ذَلِكَ لَأَيُّ الْقَوْمِ
يُؤْمِنُونَ﴾¹

(کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو آسمان کی فضا میں حکم کے پابند (اڑتے رہتے) ہیں، انہیں کوئی نہیں
تھامتا سوائے اللہ تعالیٰ کے، بے شک اس میں ایمان رکھنے والے لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔)

غور و فکر کے اس چوتھے جہت کی طرف رہنمائی ان آیات سے ہوتی ہے، جن میں اللہ رب العزت نے انسان کو اپنی ذات
میں غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ ان میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جن میں انفس و آفاق دونوں کا ہی تذکرہ ہے۔

﴿أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ
مُّسَمًّى﴾²

(کیا ان لوگوں نے اپنے دل میں یہ غور نہیں کیا؟ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے
سب کو بہترین قرینے سے مقرر وقت تک کے لئے (ہی) پیدا کیا ہے، ہاں اکثر لوگ یقیناً اپنے رب کی ملاقات کے
منکر ہیں۔)

غور و فکر کا پانچواں منہج وہ آیات بتاتی ہیں جن میں اللہ نے انسان کو اپنے تشریعی احکام کی حکمتوں میں غور و فکر کی طرف
متوجہ کیا ہے تاکہ وہ ان آیات و احکام کو اچھی طرح سمجھ اور اپنی عملی زندگی پر منطبق کرے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی
ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ
مِنْ نَّفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ
تَتَفَكَّرُونَ﴾³

(لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو
اس سے دنیاوی فائدہ بھی ہوتا ہے، لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے، آپ سے بھی دریافت کرتے ہیں
کہ کیا کچھ خرچ کریں تو آپ کہہ دیجئے حاجت سے زیادہ چیز اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنے احکام صاف صاف تمہارے
لئے بیان فرما رہا ہے، تاکہ تم سوچ سمجھ سکو۔)

غور و فکر سے متعلق چھٹے منہج کا اشارہ ان آیات میں ہے، جن میں تاریخی مراحل میں قوموں کے اندر جاری اللہ تعالیٰ کی
سنت پر غور کرنے کی دعوت ملتی ہے۔

¹ النحل: 79

² الروم: 7

³ البقرة: 219

﴿الْمَ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَكَّنَّهِمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ تُمَكِّنْ لَكُمْ وَارْسَلْنَا
السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا

وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ﴾¹
(کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت دی
تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے نیچے سے نہریں جاری کیں۔
پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا۔)

ان مذکورہ آیات سے واضح ہے کہ فکر ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو حق اور باطل میں تمیز کرنے کے ساتھ انسان کو فطرت سے
قریب کر دیتی ہے اور جو قومیں غور و فکر سے کام لیتی ہیں وہ بقائے وجود کی جنگ میں کبھی شکست سے دوچار نہیں ہو سکتی بلکہ
وہ دوسری قوموں کے لئے حیات کا استعارہ بن جاتی ہے۔

اخلاق کا مفہوم

اخلاق دین کے اس حصے کو کہا جاتا ہے جس میں انسانی اعمال کے فضائل اور رزائل کو بیان کیا جاتا ہے۔ اخلاق انسان کی ان
باطنی صفات کو کہا جاتا ہے جو اس کی عادت میں تبدیل ہو گئی ہیں۔ اخلاق کو اچھے اور برے اخلاق، فردی اور اجتماعی اخلاق
میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ لغت کے اعتبار سے اخلاق مختلف صر فی اشکال کے ساتھ مختلف معانی اور مفہام کو بیان
کرتا ہے اخلاق جس کا مادہ (خ، ل، ق) ہے تفاوت اعراب کے ساتھ دو مختلف معانی دیتا ہے۔

"الأخلاق جمع خُلُقٍ والخُلُقُ بضمة اللام وسكونها- هو الدِّين والطبع والسجية
والمروءة وحقيقته
أن صورة الإنسان الباطنة وهي نفسه وأوصافها ومعانيها المختصة بها بمنزلة
الخُلُق لصورته الظاهرة
وأوصافها ومعانيها " ²

"اخلاق" خُلُق کی جمع ہے اس سے مراد دین، طبیعت و مزاج، اور نفسانی کیفیت و مروت ہے، حقیقت یہ
ہے کہ انسان کی باطنی صورت اس کا نفس اور اس کے وہ اوصاف اور معانی ہے جو اس نفس کے ساتھ مختص
ہے جو ہمیشہ ظاہری صورت، اس کے اوصاف و معانی کے قائم مقام ہوتے ہیں "یعنی" خُلُق "سے مراد انسان
کی ظاہری شکل و صورت ہوتی ہے جبکہ "خُلُق" باطنی صفات کی عکاسی کرتا ہے جن کا مشاہدہ صرف قلب کے
ذریعے ممکن ہوتا ہے۔"

¹ الانعام: 4

² ابن منظور الافریق، محمد بن مکرم ابن منظور، لسان العرب، تحت مادہ خ ل ق، ص: 236

اس سے یہ واضح ہے کہ اخلاق انسان کے روحانی اور باطنی صفات کا مظہر ہوتا ہے بعض دیگر ماہرین لغت کے نزدیک اخلاق "خلق"، کی جمع ہے جس کا معنی پیدائش کے ہے صرف فرق اتنا ہے کہ "خلق" ظاہری پیدائش پر بولا جاتا ہے جبکہ "خلق" باطنی پیدائش کا مفہوم دیتا ہے۔ اسی طرح اخلاق کا اطلاق ان افعال پر بھی ہوتا ہے جو اس باطنی اخلاق کی بنیاد پر صادر ہوتے ہیں۔¹

امام راغب اصفہانی اخلاق کو ادراکات کے تناظر میں دیکھتے ہیں جن کو حواس کے ذریعے معلوم کیا جاتا ہے اور بعض کو وجدان جیسے صلاحیتوں سے پتہ لگایا جاسکتا ہے:

"الْخُلُقُ وَالْخُلُقُ: فِي الْأَصْلِ وَاحِدٌ كَالشَّرْبِ وَالشُّرْبِ لَكِنْ خُصَّ الْخُلُقُ بِالْهَيَأَتِ وَالصُّوَرِ الْمَدْرَكَةِ بِالْبَصَرِ وَخُصَّ الْخُلُقُ بِالْقَوَى وَالسَّجَايَا الْمَدْرَكَةِ بِالْبَصِيرَةِ"²

"خلق اور خلق اصل میں دونوں ایک ہے جیسے شرب (ضمہ) اور شرب (فتح) مگر ان دونوں میں بنیادی فرق کچھ یوں ہے کہ خلقے مراد، بیئت اور صورتیں ہیں جن کو آنکھ سے معلوم کیا جاتا ہے جبکہ خلق (ضمہ) صلاحیت اور طبعی خصلت پر دلالت کرتا ہے جن کا ادراک بصیرت سے ہوتا ہے خلق (ضمہ) بھی خلق (فتح) کی طرح ایک باطنی صورت ہے جو ظاہری وجود کی طرح حسین ہے"

اخلاق کا اصطلاحی مفہوم

علمائے اخلاق کے نزدیک اس ضمن میں بہت سی اصطلاحات بیان ہوئی ہیں۔ علامہ جرجانی التعریفات میں اخلاق کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"الْخُلُقُ عبارة عن هيئة للنفس راسخة تصدر عنها الأفعال بسهولة ويُسرٍ من غير حاجة إلى فكر وروية، فإن كانت الهيئة بحيث تصدر عنها الأفعال الجميلة عقلاً وشرعاً بسهولة، سميت الهيئة خُلُقاً حسناً، وإن كان الصادر منها الأفعال القبيحة، سميت الهيئة التي هي المصدر خُلُقاً سيئاً. وإنما قلنا: إنه هيئة راسخة؛ لأن من يصدر منه بذل المال على الندور بحالة عارضة، لا يقال خلقه السخاء، ما لم يثبت ذلك في نفسه"³

"خلق نفس میں راسخ اس بیئت کا نام ہے جس سے بغیر سوچے سمجھے افعال صادر ہوتے ہیں اگر اس بیئت سے ایسے افعال سرزد ہو جو شرعاً اور عقلاً مستحسن ہوں تو ایسی بیئت کو خلق حسنہ کہا جاتا ہے اور اگر اس سے افعال قبیحہ سرزد

¹ ناصر مکارم شیرازی، علم الاخلاق، (لاہور: مصباح القرآن انٹرنیٹ سٹ 1416ھ پاکستان)، ص: 26

² امام راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، (بیروت: دار المعرفہ، 1412ھ)، ص: 297/2

³ جرجانی، علی بن محمد بن علی، التعریفات، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1420ھ)، ص: 136

ہوں تو ایسی ہیئت کو خلق سیئہ کہا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ خلق ضمہ کے ساتھ نفس میں راسخ ہیئت کا نام ہے تو بس اگر کبھی کسی عارضی حالت کی وجہ سے اس نفسانی کیفیت کے خلاف مال بزل کیا جائے تو اسے سقاء نہیں کہا جائے گا جب تک کہ یہ اس کی نفسانی کیفیت میں شامل نہ ہو"

ابن مسکویہ اخلاق کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"الخلق: حال للنفس، داعية لها إلى أفعالها من غير فكر ولا روية، وهذه الحال تنقسم إلى قسمين: منها ما يكون طبيعياً من أصل المزاج، كالإنسان الذي يحركه أدنى شيء نحو غضب، ويهيج من أقل سبب، وكالإنسان الذي يجبن من أيسر شيء، أو كالذي يفرع من أدنى صوت يطرق سمعه، أو يرتاع من خبر يسمعه، وكالذي يضحك ضحكاً مفرطاً من أدنى شيء يعجبه، وكالذي يغتم ويحزن من أيسر شيء يناله."¹

"اخلاق: یہ ایک حالت ہوتی ہے جو نفس کی ہوتی ہے، اور یہ نفس کو بغیر کسی سوچ یا تدبیر کے اپنی فطری حالت کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ یہ حالت دو قسموں میں تقسیم کی جاسکتی ہے: ایک وہ جو مزاج کی اصل سے طبعی طور پر ہوتی ہے، جیسے وہ انسان جو بہت معمولی بات پر غصے میں آجاتا ہے، یا جو معمولی سی بات پر خوفزدہ ہو جاتا ہے"

* علوی بن عبد القادر السقاف بعض باحثین اخلاق کی تعریفات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقد عرف بعض الباحثين الأخلاق في نظر الإسلام بأنها عبارة عن مجموعة المبادئ والقواعد المنظمة لسلوك الإنسان، التي يحددها الوحي، لتنظيم حياة الإنسان، وتحديد علاقته بغيره على نحو يحقق الغاية من وجوده في هذا العالم على أكمل وجه"²

"اخلاق کے باحثین اس کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ اخلاق انسانی سلوک کے لئے مرتب کردہ ان تمام منظم قواعد و مبادی کے مجموعے کا نام ہے جن کے حدود کو وحی نے بیان کیا ہے تاکہ حیات انسانی کو منظم کیا جاسکے اور انسان کے غیر سے تعلقات کو اس نہج پر استوار کیا جاسکے کہ اس عالم میں اس کے وجود کا مقصد آشکار ہو سکے"

¹ ابن مسکویہ، ابو علی احمد بن محمد بن یعقوب، تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق، (تم: طلعیہ النور، 1426)، ص: 51

* عبد القادر بن احمد بن عبد الرحمن سقاف (1331) ھ - 1431 ھ (ایک شافعی عالم دین اور حضر موت سے اسلامی مبلغ تھے۔ ان کا شمار پندرہویں صدی ہجری میں تصوف کی اہم ترین شخصیات میں ہوتا ہے اور اپنے وقت کے علوی خاندان کے سب سے ممتاز علماء میں شمار ہوتا ہے۔ آپ نے حجاز کی سرزمین میں سکونت اختیار کی، اور خدا کی دعوت و تبلیغ کی خاطر دنیا کے کئی ممالک کا سفر کیا۔ بہت سے مبلغین اس کے ہاتھ سے فارغ التحصیل ہوئے، جن میں سب سے نمایاں علی الجفری ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ ڈاکٹر یوسف المرعسلی، نثر الجواہر والدرر فی العلماء القرن الرابع عشر، ص: 1518

² السقاف، علوی بن عبد القادر، الدرر السنیہ، موسوعۃ الاخلاق، ص: 156

اخلاق انسان کے نفس (ذات) کی ایک مستقل طاقت کا نام ہے، جس کا میدان وہ ارادی افعال ہیں جن پر خیر اور شر کا حکم لگایا جاسکتا ہے، تو انسان کے تمام عقلی و ارادی افعال جن کا کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہے، اخلاقی مفہوم کی اس حد بندی کی وجہ سے اخلاق کے دائرہ سے نکل جاتے ہیں، پس ان پر خیر اور شر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، اور ان افعال کے کرنے والے شخص کے بارے میں بھی یہ حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ اس نے اچھا کیا یا برا کیا، یا وہ نیک ہے یا بد۔ علمائے اخلاق کے نزدیک تکرار عمل سے انجام پائے جانے والے اعمال پر خلق کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ وہ کردار کا مستقل حصہ نہیں بلکہ اس کی حیثیت ایک عارضے یا لاحقے کی طرح ہوتا ہے جسے صرف اصول خلق ہی کہا جاسکتا ہے۔ آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی لکھتے ہیں:

"بعض اوقات انسان کسی ایسے فعل کو انجام دیتا ہے جو اس کے کردار کا مستقل حصہ نہیں ہوتا لیکن جب وہ کسی ایسے فعل کو انجام دیتا ہے جو اس کے کردار کا مستقل حصہ ہوتا ہے (مثلاً بخل) تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ فعل اس شخص کے باطن میں جڑیں رکھتا ہے ایسی جڑوں کو خلق یا اخلاق کہا جاتا ہے۔"¹

ان تعریفات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے خلق اس فطرت سلیمہ کا نام ہے جو افعال کی کیفیت اور ان کے صدور کا سبب اور ذمہ دار ہیں خلق وجود خارجی کے مفہوم کو بیان کرتا ہے جس کے تصور کو قرآن مجید یوں بیان فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾²

(بلاشبہ ہم نے انسان کو حسین ترین ظاہری و باطنی شکل و صورت میں پیدا کیا ہے)

اللہ نے انسان کو ایک بہترین اور متوازن تخلیق کے طور پر پیدا کیا، جس میں جسمانی، ذہنی اور روحانی تمام صلاحیتیں موجود ہیں تاکہ وہ دنیا میں اپنا مقصد اور کامیابی حاصل کرے۔ بہت سے مفسرین اس آیت کی تفسیر میں احسن تقویم سے مراد ظاہری و باطنی شکل مراد لیتے ہیں جیسا کہ علامہ الزمخشری اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ فِي أَحْسَنِ تَعْدِيلٍ لِّشَكْلِهِ وَصُورَتِهِ وَتَسْوِيَةِ لِأَعْضَائِهِ. ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ

أَمْرِهِ حِينَ لَمْ يَشْكُرْ نِعْمَةَ تِلْكَ الْخَلْقَةِ الْحَسَنَةِ الْقَوِيمَةِ السُّوِيَةِ أَنْ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ مِنْ سَفَلٍ خَلْقاً وَتَرْكِيباً، يَعْنِي أَقْبَحَ مَقْبَحِ صُورَةٍ وَأَشْوَهَ خَلْقَةٍ، وَهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ أَوْ أَسْفَلَ

مِنْ سَفَلٍ مِنْ أَهْلِ الدَّرَكَاتِ"³

¹ ناصر مکارم شیرازی، علم الاخلاق، (لاہور: مصباح القرآن ٹرسٹ) ج 1، ص: 26

² التین: 4

³ الزمخشری، ابوالقاسم جار اللہ محمود بن عمر الخوارزمی، تفسیر الکشاف، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1420ھ)، ج 30، ص: 1211

"احسن تقویم سے مراد شکل و صورت کے لئے بہترین سانچے کا انتخاب اور اعضاء کے درمیان مساویانہ نسبت ہے پھر اگر انسان اس مساویانہ خلقت حسنہ کا شکر گزار نہ ہو تو اسے بدترین خلقت و ترکیب کی طرف لوٹایا جاتا ہے یعنی بدترین شکل و صورت سے ڈھانپ دیا جاتا ہے اور یہی لوگ اصحاب النار اور اہل درکات کے سب سے نچلے طبقے کا گروہ ہے"

خدا تعالیٰ نے ہر مخلوق کو اس طرح پیدا کیا کہ اس کا منہ نیچے کو جھکا ہوا ہے صرف انسان کو دراز قامت سیدھا بنایا ہے جو اپنے ہاتھوں سے کھانا پیتا ہے پھر اس کے اعضاء کو نہایت تناسب سے بنایا ہر اہم عضو دو دو بنائے اور ان میں نہایت مناسب فاصلہ رکھا پھر اس میں عقل اور تدبر، فہم، حکمت اور سمع و بصر کی قوتیں ودیعت کیں¹۔

¹ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، - لبنان)، ج 5، ص: 590

فصل دوم: فکر و اخلاق اسلامی کے بنیادی اصول و ماخذ

فکر و اخلاق کا تعلق انسانی اعمال سے ہے اور اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ نیتوں سے مراد فکر اور انسان کے ارادے کی پختگی ہے۔ فکر کو زیادہ طاقتور بنانے کیلئے انسان کو اخلاقی قوانین اپنانے کا پابند ہونا ایک ضروری عمل ہے۔ اس حوالے سے اخلاق کی ایک قانونی حیثیت ہے۔ اس کی بنیادیں انسانی نفسیات آزادی ارادہ، آرزو، اخلاق بطور قانون، تصور استعمال نفس اور اخلاقی اعمال کے مابعد الطبعیاتی لوازم پر مشتمل ہے۔

فکر اسلامی کے اصول و مبادی

فکر اسلامی کے اصول وہ بنیادیں ہیں جن پر اسلامی تعلیمات اور عقائد استوار ہیں۔ یہ اصول دین اسلام کے مجموعی فلسفہ، اخلاقیات، اور عالمی نظریے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ فکر اسلامی کی تشکیل قرآن و سنت، اجماع، اور قیاس پر ہوتی ہے۔ یہاں چند اہم اصول بیان کیے گئے ہیں جو اسلامی فکر کے بنیادی عناصر ہیں:

فکر اسلامی کا محور توحید ہے، جو یہ باور کراتی ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد، بے مثال اور بے نیاز ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں

اور وہ اپنی ذات، صفات، اور افعال میں یکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾¹

(وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ، نہایت پاک، سلامتی دینے والا، امن بخشنے والا، حفاظت فرمانے والا، بہت عزت والا، بے حد عظمت والا، اپنی بڑائی بیان فرمانے والا ہے، اللہ ان مشرکوں کے شرک سے پاک ہے۔)

فکر اسلامی کا دوسرا اہم اصول آسمانی کتب ہے کہ وہ ہمیشہ قرآنی تعلیمات کے حدود و قیود میں احکام اور ان کے نفاذ کا عملی مظاہرہ کرتی ہے کیونکہ قرآن علوم کا وہ منبع و مصدر ہے جو علم غیب کا حامل ہونے کے ساتھ اشیاء کی حقیقت کا مکمل احاطہ کئے ہوئے ہے یہ ہدایت کا ایسا سرچشمہ ہے جو بغیر خطا کے حق اور سچ کی منزل سے انسان کو ہمکنار کرتا ہے۔ ایسے میں فکری خطاء کے امکانات بالکل مفقود ہوتے ہیں۔

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَيِّنُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾²

¹ الحشر: 23

² بنی اسرائیل: 9

(یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور خوشی سناتا ہے ایمان والوں کو جو اچھے کام کریں کہ ان کے لیے بڑا ثواب ہے اور یہ کہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے)

فکر اسلامی کا اہم اصول رسالت و نبوت ہے۔ فکر اسلامی و منہج اسلامی کا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سنت نبوی کے زیر سایہ زندگی گزارنے کے اصول وضع کرتی ہے۔ کیونکہ یہ قرآن کے بعد زندگی گزارنے کا واضح طریق اور آفاقی تعلیمات کی تفسیر و تشریح ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((فَقَالَ : إِذَا رَأَيْتُمُ النَّاسَ قَدْ مَرَجَتْ عُهُودُهُمْ ، وَخَفَّتْ أَمَانَتُهُمْ ، وَكَانُوا هَكَذَا ، وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ . قَالَ : فَقُمْتُ إِلَيْهِ . فَقُلْتُ : كَيْفَ أَفْعَلُ عِنْدَ ذَلِكَ ، جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاكَ ؟ قَالَ : الزَّمْ بَيْنَكَ ، وَامْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ ، وَخُذْ بِمَا تَعْرِفُ ، وَدَعْ مَا تُنْكَرُ ، وَعَلَيْكَ بِأَمْرِ خَاصَّةٍ نَفْسِكَ ، وَدَعْ عَنْكَ أَمْرَ الْعَامَّةِ.))¹

(ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی دوران آپ نے فتنہ کا ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم لوگوں کو دیکھو کہ ان کے عہد فاسد ہو گئے ہوں، اور ان سے امانتداریاں کم ہو گئیں ہوں“ اور آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر بتایا کہ ان کا حال اس طرح ہو گیا ہو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یہ سن کر میں آپ کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا، اور میں نے عرض کیا: اللہ مجھے آپ پر قربان فرمائے! ایسے وقت میں میں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اپنے گھر کو لازم پکڑنا، اور اپنی زبان پر قابو رکھنا، اور جو چیز بھلی لگے اسے اختیار کرنا، اور جو بری ہو اسے چھوڑ دینا، اور صرف اپنی فکر کرنا عام لوگوں کی فکر چھوڑ دینا۔“)

فکر اسلامی کا اہم اصول آخرت پر ایمان بھی ہے۔ اسلامی فکر کے مطابق، دنیا کی زندگی عارضی ہے اور انسانوں کا اصل مقصد اللہ کی رضا کو حاصل کرنا ہے تاکہ قیامت کے دن وہ جنت میں داخل ہو سکیں۔ آخرت میں انسانوں کو ان کے اعمال کا حساب دیا جائے گا۔

یہ وہ فکر اسلامی کے چند بنیادی اصول اور اساسی تصورات ہیں جن کو سمجھنے بغیر فکر اسلامی کے لئے عمل کی انجام دہی ممکن نہیں۔ لہذا فکر اسلامی ہمیشہ ان تصورات اور رجحانات کا بھرپور ملاحظہ کرنے کے بعد اشیاء کی حقیقت کے بارے میں حکم لگاتی ہے تاکہ اعمال کا آفاقی تعلیمات سے مکمل ہم آہنگی رہے۔ یہی افکار فکری تخلیقی حرکت میں نمایاں کردار ادا کرتے

¹ ابوداؤد، السنن، کتاب الملاحم، باب الامر والنہی، حدیث رقم: 4343

ہیں اور زندگی اور افراد و کائنات نیز مختلف امور کو منظم کرنے اور فکری سفر کو درست سمت میں پروان چڑھانے کے لیے روشن مینار کا کام دیتے ہیں۔

اخلاق کے اصول و مبادی

قرآن کی اخلاقی تعلیمات کی پہلی بنیاد یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش اور امتحان کے لیے بھیجا ہے اور ایک دن انسان کو پوری زندگی کا حساب اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کرنا ہو گا۔ اسلام نے اخلاقی امور کا کمال یہ قرار دیا ہے کہ وہ یہ سمجھ کر ادا کیے جائیں کہ یہ خدا کے احکام ہیں اور انسانوں کو خدا کے بتائے ہوئے معیارِ خیر و شر کے مطابق عمل کرنا ہے۔ اسی میں اُن کی فلاح ہے۔ لہذا اس سلسلے میں بہت سے اصول کو قرآن نے مختلف مفاہیم کے ضمن میں بیان کیا ہے جن میں سے چند اصولوں کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

اخلاقیات میں شکر منعم خدا کی معرفت کا پہلا قدم ہے جیسا کہ علم عقائد اور علم کلام کے علماء نے وضاحت سے کہا ہے کہ شناخت خدا کا بنیادی محرک شکر نعمت کا مسئلہ ہے۔ اس لیے کہ انسان جب آنکھ کھولتا ہے تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں ڈوبا ہوا پاتا ہے۔ ایسے میں اس کا ضمیر اسے ان نعمتوں کے عطا کرنے والے کی شناخت اور معرفت کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اس لئے اللہ نے حکمت عطا کرنے کے شکر ادا کرنے کی تلقین کی۔

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنْ اشْكُرْ لِلَّهِ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾¹

(بے شک ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور جو شکر کرتا ہے وہ اپنی ذات کے لئے کرتا ہے اور جو کفر کرے تو اللہ تو غنی اور بہت تعریف والا ہے)

اس آیت میں حکمت سے مراد فہم، علم اور تعبیر ہے جیسا کہ ابن کثیر اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
 قوله: وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَي: الفهم والعلم والتعبير أن اشكر لله أي: أمرناه أن يشكر الله ،
 ، على ما أتاه الله وومنحه ووهبه من الفضل²

توحید جبکہ بعض مفسرین کے نزدیک حکمت سے مراد تفقہ فی الدین، عقل اور اصابت فی القول ہے جیسا کہ علامہ طبری اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں عن مجاهد قوله: وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ قَالَ: الفقه والعقل والإصابة في القول من غير نبو³۔

¹ ابن مخرشی الخوارزمی، تفسیر الکشاف، ج 21، ص: 835

² ابن کثیر، تفسیر قرآن العظیم، ج 4، ص: 214

³ الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1420ھ)، ج 18، ص: 549

اس آیہ کریمہ اور اس کی تفسیر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ذات جل جلالہ عطائے نعمت کے بعد آداب شکر بجالانے کی تلقین کر رہا ہے اور اپنے بندوں کو اخلاقی اصول بتا رہا ہے کہ احسان مند کے لئے شکر بجالانا اخلاق کا تقاضا ہے۔
 عفو و درگزر اخلاق کے اصولوں میں سے ایک ہے۔ اس کا مطلب درگزر کرنے کے ہے۔ قرآن نے بہت سے مقامات پر اسے مومنین کا وصف قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾¹

(جو خوشی اور تکلیف میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں، اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔)

صبر و تحمل بھی اخلاق کے اصولوں میں سے ایک ہے۔ اس کا مفہوم ہے کہ ناخوشگوار حالات میں اپنے نفس پر قابو رکھنا۔ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾²
 (اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد لیا کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔)

اس مفہوم پر مشتمل متعدد آیات قرآن میں نازل کی گئی ہیں، جن میں مختلف پیرایہ سے جذباتیت کے بدلے حقیقت پسندی، غصہ اور اشتعال کے بجائے صبر و تحمل کی تلقین کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ صبر کا راستہ جنت کا راستہ ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۚ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾³

(اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے ضرور آزمائیں گے، اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو۔ وہ لوگ کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم تو اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے مہربانیاں ہیں اور رحمت، اور یہی ہدایت پانے والے ہیں۔)

¹ آل عمران: 134

² البقرة: 153

³ البقرة: 155

انفاق فی سبیل اللہ بھی اخلاق کے اصولوں میں سے ایک ہے انفاق فی سبیل اللہ سے مراد ضرورت مندوں، یتیموں اور بے سہارا لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو مد نظر رکھتے ہوئے مال خرچ کرنا ہے۔ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر مسلمانوں کو انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا ہے:

﴿آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَحْلِفِينَ فِيهِ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ﴾¹

(اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لاؤ اور اس (مال و دولت) میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب (و امین) بنایا ہے، پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے خرچ کیا ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔)

کفایت شعاری بھی اخلاق کے اصولوں میں سے ایک ہے۔ اسلام کفایت شعاری و خرچ اور سماجی رویوں میں اعتدال پسندی کی تعلیم دیتا ہے کنجوسی اور فضول خرچی کے درمیان میانہ روی سے خرچ کرنے کو کفایت شعاری کہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری ہے:

﴿يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾²

(اے آدم کی اولاد تم مسجد کی حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ نکو، بے شک اللہ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔)

فضول خرچی شیطانی عمل اور تباہی کا باعث ہے۔ قرآن میں فضول خرچی کرنے والے کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں وارد ہوتا ہے:

((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْاِقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيشَةِ وَالنَّوَدَّةُ إِلَى النَّاسِ نِصْفُ الْعَقْلِ وَحُسْنُ السُّؤَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ»))³

"ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "خرچ کرنے میں میانہ روی نصف معیشت ہے، اچھے (لوگوں سے دوستی اور محبت نصف عقل ہے، اور حسن سوال نصف علم ہے۔"

¹ الحدید: 7

² الاعراف: 31

³ التبریزی، ولی الدین محمد بن عبد اللہ، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الاداب، (مکتبہ اسلامیہ 2013) ج 2، ص 227، حدیث رقم: 5067

کفایت شعاری کا مطلب اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلا نایا بہترین کاوشوں کے بعد میسر آنے والے وسائل کو سوچ سمجھ کر استعمال کرنا ہے۔ ورنہ انسان کو قیامت کے دن بھی حسرت اٹھانی پڑے گی۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ سے مروی حدیث میں آتا ہے:

((قال رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم: "ما من غني ولا فقير إلا ود يوم القيامة انه اتى من الدنيا قوتا.))¹

"قیامت کے دن ہر فقیر اور مالدار اس کی تمنا کرے گا کہ (کاش) دنیا میں اسے صرف ضرورت کے مطابق رزق دیا جاتا۔"

اسلام میں تکبر ایک فتنہ عمل شمار ہوتا ہے جبکہ عجز و انکساری اخلاقیات کے روشن مظاہر شمار ہوتے ہیں۔ اس لئے قرآن نے زمین پر اکڑ کر چلنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ وصیت کے آخری حصے میں فرمایا:

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾²

(لوگوں کے سامنے آنے کا نہ پھلا اور زمین پر اکڑ کر مت چلو بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے، شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا)

اخلاق کے اس اصول کو احادیث میں بھی کافی اجاگر کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((لَا يُدْخِلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبَرٍ لَا يُدْخِلُ النَّارَ يَعْنِي مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ

إِيمَانٍ اللَّهُ يُحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبَرُ مِّنْ بَطَرِ الْحَقِّ وَ غَمَصِ النَّاسِ))³

(آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے دل میں رتی برابر بھی غرور اور گھمنڈ ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا ہر انسان چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے عمدہ ہوں اس کا جوتا بھی اچھا ہو تو کیا یہ غرور اور گھمنڈ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔ غرور اور گھمنڈ یہ ہے کہ انسان حق کو ناحق بنائے (یعنی اپنی انانیت وجہ سے حق بات کو رد کر دے) اور لوگوں کو حقیر سمجھے)

¹ ابن ماجہ، السنن، کتاب الزہد، باب القناعة، (بیروت: دار الفکر، لبنان) حدیث رقم: 4140

² القمان: 18

³ -ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، السنن، باب: البر والصلة، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1420ھ)، ج 1، حدیث رقم: 3232

فکری اصول انسان کو اچھا سوچنے، تجزیہ کرنے اور صحیح فیصلے کرنے کی صلاحیت فراہم کرتے ہیں، جب کہ اخلاقی اصول انسان کو صحیح طریقے سے برتاؤ کرنے، دوسروں کے ساتھ عزت اور احترام سے پیش آنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ دونوں اصول انسان کی ذاتی اور سماجی زندگی میں توازن قائم کرنے کے لیے ضروری ہیں۔

فکر و اخلاق کے بنیادی ماخذ

فکر و اخلاق کے اسلامی ماخذ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس ہیں۔ ان ماخذ سے حاصل ہونے والی تعلیمات مسلمانوں کے اخلاقی اور فکری نظام کی بنیاد بناتی ہیں، جس کی مدد سے وہ اپنی زندگی کو بہتر بنا سکتے ہیں اور دنیا و آخرت میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اسلامی اخلاق انسانیت کے لیے ایک مکمل اور متوازن نظام فراہم کرتا ہے جو ہر سطح پر فرد اور معاشرے کی اصلاح کے لیے اہم ہے۔

انسانی زندگی میں حسن اخلاق کو جو اہمیت و عظمت حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، دنیا میں بسنے والا ہر انسان اچھے اخلاق و کردار اور اچھے برتاؤ کا قائل ہے۔ اخلاقی خوبیوں کو حاصل کرنا فطرت انسانی کا اہم تقاضہ ہے یہی وہ عظیم اور قابل قدر جوہر ہے جس کے ذریعہ معاشرے میں آپسی بھائی چارہ، اتحاد و اتفاق، پیار و محبت، عفو و درگزر، رفق و نرمی اور توافق و ہم آہنگی پیدا کی جاسکتی ہے اور اسی طاقت کے ذریعہ آپسی اختلاف و انتشار اور ہر طرح کے تضادات دور کیے جاسکتے ہیں، حسن اخلاق درحقیقت انسان کا زیور اور اس کا حسن و خوبصورتی ہے، اسی کے ذریعہ اجتماعی و انفرادی زندگیوں میں توازن اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں اس کے چند اہم بنیادی ماخذ کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید

قرآن مجید اسلام کا سب سے اہم ماخذ ہے اور تمام عقائد، عبادات، اخلاقی اصولوں اور معاشرتی ضوابط کی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ قرآن میں اللہ کی ہدایت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بارے میں واضح تعلیمات موجود ہیں۔ قرآن مجید نہ صرف ہمیں صحیح فکر کی طرف رہنمائی فراہم کرتا ہے بلکہ اخلاقی زندگی گزارنے کے لیے بھی بہترین رہنمائی دیتا ہے۔ اس ضمن میں دو باتیں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

(الف) قرآن کی اخلاقی تعلیمات کی پہلی بنیاد یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش کے لیے بھیجا ہے اور ایک دن انسان کو پوری زندگی کا حساب اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کرنا ہوگا۔ اسلام نے اخلاقی امور کا کمال یہ قرار دیا ہے کہ وہ یہ سمجھ کر ادا کیے جائیں کہ یہ خدا کے احکام ہیں اور انسانوں کو خدا کے بتائے ہوئے معیارِ خیر و شر کے مطابق عمل کرنا ہے۔ اسی میں اُن کی فلاح ہے۔

(ب) انسان خود اپنے مفاد اور برے بھلے کے متعلق محض اپنی عقل کی بنا پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز کو اچھی اور مفید سمجھتا ہے لیکن درحقیقت وہ مضر ہوتی ہے، اور بعض چیزوں کو وہ مضر سمجھتا ہے حالانکہ وہ اس کے لیے حد درجہ مفید ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے۔

﴿وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾¹

(عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بُری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو، اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لیے مضر ہو۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔)

آیہ مبارکہ سے واضح ہے کہ اللہ ہی حقائقِ اشیا سے کماحقہ باخبر ہے اور تمہارے علم کا دائرہ محدود ہے۔ اگر ہر انسان یا انسانی گروہ اپنے لیے خود اخلاقی ضابطے وضع کرنے لگے تو انسانی معاشرہ انتشار کا شکار ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اخلاق کا تعلق باہمی معاملات و مسائل سے ہے۔ یا یوں کہیے کہ باہمی تعلقات کی شیرازہ بندی کا دوسرا نام اخلاق ہے۔ سید سلمان ندوی اس کی اہمیت کے پیش نظر لکھتے ہیں:

”دنیا کی ساری خوشی، خوش حالی اور امن و امان انہی اخلاق کی دولت سے ہے۔ اسی دولت کی کمی کو حکومت و جماعت اپنی قوت اور طاقت کے قانون سے پورا کرتی ہے۔ اگر انسانی جماعتیں اپنے اخلاق و فرائض کو پوری طرح خود انجام دیں تو حکومت کے جبری قوانین کی کوئی ضرورت ہی نہ رہے۔ اسی لیے بہترین مذہب وہ ہے جس کا اخلاقی دباو اپنے ماننے والوں پر اتنا ہو کہ وہ ان کے قدم قدم کو سیدھے راستے سے ہٹنے نہ دے۔“²

قرآن کلامِ الہی ہونے کے ناطے حیاتِ انسانی کا اہم راز داں ہے یہ ان اصولوں پر مشتمل ہے جو انسان کو حق اور باطل میں امتیاز کرنے کی بنیاد عطا کرتا ہے اس کے کتابِ ہدایت ہونے پر خود قرآن گواہی دے رہا ہے:

﴿ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾³

(یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی بھی شک نہیں، پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے۔ جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں خرچ کرتے ہیں۔)

¹ البقرة: 216

² سلیمان ندوی، سیرت النبیؐ، (کراچی: مجلس نشریات اسلامی، طبع چہارم، 1984ء)، ج 6، ص: 2

³ البقرة: 2-1

یہ بات حقیقت ہے کہ انسان کی لکھی ہوئی کسی کتاب کو سو فیصد شک سے بالاتر نہیں سمجھا جاسکتا، کیونکہ انسان کتنا ہی بڑا عالم ہو اس کا علم محدود ہوتا ہے اور اکثر اس کی کتاب اس کے ذاتی گمان پر مبنی ہوتی ہے لیکن قرآن اخلاقی اصولوں کا حامل بیان اور نصیحت ہے:

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾¹

(بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور خوشی سناتا ہے ایمان والوں کو جو اچھے کام کریں کہان کے لیے بڑا ثواب ہے اور یہ کہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ان آیات میں قرآن کو ہدایت اور موعظ حسنہ قرار دیا گیا ہے اس سے یہ بات واضح ہے کہ موعظ حسنہ ان امور پر مشتمل ہوتا جن میں انسانی فلاح اور اخلاقیات اولین ترجیح ہوتی ہے ان میں جذبات اور احساسات کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔

سنت نبوی ﷺ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں اور ان کے عمل (سنت) مسلمانوں کے اخلاق و کردار کی تعلیمات کا دوسرا بڑا ماخذ ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ایک مکمل نمونہ ہے جس میں صبر، درگزر، نرمی اور انصاف کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی بعثت کے مقصد کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ أَخْلَاقٍ))²

(مجھے اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے)

دوسری حدیث میں اسی مضمون کو حسن اخلاق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے امام مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((قَالَ بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ))³

(میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں)

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف میں اسلام کی دعوت دی، تو وہاں کے لوگوں نے نہ صرف آپ کو جھٹلایا بلکہ آپ پر پتھر بھی پھینکے۔ آپ کے جسم سے خون بہنے لگا، لیکن آپ نے اللہ کے حکم اور اس کی رضا کو مقدم رکھا اور دشمنوں کے ساتھ درگزر کا رویہ اختیار کیا۔ آپ نے اللہ سے دعا کی:

¹ بنی اسرائیل: 10-9

² البزار، أبو بکر، المسند، مکتبۃ العلوم والحکم، ص: 364

³ ابوداؤد، السنن، کتاب البر والایلاق والصلہ، حدیث رقم: 2399

((اللهم اغفر لقومى، فإنهم لا يعلمون))¹

(اے اللہ! میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ وہ نہیں جانتے)۔

یہ دعائے صرف معافی اور درگزر کی تعلیم دیتی ہے، بلکہ ان لوگوں کے لیے بھی رحمت اور ہدایت کی دعا ہے جو غفلت یا جاہلیت کی حالت میں ہوتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح، ہمیں بھی دوسروں کے لیے دعائیں کرنی چاہئیں، چاہے وہ ہماری مشکلات یا تکالیف کا باعث بنے ہوں، کیونکہ سب کچھ اللہ کی مشیت میں ہے اور ہمیں درگزر اور رحم کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

آپ ﷺ کی زندگی میں درگزر اور معافی کے بے شمار واقعات ہیں جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات میں سب سے اہم بات عفو، درگزر اور رحمت تھی۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ لوگوں کے ساتھ نرم سلوک کیا اور ان کی کمزوریوں کو معاف کیا، خواہ وہ آپ ﷺ کے دشمن ہی کیوں نہ ہوں۔ آپ ﷺ کی زندگی کے یہ واقعات مسلمانوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ دشمنوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنا اور انہیں معاف کرنا ایک بڑی اخلاقی بلندی ہے۔ یہ مثالیں ہمیں سکھاتی ہیں کہ صبر، معافی اور درگزر کی طاقت بڑی ہوتی ہے اور ان ہی صفات کے ذریعے انسانوں کی اصلاح اور محبت پیدا کی جاسکتی ہے۔

اجماع و قیاس

اجماع و قیاس اسلامی فقہ میں دو اہم ذرائع ہیں جو شریعت کے احکام اور اصولوں کے استنباط میں استعمال ہوتے ہیں۔ یہ دونوں ماخذ اصولی طور پر قرآن و سنت کے بعد آتے ہیں اور فقہاء کی رائے کے مطابق ان سے جو اہر، فقہی مسائل اور عملی رہنمائی حاصل کی جاتی ہے اجماع کا مطلب ہے کہ امت مسلمہ کے علمائے کرام کا کسی مخصوص مسئلے یا حکم پر اتفاق ہو جانا۔ لغوی اعتبار سے دیکھا جائے تو جمہور علماء نے اجماع کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

”اتِّفَاقُ الْمُجْتَهِدِينَ مِنْ أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِهِ فِي عَصْرِ مِنَ

الْعُصُورِ عَلَى حُكْمٍ شَرْعِي²۔

”رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کسی بھی زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے

مجتہدین کا کسی شرعی حکم پر اتفاق رائے کر لینے کو اجماع کہتے ہیں۔“

علامہ علی بن محمد الآمدی (متوفی ۶۳۱ھ) فرماتے ہیں:

¹ ابن ماجہ، السنن، کتاب الفتن، باب: الصبر علی البلاء، حدیث رقم: 4025

² ابن امیر الحاج، التقرير والتبصیر فی الاصول الفقہ، (بیروت: دار الکتب العلمیہ۔ لبنان)، ج 3، ص: 80

"اتَّفَقَ أَكْثَرُ الْمُسْلِمِينَ عَلَى أَنَّ الْجَمَاعَ حُجَّةٌ شَرْعِيَّةٌ يَجِبُ الْعَمَلُ بِهِ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ خِلَافًا لِلشَّيْعَةِ وَالْخَوَارِجِ وَالنِّظَامِ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ"¹

”اکثر مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اجماع حجت شرعیہ ہے اور تمام مسلمانوں کا اس پر عمل کرنا واجب ہے۔
ماسوائے شیعہ، خوارج اور معتزلہ میں سے نظام کے کہ وہ اس کو نہیں مانتے۔“

اجماع اسلامی علماء اور اہل علم کا اتفاق رائے ہے جو اسلامی اصولوں پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ ایک اور اہم ماخذ ہے جو اسلامی فکر و اخلاق کی تشکیل میں مدد دیتا ہے۔ اجماع میں مسلمانوں کے معاشرتی، اقتصادی، اور اخلاقی ضوابط پر علماء کا مشترکہ اتفاق ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر صحابہ کرام نے فیصلہ کیا کہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ کا منکر ہے تو اس کو اسی طرح سمجھا جائے گا، جیسے کوئی شخص نماز کا منکر ہو اور جو نماز کا منکر ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ لہذا زکوٰۃ کے منکر کو بھی دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔ صحابہ کرام نے سیدنا صدیق اکبر کی سربراہی میں ان لوگوں کے خلاف جہاد کیا جنہوں نے زکوٰۃ کا انکار کیا تھا۔ شروع میں بعض صحابہ کو یہ سمجھنے میں تامل ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ کو ایک سطح پر کیسے رکھا جائے اور کسی ایک جزوی حکم کو نہ ماننے کو پوری شریعت کے انکار کے برابر کیسے مانا جائے؛ لیکن سیدنا صدیق اکبر نے قسم کھا کر فرمایا کہ قسم خدا کی میں نماز اور زکوٰۃ کے درمیان کوئی فرق نہیں کروں گا اور جس نے یہ فرق کیا میں اس کے ساتھ جنگ کروں گا، یہاں تک کہ میری جان چلی جائے۔²

اجماع امت مسلمہ کے اجتماعی عقل و دانش کا مظہر ہوتا ہے۔ جب تمام علماء یا امت مسلمہ کسی مسئلے پر متفق ہوتی ہے، تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ اس مسئلے پر بہترین فکری اجتہاد اور استدلال کیا گیا ہے۔ اجماع کے ذریعے فکری طور پر مسلمانوں کو رہنمائی ملتی ہے کہ کسی خاص مسئلے میں کون سا طریقہ یا حل درست ہے۔

اخلاقیات کو اخذ کرنے کا ذریعہ قیاس بھی ہے جس کے ذریعے کسی نئے مسئلے کا حکم قرآن اور حدیث کے اصولوں کی روشنی میں تلاش کیا جاتا ہے۔ عربی لغت میں قیاس کے لغوی معانی کسی چیز کو کسی مثال پر اندازہ کرنے کے ہیں۔ امام بدر الدین محمد الزرکشی (المتوفی: 794ھ) اس کے بارے میں رقمطراز ہیں:

”قیاس، ذوات الیاء اور ذوات الواؤ“ قَاسَ بَقِيسٍ قَيْسًا وَ قَيْسًا قَيْسًا، قَاسَ بَقِيسُ قَيْسًا وَ قَيْسًا قَيْسًا، دونوں سے ماخوذ ہے؛ جن کے معانی ”تقدیر“ یعنی ایک شے کا اندازہ دوسری شے کے ذریعہ کرنے یا ”تسویہ“ یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کے برابر کرنے کے ہیں۔³

¹ الآمدی، علی بن محمد، الاحکام فی اصول الاحکام، (دار الصمیعہ للنشر و توزیع) ص: 66

² سعید الرحمن، استحسان (بحیثیت ماخذ قانون) مقالہ پی ایچ ڈی، ص: 199

³ زرکشی، بدر الدین، البحر المحیط فی اصول الفقہ (بیروت: مرکز مکتبہ السنۃ للبحث العلمی۔ لبنان)، ج 1، ص: 114

شیخ احمد بن ابوسعید المعروف ملا جیون¹ (1130ھ) اس کی لغوی و اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”قیاس کے لغوی معانی ہیں اندازہ کرنا اور شرعاً فرع کا اصل کے ساتھ حکم و علت میں اندازہ کرنا ہے۔¹

آسان الفاظ میں ہم قیاس کی تعریف یوں کر سکتے ہیں:

”قیاس سے مراد یہ ہے کہ اشتراک علت کی بناء پر حکم منصوص (جن کا صریح حل قرآن و سنت میں موجود ہے) کو غیر منصوص (جن کا صریح حل قرآن و سنت میں موجود نہیں ہے) میں جاری کرنا یا قرآن و سنت میں صراحت سے بیان کیے ہوئے حکم کو ایسی چیز میں جاری کرنا جس کا حکم صراحتاً مذکور نہیں۔ اس بناء پر کہ قرآن و سنت میں بیان کیے ہوئے حکم کی علت اس چیز میں بھی پائی جاتی ہے۔“

قرآن مجید کی چند آیات کو قیاس کے اثبات کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہوتا ہے:

﴿فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ﴾²

”پس اے دیکھنے والو! عبرت حاصل کرو۔“

یہاں ”اعْتَبَرَ“ کا مطلب ہے ”رَدَّ الشَّيْءَ إِلَى نَظِيرِهِ“ کسی چیز کو اس کے مثل کی طرف لوٹانا۔

قیاس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی ملتی ہے؛ چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیج رہے تھے تو پوچھا:

كَيْفَ تَقْضِي؟ فَقَالَ أَقْضِي بِمَا فِي كِتَابِ اللَّهِ قَالَ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عليه وسلم قَالَ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَجْتَهُدُ رَأْيِي قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.³

”جب کوئی مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہو گا تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ جواب دیا جیسا کتاب اللہ میں ہے اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پھر سوال کیا کہ اگر کتاب اللہ میں صراحت کے ساتھ ذکر نہ ہو تو پھر کیسے فیصلہ کرو گے؟ جواب دیا پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پھر سوال کیا کہ اگر سنت میں بھی صراحت کے ساتھ ذکر نہ ہو تو پھر کیسے فیصلہ کرو گے؟ جواب دیا ایسی حالت میں اپنی رائے سے اجتہاد کر کے فیصلہ کروں گا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے فرستادہ رسول کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جو اس کے رسول کو پسند ہے۔“

¹ ملا جیون، شیخ احمد بن ابوسعید المعروف، أصول الساشی، فصل فی القیاس (لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، 2006ء) ص: 55

² الحشر: 2

³ الترمذی، محمد بن عیسیٰ، السنن، کتاب العلم، باب: من یردد اللہ بہ خیر، حدیث رقم: 71

قیاس نہ صرف فکری بلکہ اخلاقی ماخذ بھی بن سکتا ہے۔ فکری طور پر، قیاس ایک استدلالی عمل ہے جو موجودہ اصولوں کو نئے حالات پر منطبق کرنے کا کام کرتا ہے، جبکہ اخلاقی طور پر قیاس اس بات کا ضامن بنتا ہے کہ اسلامی شریعت میں انصاف، کرامت، اور اخلاقی اصولوں کا تحفظ کیا جائے۔ قیاس اسلامی فقہ میں اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ دین کے اصول نہ صرف ماضی بلکہ موجودہ دور کے مسائل کے حل کے لیے بھی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

باب سوئم: پاکستانی معاشرے میں فکری تحدیات کی متفرق جہات

فصل اول: پاکستانی مسلم معاشرے کے داخلی و خارجی فکری تحدیات کی متاثرہ جہات

فصل دوئم: پاکستانی مسلم معاشرے کے اخلاقی تحدیات کی متفرق جہات

باب سوئم:

پاکستانی معاشرے میں فکری تحدیات کی متفرق جہات

اسباب میں پاکستانی معاشرے میں فکری مسائل کی نوعیت اور ان کی جہات کا جائزہ لیا گیا ہے چونکہ نوجوان نسل وجود انسانی اور اس کے لئے نفع و نقصان کا ادراک نہیں رکھتے اور ہر مرغوب شے کو اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے نہ فقط انفرادی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے بلکہ اجتماعی طور پر بھی موزی اثرات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ مسلم مفکرین نے دور اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان تمام مسائل میں خوب رہنمائی فرمائی ہے ان میں رفاعہ رافع الطہطاوی، سر سید احمد خاں، شبلی نعمانی، مفتی محمد عبدہ، طاہر بن عاشور اور علل فاسی، علامہ اقبال کا نام سرفہرست ہے

مغربی ثقافتی یلغار کی وجہ سے پاکستانی معاشرہ فکری اور اخلاقی حوالے سے تباہی کے دہانے پہنچ چکا ہے۔ یہ قوتیں اپنی سیاہ کار سازشوں کی تکمیل کے لئے نصاب تعلیم کو تباہ کرنے، اسلامی تعلیمات سے دوری اور حلال و حرام کی تمیز ختم کرنے کے ساتھ ساتھ نوجوانوں میں فحاشی و عریانی کو فروغ دے کر اسے ہنر و کمال کا نام دے رہی ہیں۔

تجدد پسندی کے سیاق میں علوم و افکار کے نتائج کے سامنے آنے کے ساتھ جو اہم تبدیلیاں پیدا ہوئیں، ان میں دینی قدر کی باز شناسی (re-evaluation) بھی شامل ہے۔ چنانچہ تجدد پسندی کے سیکولر تصور کے تحت دین کو ایک دوسرے سیاق میں لا کر بحث و گفتگو کا موضوع بنا دیا گیا۔ بعض لوگوں نے یہ کوشش کی کہ اسے صرف فرد کی زندگی تک خاص اور محدود کر دیا جائے۔

پاکستان کی طرح بہت سے اسلامی معاشروں میں ایسے دینی حلقے پائے جاتے ہیں جنہیں تجدد پسندی سے مزاحمت کی اپنی خیالی قدرت پر فخر ہے حالانکہ ان کا یہ عمل اپنے سر کو مکمل تجاہل کے ساتھ شتر مرغ کی طرح ریت میں چھپانے کے مترادف ہے۔ بعض لوگ اسے امر محمود بلکہ ضروری امر تصور کرتے ہیں۔ حالاں کہ اگر اسلام کے دور زریں میں پائی جانے والی اسلامی فکر کو سامنے رکھ کر دیکھیں کہ اسے کس طرح فراریت اور داخلی سکڑاؤ کے بجائے اپنے زمانے کا فہم، نئے پیش آمدہ مسائل اور چیلنجوں کے حل کی دریافت کے ساتھ ان کے ساتھ تعامل کی قدرت حاصل تھی، تو موجودہ دور کے مسلم مفکرین کا یہ رویہ ایک قسم کی فکری پسپائی نظر آتا ہے۔¹

فصل اول: پاکستانی معاشرے کے فکری تحدیات کی متاثرہ جہات

پاکستان اس وقت داخلی اور خارجی سطح پر کئی طرح کے فکری سنگین نوعیت کے مسائل کا شکار ہے۔ کچھ فکری مسائل کا تعلق بیرونی استکباری قوتوں سے اور کچھ پاکستان مخالف ممالک کی دشمن پالیسیوں سے جڑی ہوئی ہیں لیکن زیادہ تر فکری مسائل براہ راست ہمارے داخلی مسائل یعنی ہماری سماجی و ریاستی و حکومتی نالائقی، نااہلی، بدعنوانی اور کمزور سیاسی تقاضوں سے جڑے ہوئے ہیں۔ عمومی طور پر یہ دلیل خود اپنے اندر وزن رکھتی ہے کہ اگر کوئی سماج یا نظام اپنے داخلی مسائل کو قابو نہیں کر پاتا تو اسے خارجی محاذ پر زیادہ سنگین نوعیت کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے جب یہ منطق دی جاتی ہے کہ ہمیں بطور سماج یا ملک خارجی سطح کے مسائل کا سامنا ہے تو اس امر کا بھی گہرائی سے تجزیہ کیا جانا چاہئے کہ ان خارجی معاملات یا فکری مسائل میں ہمارے کون سے داخلی فکری مسائل رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔

یہ دلیل کافی حد تک محض جذباتیت پر مبنی ہوتی ہے کہ ہمارے مسائل کی وجہ محض خارجی مسائل ہیں یا کچھ ہمارے دشمن ممالک ہمیں ہر سطح پر کمزور کرنے کا ایجنڈا رکھتے ہیں۔ ہر ملک کا اپنا ایک ایجنڈا ہوتا ہے اور اس ایجنڈے یا اپنے مفادات کو بنیاد بنا کر وہ اپنے داخلی اور خارجی عمل کو آگے بڑھاتا ہے۔ یہاں ہمیں اپنے قومی مفادات کے معاملات کو سمجھنے کا فہم ہونا چاہئے کیونکہ جب تک ہم اپنے داخلی معاملات کے فہم کا درست طور پر ادراک نہیں کریں گے، ہم انتشار اور عدم استحکام کی سیاست سے باہر نہیں نکل سکیں گے۔ بھارت، افغانستان، امریکہ یا کوئی اور ملک جو ہمیں عالمی سطح پر کمزور یا تنہا کرنے کی کوشش کر رہا ہے اس سے ہم کیسے نمٹیں، یہ فہم بطور ریاست، حکومت، معاشرہ یا قوم ہمیں درکار ہے۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں دیکھنا ہو گا کہ جو داخلی اور خارجی فکری مسائل ہمیں درپیش ہیں اس سے ہم کیسے نمٹنے کی کوشش کر رہے ہیں کیونکہ اگر ہم مسائل سے نمٹنے کے لئے درست سمت کا تعین ہی نہ کر سکیں تو پھر نتائج بھی ایسے ہی نکلیں گے جو ہمیں مزید مسائل میں الجھا دیں گے یا ہمیں کمزور کرنے کا سبب بنیں گے۔ اس میں سب سے اہم اور بڑا کردار ہماری سیاسی قیادت کا ہوتا ہے کیونکہ سیاسی قیادت ہی بنیادی طور پر ایک ایسی سمت کی نہ صرف نشاندہی کرتی ہے بلکہ اس کی قیادت کرتی ہے جو قومی معاملات کی درست عکاسی کرتی ہو۔ لیکن ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہماری داخلی سیاست اور قیادت سمیت اس سے وابستہ علماء و افراد اور ادارے قومی مفادات کو پس پشت ڈال کر ذاتیات پر مبنی سیاست اور فیصلوں کو¹

تقویت دے رہے ہیں۔ جب سیاست قومی مفاد سے نکل کر ذاتی مفاد میں چلی جاتی ہے تو پھر اس کا فائدہ خارجی سطح پر موجود ممالک کو ہوتا ہے جو ہماری کمزوریوں اور ناکامیوں کو بنیاد بنا کر اپنے ایجنڈے کو تقویت دیتے ہیں۔¹ پاکستان کو اس وقت داخلی اور خارجی محاذ پر چند بڑے فکری چیلنجز کا سامنا ہے۔ جن کو ذیل میں تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے تاکہ قاری کی توجہ ان مسائل کی طرف مبذول ہو سکے۔

خارجی تحدیات: سیکولر ازم (Secularism)

لغوی اعتبار سے سیکولر ازم (Secularism) ایک لاطینی لفظ (Seculum) سے ماخوذ ہے جس کا معنی دنیا، نسل، عمر اور عہدے کے ہیں۔ یہ زندگی کا ایسا سلیقہ اور روش ہے جس میں ریاستی اداروں اور مذہبی معاملات کو الگ الگ دیکھا جاتا ہے سماجی معاملات میں مذہب کی عدم مداخلت کا نام سیکولر ازم ہے۔ آکسفورڈ ڈکشنری اس لفظ کی وضاحت میں کہتا ہے:

"Not connected with spritual or religioius matters of this world"²

"سیکولر ازم سے مراد جو روحانی و مذہبی معاملات سے جڑا ہوا نہ ہو"

Secularism means the belief that laws education etc.should be based on facts, science etc rather then religion.³

“سیکولر ازم سے مراد وہ اعتقادات و نظریات جو مذہب کی بجائے ذہنی حقائق اور سائنس پر اعتماد کرتی ہے۔”

لاک ڈبلیو گیلن (Luke W. Galen) سیکولر ازم کی وضاحت میں لکھتا ہے:

"Secularism is the principle of seeking to conduct human affairs based on naturalistic considerations, uninvolvd with religion. Secularism is most commonly thought of as the separation of religion from civil affairs and the state and may be broadened to a similar position seeking to remove or to minimize the role of religion in any public sphere" ⁴

"سیکولر ازم ایک اصول ہے جس میں مذہب کے ساتھ غیر منسلک، فطری نظریات کی بنیاد پر انسانی معاملات کو چلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سیکولر ازم کو عام طور پر شہری معاملات اور ریاست سے مذہب کی علیحدگی کے طور پر سمجھا جاتا ہے اور اسے کسی بھی عوامی شعبے میں مذہب کے کردار کو ہٹانے یا کم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اسی طرح کی پوزیشن تک وسیع کیا جاسکتا ہے۔"

¹ Luke W. Galen. The Nonreligious: Understanding Secular People and Societies. Oxford University Press, 2016. p. 22-23

²-As above -

³Oxford Advanced Learner,sDictionary, p:1062

عربی زبان میں اسے علمائیت سے تعبیر کیا جاتا ہے مغرب میں دین اور علم دو متضاد الفاظ ہیں یعنی ان کے ہاں جو باتیں دینی یا مذہبی ہو وہ علمی نہیں ہو سکتی اور علمی بات دینی نہیں ہو سکتی۔ غرض علم اور عقل ان کے ہاں دین کے بالمقابل اور اس کی ضد ہے اس طرح علمائیت اور عقلانیت ایسے رویے ہیں جو دین کے برعکس ہیں۔

سیکولر ازم کی اصطلاح سب سے پہلے پرطانوی مصنف جارج جیکب ہولیوک George Jacob Holyoake نے 1851 میں استعمال کی۔ اگرچہ یہ ایک نئی اصطلاح تھی تاہم یہ آزادی فکر کے جن تصورات پر استوار ہوئی وہ صدیوں پر محیط تاریخ کا حصہ تھے۔ ہولیوک نے سیکولر ازم کی اصطلاح اپنے اُن نظریات کو بیان کرنے کے لیے ایجاد کی جو کسی مذہبی عقیدہ کو برطرف کیے یا اُس پر تنقید کیے بغیر، مذہب سے الگ تھلگ ایک معاشرتی نظام کی ترویج کرتے تھے۔ وہ بذات خود مادیت پرست تھے۔ اُس نے یہ دلیل دی کہ سیکولر ازم عیسائیت کا مخالف نہیں، یہ اس سے الگ اور اپنا آزادانہ وجود رکھتا ہے۔ یہ عیسائیت کے دعووں پر سوال نہیں اٹھاتا۔ اُن کی دلیل نہیں مانگتا بلکہ دوسرے معاملات پر آگے بڑھتا ہے۔ سیکولر ازم یہ نہیں کہتا کہ ہدایت یا روشنی دوسری جگہ نہیں ہو سکتی بلکہ یہ کہتا ہے کہ سیکولر سچائی میں روشنی اور ہدایت موجود ہے۔ جس کی شرائط اور پابندیاں آزادانہ وجود رکھتی ہیں اور ہمیشہ کام کرتی ہیں۔ سیکولر علم صریحاً ایسا علم ہے جو دنیا میں پایا جاتا ہے۔ جو اس دنیا کے طرز عمل سے متعلق ہے۔ اس دنیا کی فلاح کے لیے کوشاں ہے اور اس قابل ہے کہ دنیاوی تجربات سے پرکھا جاسکے جیسا کہ جارج ہولیوک اس بارے میں لکھتا ہے:

“Secularism is a code of duties related to the world which is set on purely humanitarian considerations, especially those who consider religion unprofessional inappropriate, untrustworthy. The basic principal is three: Improving material resources in the life of The world, science is the available "Plower" to man, Good is good, though not good in another world good is good for the present life and finding good is also a good practice”¹

"سیکولر ازم اس دنیا سے متعلق فرائض کا ایک کوڈ ہے جس کو خالصتاً انسانی تحفظات پر ترتیب دیا گیا ہے اس میں، خاص طور پر وہ لوگ ہوتے ہیں جو مذہب کو غیر معنی ناکافی، نامناسب، ناقابل اعتماد خیال کرتے ہیں اس کے بنیادی اصول تین ہیں اس دنیا کی زندگی میں مادی ذرائع سے بہتری لانے کا سائنس انسان کو میسر قدرت ہے، اچھائی کرنا اچھا ہے اگرچہ کسی دوسرے جہاں میں اچھا ہو یا نہ ہو موجودہ زندگی کے لئے اچھا کرنا اچھا ہے اور اس اچھائی کی تلاش بھی اچھا عمل ہے۔"

¹Holyoake George J., English Secularism (Chicago: The open court publishing Company, 1896), p: 25

اقتباس سے واضح ہے کہ ہولیوک کے نزدیک سیکولر ازم اور سیکولر اخلاقیات اور اچھائی کا مذہبی سوالات و اعتراضات سے کوئی لینا دینا نہیں ہے کیونکہ مذہبی اخلاقیات میں عمل کی تاثیر کو نہ فقط مادی زندگی میں دیکھا جاتا ہے بلکہ اس کے اثر کو اخروی زندگی پر اثرات کا موازنہ بھی کیا جاتا ہے۔ فلسفے کی رو سے سیکولر ازم مابعد ازطبیعیات کا منکر ہے اور منصفہ مشہود ہی اس کا التفات ہے اس سلسلے میں مغربی مشہور فلاسفر Harvey Cox لکھتے ہیں:

“Religious and religiously oriented human freedom and all other attentions from the other world to the present life.”¹

"مذہبی و مابعد ازطبیعیاتی گرفت سے انسان کی آزادی اور دوسری دنیا سے اس کی تمام تر توجہ موجودہ زندگی کی طرف مبذول کروانا ہے۔"

یہ اقتباس اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ہاروے کا کس عقلی بنیادوں پر سماجی مسائل کے حل کو سیکولر ازم میں منحصر کرتے ہیں۔ چونکہ معاشرتی مسائل کا حل حقائق کی جانچ پڑتال کے بعد عقلی بنیادوں پر کرنے سے مشترکہ قبولیت کی راہ ہموار ہوتی ہے ڈاکٹر سبط حسن* سیکولر ازم کی خصوصیات میں لکھتے ہیں:

"سیکولر ریاست میں ہر شخص بلا لحاظ مذہب مساوی درجے کا شہری ہوتا ہے سیکولر ریاست کسی شہری کی مذہبی معاملات میں دخیل نہیں ہوتی نہ کسی کو مذہبی عقائد کے پابندی کرنے یا نہ کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ سیکولر ریاست آئینی طور پر کسی مذہب سے وابستہ بھی نہیں ہوتی نہ کسی مخصوص فرقے کے عقائد کو فروغ دیتی ہے"²

اسلام اپنے آفاقی افکار کی بدولت سیکولر ازم کے متعلق الگ نقطہ نظر رکھتا ہے سیکولر ازم کے مطابق تمام اجتماعی معاملات کو عقل انسانی سے حل کرنے پر زور دیا جاتا ہے وہ انفرادی زندگی میں تو کسی خدا کو ماننے کی اجازت تو دے دیتا ہے لیکن اجتماعی مسائل کو خدا کے حوالے کرنے سے انکاری ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہے کہ سیکولر ازم خود ایک مستقل نظام ہے جو کسی بھی مذہب کو اپنے اوپر مسلط ہونے نہیں دیتا۔ اگر کوئی مذہب اس نظام سے ٹکرائے بغیر رہے تو اسے کوئی اعتراض نہیں۔ اس سے لادینیت پھیلنے کی راہیں ہموار ہو رہی ہے یہی وجہ ہے کہ آج نوجوان نسل دین سے راہیں جدا کرنے کے

¹Harry Cox, secular city: Secularisation and Urbanisation in Theological prospective

(Newyark: MacMillon, 1966), p:17

²سبط حسن، نوید فکر، (حوری نورانی، 2002)، ص: 154

*سید سبط حسن انگریزی میں پیدائش (جولائی، 1912ء - وفات 20 اپریل، 1986ء) پاکستان سے تعلق رکھنے والے اردو کے نامور ترقی پسند دانشور، صحافی اور ادیب تھے جو اپنی تصانیف موسیٰ سے مارکس تک، پاکستان میں تہذیب کا ارتقا اور ماضی کے مزار کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔ عقیل عباس جعفری، پاکستان کرو نیگل، (کراچی: فضلی سنز 2010) ص: 595

ساتھ اخلاقی مراکز اور مساجد سے دور بھاگے جا رہی ہے آفاقی تعلیمات سے استفادہ کرنے کے بجائے اخلاقی بے راہ روی اور مادی سوچ سے جنم لینے والی بیماریوں کو خندہ پیشانی سے قبول کیا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مذاہب سیکولر ازم کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئے ہیں جیسے عیسائیت، یہودیت، ہندومت وغیرہ آج بھی سیکولر ازم کے تابع ہیں۔ اس اتباع کی جو بنیادی وجوہات ہو سکتی ہے پہلی وجہ یہ ہو سکتی ہے چونکہ سیکولر طبقے کے ہاتھ میں ریاست کی قوت موجود ہے جس کا یہ مذاہب پیروکاروں کی طاقت سے مقابلہ کرنے سے عاجز ہے، دوسری اہم وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ ان مذاہب کے پاس اجتماعی معاملات کی ہدایت کے لئے کوئی مناسب بندوبست نہیں ہے لہذا رہنمائی کا فقدان ان مذاہب کو سیکولر نظام کے اتباع پر مجبور کرتا ہے یوں سیکولر ازم نے دیگر نظریات کے فروغ کے لئے بنیاد فراہم کرتا ہے ان میں سرفہرست الحاد ہے۔

الحاد (Atheism)

الحاد موجودہ دور کا ایک اہم فکری چیلنج اور فتنہ ہے جس نے نوجوان نسل کو بُری طرح اپنے شکنجوں میں جکڑا ہوا ہے۔ الحاد عربی کا ایک فصیح لفظ ہے۔ اس سے مراد سیدھے راستے سے انحراف کرنا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "الحد الرجل" جب کوئی حق اور ایمان سے انحراف کر جائے۔ اور لحد اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں دونوں اطراف میں سے کسی ایک جانب انحراف کیا جاتا ہے۔¹

انگریزی لغت میں اسے استہیزم (Atheism) کہا جاتا ہے جس کا مطلب خدا یا خداؤں کے وجود کا صریحاً یا مکمل انکار کرنا ہے۔ بنیادی طور پر یہ ایک یونانی لفظ "Atheos" سے ماخوذ ہونے کے ساتھ مرکب جملہ ہے اور وہ A اور Theism ہے، A سے مراد نہیں اور نہ ماننے کے ہیں جبکہ Theism کا مطلب خدا کے ہے اس سے ترکیبی معنی "کوئی خدا نہیں" کے ہے۔ اس کے لیے اردو میں دہریت کا لفظ بھی متبادل کے طور پر بولا جاتا ہے۔ علامہ ابن منظور الحاد کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الملحد العادل عن الحق المدخل فیہما لیس فیہ"²

"یعنی لحد اس شخص کو کہتے ہیں جو حق سے روگردانی کرے اور اس میں ایسی چیز کی آمیزش کرے جو اس میں نہیں ہے"

معجم المتقائس الحاد کی وضاحت میں لکھتا ہے:

¹ ابو حسین احمد بن فارس بن ذکریاء، مقائیس اللغۃ، ج 5، ص: 236

² ابن منظور، محمد بن مکرم الافریقی المصری، لسان العرب، ص: 4/270

"كلمة الإلحاد كلمة عربية فصيحة، قال ابن فارس: اللام والحاء والذال أصلٌ يدلُّ على ميل عن استقامة. يقال: أَلَحَدَ الرجل، إذ مال عن طريقة الحقِّ والإيمان. وسُمِّيَ اللَّحْدُ لأنه مائل في أحد جانبي الجَدَثِ".¹

"الحاد عربی کا ایک فصیح لفظ ہے ابن فارس کے نزدیک اس سے مراد سیدھے راستے سے انحراف کرنا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے الحاد الرجل جب کوئی حق اور ایمان سے انحراف کر جائے۔ اور لحد اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں دونوں اطراف میں سے کسی ایک جانب انحراف کیا جاتا ہے۔"

اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا جاتا ہے: يلحدون ای يعتترو ضون یعنی وہ اعتراض کرتے ہیں۔² الحاد کا لفظ عموماً لادینیت اور خدا پر عدم یقین کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ عقیدہ توحید، نبوت اور آخرت تینوں عقائد ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں ان میں سے کسی ایک کا انکار یا اعتراض دوسرے دو کو غیر موثر کر دیتا ہے۔ اس لئے ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی الحاد کہلائے گا۔ اس لحاظ سے الحاد کی تعریف میں مروجہ اگناسٹک، استہیزم اور ڈیزم سب ہی شامل ہیں۔³

الحادی نظریات کوئی جدید افکار نہیں بلکہ اس کی تاریخ کافی پرانی ہے۔ پیغمبروں کے سامنے فرامین کے استدالات جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے دور میں نمود اور فرعون کا یہ دعویٰ کہ انا احی و امیت اور انا ربکم الاعلیٰ جیسے استدالات درحقیقت نظریہ الحاد کی عکاسی کرتی ہے۔ اسی طرح الحادی نظریات کی طرف قرآن نے جابجا مقامات پر اشارہ فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخَفُونَ عَلَيْنَا ۖ أَفَمَنْ يُلْقَىٰ فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ ۖ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾⁴

(بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں کجروی کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے نہیں رہتے، کیا وہ شخص جو آگ میں ڈالا جائے گا بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن سے آئے گا، جو چاہو کرو، جو کچھ تم کرتے ہو وہ دیکھ رہا ہے۔)

پہلے زمانے میں مذہب کے مقابلے میں الحاد کا پھیلاؤ اس لیے کم رہا کہ چونکہ اس وقت انبیاء کرام علیہ السلام کی تبلیغات عروج پر تھی جبکہ ملحد الحاد کے کبھی داعی بھی نہیں رہے لیکن الحاد کا باقاعدہ نظریہ سترویں صدی میں متعارف

¹، ابو حسین احمد بن فارس بن ذکریاء، مقاییس اللغۃ، ج 5، ص: 236

²۔ پیر کرم شاہ الازہری، تفسیر ضیاء القرآن، (کراچی: ضیاء القرآن پبلیکیشن 2005)، ص: 335

³۔ مبشر نذیر، الحاد جدید کے مغربی اور مسلم معاشرے پر اثرات، (کراچی: جامعہ کراچی دارالتحقیق برائے علم و دانش 2014)، ص: 3

⁴ طم السجده: 40

ہوا۔ سترویں صدی عیسوی سے قبل سائنس کی تحقیق کا مقصد تحقیق کائنات تھا لیکن سترویں صدی کے بعد سائنس کا مقصد تسخیر کائنات بن گیا حقیقت اعلیٰ کی تلاش ختم ہو گئی کیونکہ نفس انسانی کو ہی اصل حقیقت قرار دیا گیا۔ لہذا فلسفہ جدید میں سب سے بڑی حقیقت افتد ار اعلیٰ کوئی نہیں بلکہ انسان ہی کو سمجھ لیا گیا۔

موجودہ نسل کے الحادی نظریات میں فلسفہ، سائنس، تاریخ، اور سماجیات کے مختلف پہلو شامل ہیں۔ ان نظریات کے پیچھے یہ سوچ کارفرما ہے کہ خدا کے وجود کی کوئی ٹھوس دلیل نہیں ہے اور انسانوں کو عقل، تجربہ، اور سائنسی اصولوں کے تحت اپنی زندگی گزارنی چاہیے۔ اس نظریے کے مطابق انسان کا اصل اور خالص مذہب ڈیزم ہے یعنی یہ کہ خدا پر اپنی عقل اور خواہش کے مطابق ایمان لایا جائے اور خدائی احکامات پر عمل کر کے اسے خوش کرنے کی بجائے از خود اپنی عقل سے کائنات پر غور کر کے خدا کو خوش کیا جانا چاہئے۔ یعنی خدا کو یوں نہ مانا جائے جیسا کہ وہ چاہتا ہے بلکہ یوں مانا جائے جیسا کہ انسان اسے چاہنا چاہتا ہے۔

تصورِ خدا کے منکر سائنس دانوں میں ایک بڑا نام اسٹیفن ہاکنگ کا ہے۔ 1942 میں انگلینڈ کے پیدائشی اسٹیفن ہاکنگ کو سائنس کی دنیا میں انفرادیت حاصل تھی، فالج کی بیماری کے سبب قوت گویائی سے محروم تھے لیکن اس کے باوجود اس نے ہمت نہیں ہاری اور اپنے آنکھوں اور پلکوں کے ذریعے کمپیوٹر استعمال کرتے ہوئے سائنسی تصورات پیش کرتا رہا۔ ہاکنگ نے اپنی مشہور کتاب "A Brief History of Time" (1988) میں کائنات کی تخلیق کے بارے میں یہ نظریہ پیش کیا کہ کائنات خود بخود پیدا ہوئی اور اس کے لئے کسی خدا کی ضرورت نہیں تھی۔¹ ان کا کہنا تھا کہ "کائنات کی تخلیق اور اس کے قوانین خود فطری طور پر موجود ہیں" اور یہ کہ "کائنات میں خدا کا کوئی کردار نہیں ہے"۔ پروفیسر محمد رفعت اسٹیفن کے نظریات کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

“تخلیق کائنات کے تصور کے بعد اسٹیفن ہاکنگ خدا کے بارے میں گفتگو کرتا ہے کہ اب ہمیں خدا کے تصور کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ اب انسان نے سائنس میں ترقی کی ہے۔ ہم کائنات کی توجیہ کے لیے خدا کے تصور کا سہارا لیتے تھے اب ہم سائنس کے نظریات اور حقائق کو جانتے ہیں اس لیے ہمیں خدا کے تصور کی ضرورت نہیں ہے۔”²

یہ خدا کو سائنس تک ہی محدود کرتا ہے کہ اب چونکہ سائنس کے میدان میں خدا کی ضرورت نہیں لہذا خدا کے تصور کی ضرورت نہیں جبکہ خود اس کی غیر معمولی بیماری میں اس کا غیر معمولی کام خود اس بات کی شہادت کے لیے کافی تھا کہ پہلے

¹Stephen Hawking, A Brief History of Time, A Bantam Book trade paperback, New York 1998, p:265

²محمد رفعت، اسٹیفن ہاکنگ کے نظریات کا تنقیدی جائزہ، (علی گڑھ: تحقیقات اسلامی 2018) ص: 32

صحت بھی خدا کی دی ہوئی تھی اور خدا نے جب چاہا لے لی اور پھر اس مرض میں یہ صلاحیت بھی خدا کی دی ہوئی تھی نظریہ ارتقا کو تقویت ملنے کے بعد کے اثرات کو بیان کرتے ہوئے۔ شیخ محسن علی نجفی الحادی نظریات کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"الحاوی نظریات رکھنے والوں کے نزدیک صرف ان امور پر ایمان لانا درست ہے جو مخصوص مادی اور قابل تجربہ ہو اور اے محسوسات چونکہ تجربے کے دائرے سے باہر ہیں اس لئے ان پر ایمان لانا درست نہیں" ¹

اس استدلال کے بطلان میں چار اہم نکات پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اولاً: ان کا یہ استدلال خود غیر حسی اور غیر تجربی ہے اگر غیر محسوس امور کی کوئی حقیقت نہیں تو خود یہ دلیل بھی فاسد ہے۔

ثانیاً: غیر محسوس اور غیر تجربی اصولوں کو تسلیم نہ کیا جائے تو بہت سے حقائق سربستہ رہیں گے۔

ثالثاً: اگر معلول سے علت اور آثار کا مؤثر کا وجود ثابت نہیں ہوتا تو کوئی شے ثابت نہیں ہو سکے گی۔

رابعاً: اگر صرف حس و تجربہ ہی دلیل موجود ہے تو ملحدین کو اور اے حس پر نفی ثبات میں کوئی نظریہ قائم نہیں کرنا چاہیے۔ ²

قرآن الحادی نظریات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

﴿وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ﴾ ³

(اور کہتے ہیں ہمارا یہی دنیا کا جینا ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہمیں ہلاک کرتا ہے، حالانکہ انہیں اس کی کچھ بھی حقیقت معلوم نہیں، محض اٹکلین دوڑاتے ہیں۔)

اس آیت میں وہ لوگ ذکر ہو رہے ہیں جو اللہ کے وجود اور آخرت کی حقیقت کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ دنیا کے علاوہ کچھ نہیں ہے، یعنی انسان کی زندگی صرف دنیا تک محدود ہے۔ ان کے نزدیک انسان کا پیدا ہونا اور مرنا صرف قدرتی عمل ہے جو وقت (دہر) کی گردش سے جڑا ہوا ہے، اور اس میں اللہ کا کوئی عمل دخل نہیں۔

1. "مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا": ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ہماری زندگی صرف اسی دنیا کی زندگی ہے اور اس کے بعد کچھ نہیں۔

¹ نجفی، شیخ محسن علی، الکوثر فی تفسیر القرآن، البلاغ المبین، (اسلام آباد: اسلامی تحقیقاتی و اشاعتی ادارہ، پاکستان)، ص: 1/220

² نجفی، شیخ محسن علی، الکوثر فی تفسیر القرآن، البلاغ المبین، (اسلام آباد: اسلامی تحقیقاتی و اشاعتی ادارہ، پاکستان)، ج: 1، ص: 220

³ الجاثیہ: 24

2. "نَمُوتُ وَنَحْيَا": وہ کہتے ہیں کہ ہم پیدا ہوتے ہیں، پھر مر جاتے ہیں اور دوبارہ زندہ ہو جاتے ہیں۔

ان کے نزدیک موت اور زندگی کا یہ سلسلہ محض قدرتی ہے۔

3. "وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ": ان کا یہ بھی گمان تھا کہ ہماری زندگی اور موت صرف وقت (دہر) کی

قدرتی گردش کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یعنی کوئی اوپر والی قوت، جیسے اللہ، اس میں مداخلت نہیں کرتا۔

4. "وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ": اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عقیدہ کی تردید کرتے

ہوئے فرمایا کہ ان لوگوں کے پاس اس بات کا کوئی علمی ثبوت نہیں، بلکہ یہ محض گمان (ظن) پر مبنی

باتیں ہیں۔

قرآن اس قسم کے ملحدانہ فرسودہ نظریات کو بعض دیگر آیات کے ذریعے یکسر مسترد کرتا ہے جس میں زمانہ کو انسان کا

خالق قرار دیا گیا ہے اور یعنی انسان کی زندگی صرف دنیا تک محدود ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ﴾¹

(وہ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون زیادہ اچھے عمل کرنے والا ہے اور

وہی بہت عزت والا، بہت بخشش والا ہے۔)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کے مقصد کو بیان کیا ہے۔ یہاں تین اہم نکات پر زور دیا گیا ہے: موت و

حیات کا پیدا کرنا، آزمائش کا مقصد، اور اللہ کی صفات عزیز و غفور۔

1- الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ:

اللہ تعالیٰ نے موت اور زندگی کو پیدا کیا۔ یہاں پر زندگی اور موت دونوں کو اللہ کی طرف سے پیدا ہونے والی حقیقتیں بیان

کیا گئی ہیں، جو ہر انسان کے تجربے کا حصہ ہیں۔ موت اور حیات اللہ کی تخلیق ہیں، اور یہ دونوں ایک نظام کا حصہ ہیں جو اللہ

کی مشیت سے چل رہا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کی زندگی کا آغاز اور اختتام اللہ کے حکم سے ہوتا ہے،

اور اس میں انسان کا کوئی اختیار نہیں۔

2- لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا:

اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کا مقصد یہ رکھا ہے کہ وہ انسانوں کو آزمائے کہ کون ان میں سے بہتر عمل کرتا ہے۔ یہاں

"أَحْسَنُ عَمَلًا" کا مطلب ہے "سب سے اچھا عمل"۔ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے عملوں میں اخلاقی، روحانی اور عبادات

کے لحاظ سے بہترین کوشش کرے۔ اس امتحان میں انسان کے اعمال کی نوعیت اور اس کی نیت دونوں اہم ہیں۔ اللہ کی رضا کے لئے کیے گئے اعمال ہی بہترین ہیں، اور ان کی قدر آخرت میں کی جائے گی۔

اس آیت کا مرکزی پیغام یہ ہے کہ زندگی اور موت کا مقصد صرف انسانوں کو آزمانا ہے کہ وہ کون سب سے اچھا عمل کرتا ہے۔ انسانوں کو اپنی زندگی میں نیک عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ اللہ کی نظر میں اچھے عملوں کی زیادہ اہمیت ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں بے مثال ہے — وہ غالب بھی ہے اور بخشنے والا بھی ہے۔ اس میں ایک حوصلہ افزا پیغام ہے کہ اگر ہم اپنے اعمال میں غلطی کریں تو اللہ کی رحمت اور مغفرت کے دروازے ہمیشہ کھلے ہیں، اور وہ اپنے بندوں کو معاف کرنے میں بے حد مہربان ہے۔

اس طرح دنیاوی زندگی کی حقیقت کو بھی بیان کیا کہ یہی سب کچھ نہیں بلکہ یہ دھوکے کا سامان ہے:

﴿اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُوَ وَ زِينَةٌ وَ تَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَ الْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهْبِجُ فَتَرِبُهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا وَ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَ رِضْوَانٌ مَّا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ¹

(جان لو کہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل کود اور زینت اور آپس میں فخر و غرور کرنا اور مالوں اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا ہے۔ (دنیا کی زندگی ایسے ہے) جیسے وہ بارش جس کا اگایا ہوا سبزہ کسانوں کو اچھا لگا پھر وہ سبزہ سوکھ جاتا ہے تو تم اسے زرد دیکھتے ہو پھر وہ پامال کیا ہوا (بے کار) ہو جاتا ہے اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور اللہ کی طرف سے بخشش اور اس کی رضا (بھی ہے) اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔)

یہ آیت دنیا کی فانی نوعیت اور انسان کی زندگی کی حقیقت کو واضح کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دنیا کی زندگی کی چند اہم خصوصیات بیان کی ہیں، جنہیں انسان عموماً اہمیت دیتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ سب کچھ عارضی اور فانی ہے۔ اس آیت کی تشریح مندرجہ ذیل نکات کی صورت میں کی جاسکتی ہے:

1. "لَعِبٌ وَ لَهُوَ:"

دنیا کی زندگی کا سب سے پہلا پہلو "کھیل" (لعب) اور "تماشا" (لہو) ہے۔ انسان اکثر دنیاوی لذتوں، تفریحات، اور خوشیوں میں مشغول ہو جاتا ہے، جیسے کھیل کود یا غیر ضروری دلچسپیاں، جو آخر کار انسان کو اپنی اصل حقیقت اور مقصد سے غافل کر دیتی ہیں۔

2. "وَ زِينَةٌ:"

دنیا کی زندگی میں آرائش و زیبائش (زینت) بھی ایک اہم پہلو ہے۔ انسان دنیا کی ظاہری خوشحالی، جمالیات، عیش و عشرت اور شان و شوکت کو بہت اہمیت دیتا ہے، حالانکہ یہ سب چیزیں عارضی اور فانی ہیں۔

3. "وَتَفَاخُرُ بَيْنَكُمْ:"

دنیا میں انسانوں کا ایک اور المیہ یہ ہے کہ وہ آپس میں تفاخر کرتے ہیں، یعنی وہ اپنے مال و دولت، حیثیت یا مقام کو دوسروں سے بہتر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس تفاخر میں انسان اپنی حقیقت کو بھول جاتا ہے اور یہ بھی دنیا کی عارضیت کو ظاہر کرتا ہے۔

4. "وَتَكَاثُرُ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ:"

مال و دولت اور اولاد میں زیادتی کی خواہش انسان کو اپنے اصل مقصد سے غافل کر دیتی ہے۔ لوگ مال و دولت کمانے، جائیداد بڑھانے اور اولاد میں کثرت کرنے کے لئے اپنی ساری زندگی گزار دیتے ہیں، حالانکہ یہ سب چیزیں بھی فانی ہیں اور آخرت میں انسان کے کسی کام نہیں آئیں گی۔

اس آیت کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ دنیا کی زندگی کی ساری چیزیں، چاہے وہ کھیل ہو، تفریح ہو، جمالیات ہو یا مال و دولت کا جمع کرنا، سب عارضی اور فانی ہیں۔ انسانوں کو یہ حقیقت سمجھنی چاہیے کہ یہ سب چیزیں ان کے آخری مقصد اور اصل زندگی کے تناظر میں غیر اہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا، آخرت کی تیاری کرنا اور اپنی زندگی کا مقصد سمجھنا بہت ضروری ہے۔

عصر حاضر میں پاکستانی تعلیمی اداروں پر بھی مختلف جہات سے الحادی نظریات حملہ آور ہیں اس میں الحادی سوچ کے حامل اساتذہ بھرپور کردار ادا کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا عبد الہادی الاعظمی صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"اب الحاد ادب کے راستے سے آرہا ہے چنانچہ یہ ہمارا مطالعہ ہے کہ اکثر جامعات کے شعبہ ادب وہ انگریزی ہو یا اردو، یہ خاص طور پر عقائد میں تزلزل پیدا کرنے اور الحاد و تجدد اور آزاد خیالی کا مرکز رہے ہیں اور اب بھی بہت سی یونیورسٹیوں میں یہی حال ہے کہ انگلش ڈیپارٹمنٹ اور خاص طور پر اس میں پڑھنے والے جو طلباء ہیں وہ زیادہ آزاد خیال ہوتے ہیں اور ان کے اندر بغاوت پیدا ہوتی ہے قدیم اقدار اور دینی اقدار سے۔"¹

¹ مولانا عبد الہادی الاعظمی، طالبان علوم نبوت کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں، (کراچی: دارالاشاعت اردو بازار)، ص: 19

اس وقت الحادی افکار کا تعلق پڑھے لکھے طبقے سے ہیں خصوصاً وہ طلباء جو یا تو مغربی یونیورسٹیز میں زیر تعلیم ہیں یا پھر جن کی اکثریت مقامی یونیورسٹیوں میں آباد ہے ان نظریات کی بدولت وہ اس بات کے قائل ہوئیں ہیں کہ انسانیت کے تحفظ کے لئے بنائے گئے آفاقی تعلیمات انسانی آزادی پر قدغن ہیں لہذا ضروری نہیں کہ دنیاوی امور میں مذہب سے ہی معاونت حاصل کی جائے بلکہ عقل اور تجربات کی روشنی میں مسائل کا حل ڈھونڈا جاسکتا ہے۔ لہذا مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے وہ جس طرح عمل کرنا چاہے اس میں وہ بالکل آزاد ہے لیکن اجتماعی معاملات میں مختلف مذاہب کے پیروکار ہوتے ہیں ہر شخص اپنے مذہب کا دلدادہ ہوتا ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کے مذہب کے مطابق امور کی انجام دہی ہو ایسے میں معاشرہ تصادم کی طرف بڑھتا ہے جو کسی صورت نیک شگون نہیں ہیں۔ لہذا افراد میں ربط اور اتحاد و یگانگت کے لئے مذہبی امور سے احتراز کرنا ہی عقل مندی ہے۔ یوں ان کے نزدیک عقیدہ توحید و آخرت ایک لغو چیز ہے بقول اسٹیفن کے کہ:

"اب ہمیں خدا کے تصور کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ اب انسان نے سائنس میں ترقی کی ہے۔ ہم کائنات کی توجیہ کے لیے خدا کے تصور کا سہارا لیتے تھے اب ہم سائنس کے نظریات اور حقائق کو جانتے ہیں اس لیے ہمیں خدا کے تصور کی ضرورت نہیں ہے۔"¹

یقیناً یہ تصورات امت مسلمہ کے لئے بہت بڑا چیلنج ہے کیونکہ دیکھا دیکھی میں نوجوان نسل ان خیالات کی اتباع میں آفاقی تعلیمات سے روگردان ہو جاتی ہے وہ اپنے خالق و معبود اور اپنی خلقت کی طرف متوجہ ہوئے بغیر ایسے اعمال انجام دیتے ہیں جس سے حقوق انسانی کا پامال ہونا ایک لازمی امر ہے۔ ان کا نظریہ حیات عقیدہ آخرت سے عاری ہے ان کے نزدیک زمانہ ہی وہ خالق ہے جو انہیں وجود میں لاتا ہے اور زمانہ ہی ان کے ہڈیوں کو بوسیدہ کر دیتا ہے۔ ایسے میں حلال و حرام، نیک و بد کی بنیادیں منہدم ہو جائیں گی

الحادی اقسام

دور حاضر میں الحادی تین بڑی اقسام ہے:

1- نو سٹیسزم (Gnosticism) 2- ڈیزم (Deism) 3- اگناسٹ سیزم (Agnosticism)

الحادی مطلق (Gnosticism)

اس سے مراد معرفت یا علم رکھنا ہے۔ یہ ملحدین کی وہ قسم ہے جو خدا کے انکار کے معاملے میں متشدد ہیں۔ یہ لوگ روح دیوتا، فرشتے، جنت، و دوزخ اور مذہب سے متعلق روحانی امور اور مابعد الطبیعیاتی امور کو کسی صورت تسلیم نہیں

¹ محمد رفعت، اسٹیفن ہاکنگ کے نظریات کا تنقیدی جائزہ، (علی گڑھ: تحقیقات اسلامی 2018) ص: 32

کرتے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اس بات کا اچھی طرح علم رکھتے ہیں کہ انسان اور کائنات کی تخلیق میں کسی خالق کا کمال نہیں بلکہ یہ خود بخود وجود میں آئی ہے اور فطری قوانین کے تحت چل رہی ہے اس نقطہ نظر کے حامل لوگوں کو ناسٹک ایسٹھیسٹ کہا جاتا ہے۔

لا اوریت (Agnosticism)

اگنوسٹک اس فرد کو کہتے ہیں جو خدا کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں یقین یا علم میں کمی کی کیفیت میں ہو اور کہے کہ مجھے خدا کے وجود کی آگاہی اور ادراک نہیں ہے وہ اصل تذبذب کا شکار ہوتا ہے نہ وہ خدا کی موجودگی کا اقرار کرتا ہے اور نہ ہی انکار۔ ڈاکٹر رچرڈ ڈاکنز جو کہ ایک مقام رکھتا ہے وہ اپنے کتاب میں الہادی نظریے کو کچھ یوں بیان کرتا ہے:

. An atheist in this sense of philosophical naturalist is somebody who believes there is nothing beyond the natural, physical world, no supernatural creative intelligence lurking behind the observable universe, no soul that outlasts the body and no miracles - except in the sense of natural phenomena that we don't yet understand¹.

"طبعی فلسفے کے مطابق ایک دہریہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ کوئی طبعی دنیا کوئی غیر مرئی تخلیقی ذہانت مشاہدات کائنات میں موجود نہیں ہے کوئی روح جسم میں موجود نہیں، نہ ہی کوئی معجزہ ہے سوائے اس طبعی مظہر کے کہ جس کو ہم ابھی تک نہیں سمجھ سکے"

ڈیزم اس کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ اگرچہ خدا ہی نے اس کائنات کو تخلیق کیا ہے لیکن اس کے بعد وہ اس سے بے نیاز ہو گیا ہے اب یہ کائنات خود بخود ہی چل رہی ہے دوسرے لفظوں میں اس تحریک کا ہدف رسالت اور آخرت کا انکار تھا۔ عمومی طور پر پاکستانی معاشرہ اس وقت الحاد کے شکنجے میں جھکڑا ہوا ہے خصوصاً الحاد کی دوسری قسم جیسے ڈیزم کہا جاتا ہے ڈیزم (deism) ایک ایسا الحاد ہے جس میں خدا کے وجود کو تو تسلیم کیا جاتا ہے لیکن خدا سے تعلق قائم کرنے کیلئے وحی، خارجی ہدایت اور مذاہب عالم کی تعلیمات کو من گھڑت اور غیر ضروری سمجھ کر یکسر مسترد کر دیا جاتا ہے۔ اس نظریے کے مطابق انسان کا اصل اور خالص مذہب ڈیزم ہے یعنی یہ کہ خدا پر اپنی عقل اور خواہش کے مطابق ایمان لایا جائے اور خدائی احکامات پر عمل کر کے اسے خوش کرنے کی بجائے از خود اپنی عقل سے کائنات پر غور کر کے خدا کو خوش کیا جانا چاہئے۔ یعنی خدا کو یوں نہ مانا جائے جیسا کہ وہ چاہتا ہے بلکہ یوں مانا جائے جیسا کہ انسان اسے چاہنا چاہتا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو ڈیزم کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ خدا موجود ہے، اور وجود کائنات کی علت اولیٰ وہی ہے لیکن وہ براہ راست کائناتی امور میں مداخلت نہیں کرتا، اس نے کائنات بنائی تو ضرور ہے لیکن اسے فطری قوانین کے ماتحت کر کے چلا

¹ Dawkins, R. **The God Delusion** (London: Bantam Press, 2006), p. 14

دیا ہے۔ اب یہ کائنات اپنے داخلی قوانین کی مدد سے رواں دواں ہیں، اب خدا کا اس دنیا سے کوئی لنک باقی نہیں رہا۔ اس کا عملی مظاہرہ پاکستانی سماج میں نمایاں نظر آتا ہے جس میں اکثر نوجوان اللہ کے احکام کی پیروی کرنے کے بجائے اسلام کو تابع کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک ہر وہ عمل اسلامی ہیں جو ان کی مزاج سے موافقت رکھتا ہے حقیقت میں اس عمل کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اسلام انسانوں کو ایک مکمل ضابطہ حیات دیتا ہے اور زندگی کے ہر پہلو میں پل پل رہنمائی کرتا ہے اسلامی ریاست اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مالک کائنات اور اس کے پیغمبر سے بغاوت کرتے ہوئے زندگی گزارے۔ الحاد کو اسلام میں ایمان سے انکار اور گمراہی سمجھا جاتا ہے، اور مسلمان عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ کی ہدایت کے بغیر انسان کا راستہ سیدھا نہیں رہ سکتا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَ الرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَ أَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾¹

اسلامی نظام میں ایک رسول خدا کے نائب کی حیثیت سے احکام خداوندی سے لوگوں کو باخبر رکھنے کے ساتھ سماج کی اصلاح کے لئے بھرپور کوشش کرتا ہے ایسے میں خدا اور رسول میں تفریق کرتے ہوئے نبی کا ایک مستقل کردار کو تسلیم کرنا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَ مَنْ أَطَاعَ الْإِمَامَ فَقَدْ أَطَاعَنِي وَ مَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَ مَنْ عَصَى الْإِمَامَ فَقَدْ عَصَانِي))²

((رسول اللہ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے صاحب امر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔))

نظام اسلامی کو حقیقی جانشین نہ ملنے کی وجہ سے ریاست اسلامی ملوکیت میں منتقل ہو گئی جہاں ضرورت انسانی کی پیش نظر حکومتی ڈھانچہ تشکیل دیا گیا۔ مغربی دنیا میں بھی کلیسائی نظام کے خلاف لوگ برسرِ پیکار ہو گئے۔ اور دنیا سیکولر اور مذہبی کلیسائی نظام طبقات میں بڑھ گئی۔

¹ النساء: 59

² ہمام بن منبہ، صحیفہ ہمام بن منبہ، باب نبی کریم ﷺ کی اطاعت، (مصر: مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع)، حدیث رقم: 22

-مسلم، الصحیح، کتاب الامارۃ، باب: وجوب طاعة الامراء، حدیث رقم: 4749

-ابن ماجہ، السنن، کتاب الجہاد، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، -لبنان)، حدیث رقم: 2859

لبرلزم (آزاد خیالی Liberalism)

آزاد خیالی کو انگریزی میں Liberalism سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لغوی اعتبار سے لبرلزم لاطینی زبان کے لائبر (Liber) اور لائبرالس (Liberalis) پر مشتمل الفاظ سے اخذ کیا گیا ہے جس کا معنی ایک آزاد شخص جو غلامی کی طوق کا حامل نہ ہو۔ بنیادی طور پر یہ ایسے سیاسی فلسفے کا نام ہے جو شخصی آزادی، جمہوری نظام حکومت اور آزادی تجارت کا پرچار کرے۔ یعنی کہ بطور خاص ہم پر دین کو لاگو نہ کرو ہمیں اپنی زندگی گزارنے دو۔¹

یہ عنوان دو مختلف الفاظ آزادی اور مساوات پر موقوف ہے۔ اس سے مراد "Equality before the Law" ہے یعنی ریاست میں ہر شہری برابری کی بنیاد پر قانونی اور سیاسی حق رکھتا ہو، (بلاند ہب و خاندانی پس منظر کے)، اور Liberty کی تعریف یہاں مراد لی جاتی ہے کہ ہر فرد قانون کے دائرہ کار میں رہ کر اپنے فکری افعال میں آزاد ہو۔ اسی کو انفرادی آزادی (Individual Liberty) بھی کہا جاتا ہے۔

مغرب میں لبرل ازم اور انسانی حقوق کے تحت فلسفہ یہی ہے کہ کام "work" ہر شخص کو کرنا چاہیے کہ کام سے سرمایہ ملتا ہے اور سرمایہ سے آزادی ملتی ہے، جس کے پاس زیادہ سرمایہ ہے وہ زیادہ آزاد ہے، لہذا آزادی کی ٹھوس شکل مغرب میں سرمایہ ہی ہے۔ جو کام نہیں کرتا، سرمایہ نہیں کماتا، وہ آزاد نہیں ہے، عقل مند نہیں ہے، احمق ہے، نفسیاتی مریض ہے، اس لیے فوکالٹ لکھتا ہے کہ: کام کا نہ ہونا پاگل پن ہے "The absence of work is madness" لہذا مغرب میں ہر شخص کام کرتا ہے، تاکہ سرمایہ کماسکے۔ جو عورت گھر میں رہ کر گھر کے کام کرتی ہے اس کو مغرب کام نہیں تسلیم کرتا کہ اس کام سے سرمایہ نہیں ملتا، اسے مغرب "working women" نہیں کہتا، لیکن جس لمحے یہ عورت گھر میں بچوں کے کپڑے دھونے، باورچی خانہ میں کھانا پکانے کے بجائے یہی کام لانڈری اور ہوٹل میں دوسروں کے لیے انجام دے جس کے اسے پیسے ملیں تو اس عورت کو فوراً "working women" کہا جاتا ہے۔

قیام پاکستان کے اہداف کا اگر جائزہ لیا جائے تو آج بھی دو طبقات ایسے موجود ہیں جو پاکستان کو جمہوری لبرل اور اسلامی فلاحی ریاست ثابت کرنے کے لئے بحث اور مباحثے کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ وہ طبقہ جو اس بات کا قائل ہے کہ پاکستان کو لبرل جمہوریت کے نام پر بنایا گیا ہے وہ اپنی دلائل دے رہا ہے تو دوسری طرف وہ طبقہ جو پاکستان کو فلاحی ریاست کے نام پر بنایا گیا ہے وہ اپنے مدعی کے اثبات میں دلائل پیش کر رہا ہے۔ ڈاکٹر اشتیاق احمد گوندل * ان دلائل کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک کثیر طبقہ اسلام کا شعور اور حقیقی فہم نہ رکھنے کے باوجود 74 سالوں سے پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کا ورد کر رہا ہے، نعرے لگا رہا ہے، ہر برس 14 اگست کو نئے سرے سے اسلامی ریاست کے قیام کا عہد بھی کرتا ہے اور

¹ اردو دائرۃ معارف اسلامی، (لاہور: زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب 1971) ص: 430

مطالبہ بھی۔ جب کہ دوسرا طبقہ اس سارے نعرے بازی کو محض جذباتی پن قرار دے کر ناممکن الخصوص قرار دیتا

ہے ان کی منزل پاکستان میں ایک روشن خیال معاشرے کی تشکیل اور لبرل جمہوریت کا قیام ہے¹

البتہ دونوں طبقے اپنے مدعی کو ثابت کرنے کے لئے بانی پاکستان کے کردار کا سہارا لیتے ہیں۔ وہ طبقہ جو پاکستان کو لبرل جمہوریت کی بنیاد پر بنانے کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ قائد اعظم چونکہ تحریک پاکستان سے پہلے ان کی زندگی مذہبی لبادے میں نہیں تھا بلکہ وہ مغربی تعلیم کی وجہ سے مغربی تصورات کا حامل تھا اس کی طرز زندگی مغربی معاشرے کے قریب تھا اور مغربی جمہوریت ہی میں ان کی نشوونما پرورش ہوئی۔ اس کے علاوہ اگر ان کی سیاسی زندگی کو دیکھا جائے تو وہ کانگریس میں شامل رہے اور ہندو مسلم دونوں کے حقوق کے لیے مسلسل جدوجہد کی۔ یہ حقائق دراصل لبرل فکر کے حامل لوگوں کے لئے بنیادیں فراہم کرتا ہے جن سے بانی پاکستان کو مغربی تہذیب کی مخصوص اصطلاحات کے مطابق سیکولر، لبرل اور روشن خیال ثابت کرنا آسان ہو جاتا ہے جیسا کہ قائد اعظم کا ایک بیان جو لبرل افراد کے لیے کلیدی اہمیت کا حامل ہے اور جس سے وہ تحریک پاکستان کا اپنے لیے حقیقی رخ متعین کرتے ہیں وہ دستور ساز اسمبلی کے اجلاس منعقدہ 11 اگست 1947ء کو اپنی تقریر سے قائد اعظم کا خطاب ہے جس میں آپ نے فرمایا:

"You are free to go to your tempales, you are free to go to your masques, you free to any other places of worship in this state of Pakistan you may belong to any religion are cast our creed that has nothing to do with the business of the state now I think we should keep that in front of us as our ideal and you will find that in course of time Hindus would cease to be Hindus and Muslims would cease to be Muslims not in the religion sense because that is a personal faith of each individual but in the political sense as reasons of After state²

کسی بھی فرد کے خیالات کو جاننے کے لیے اس کے اقوال اور بیانات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا چنانچہ جناح کا درج بالا بیان اگر ان کی زندگی کے دیگر خیالات و اقوال اور بیانات سے کاٹ کر دیکھا جائے تو اس میں سیکولر ازم کی گنجائش نکل سکتی ہے مگر امر واقع یہ ہے کہ ایک طرف سینکڑوں بیانات اور شہادتیں تحریک پاکستان کا جذبہ محرکہ اسلام کو قرار دیتی ہے اور اس سلسلے میں ہزاروں لاکھوں عینی شاہد بھی ہیں تو دوسری طرف محض ایک بیان کو کھینچ تان کر اپنی مرضی کا مفہوم دینا

¹ اشتیاق احمد گوندل، پاکستان میں اسلام اور لبرلزم کی کشمکش، (لاہور: شیخ زاہد اسلامک سینٹر جامعہ پنجاب قاید اعظم کیمپس) ص: 70

* نامور سکالر، عظیم مربی، پنجاب یونیورسٹی شعبہ اسلامیات کے اسسٹنٹ پروفیسر ہے، آپ بہت سے کتابوں کے مصنف ہیں جن میں اسلام اور لبرلزم کی کشمکش ایک نایاب علمی تسخیر ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔ ملاحظہ کیجیے۔ اشتیاق احمد گوندل، دین اور سیاست (لاہور: شیخ زاہد

اسلامک سینٹر جامعہ پنجاب قاید اعظم کیمپس) ص: 13

² D G.H Zulfikar, Pakistan as visualized by iqbal and Jinnah Bazme –i- Iqbal, Lahore, p:223

علمی اور تحقیقی بددیانتی ہے یا پھر خدا نخواستہ محمد علی جناح کے بارے میں روشن خیالی کا تقاضہ یہ بھی ہو کہ قیام پاکستان سے قبل 1940 تا 1947 آخری دم تک قائد اعظم اسلام کا نام محض دکھاوے کے لیے اور قوم کو دھوکہ دینے کے لیے استعمال کرتے رہے اور قیام پاکستان کے ساتھ ہی اپنے اصل خیالات کو سمیٹنا شروع کیا مگر قائد اعظم کا کٹر ترین مخالف بھی ایسی اخلاقی اور قومی بددیانتی کا تصور نہ کرے گا۔

دوسری طرف فلاحی ریاست کے قائلین کے نزدیک 1930 کے علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد کے بعد جس جناح نے نون لیگ کی قیادت سنبھالی وہ ایک سیکولر لیبرل قائد نہیں تھا بلکہ وہ ایک شخصی زندگی میں ایک مذہبی شخصیت نہ ہونے کے باوجود اپنے قوم کا مزاج شناس بن چکا تھا۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو بابائے قوم کا سفر سیاست سے مذہب اور قوم سے فرقے کی طرف ہوا ہے۔ رشید الدین خان قائد اعظم کا موازنہ برصغیر کے معروف عالم اور رہنما مولانا ابوالکلام آزاد سے کرتے ہیں:

مولانا آزاد کا سفر سیاسی محدود سے وسیع کی طرف ہوا فرقہ سے قوم کی طرف مذہبی سیاست سے سیکولر سیاست کی طرف اور بالکل اس کے برعکس قائد اعظم محمد علی جناح کا سیاسی سفر جو وسیع سے محدود کی طرف قوم سے فرقے کی طرف، سیکولر سیاست سے مذہبی سیاست کی طرف ہوا۔¹

لیکن یہ بات زیادہ مناسب ہے چونکہ اگر بابائے قوم تحریک پاکستان کو لیبرل بنیادوں پر چلاتے تو کبھی بھی علمائے ہند ان کی حمایت کا اعلان نہ کرتے۔ تحریک پاکستان میں علماء کی شرکت اس امر کا بین ثبوت ہے کہ اسلام کی اساس کے علاوہ قیام پاکستان کا کوئی جواز نہ تھا ورنہ گرنہ مغربی جمہوریت اور سیکولرزم کے قریب تر فارمولہ تو کانگریس کے پاس تھا اور کانگریس متحدہ قومیت کے علمبردار تھی جی ڈبلیو چوہدری لکھتے ہیں:

From all the views expressed by the leading ulma as well as by Muslim intelligentsia and scholars, it is quite evident that the Muslim of Pakistan including former East Pakistan, now Bangladesh- the Bangladesh constitution abolished secularism is originally introduced by its founder Mujeeb in 1973 and declared Islam the state religion of Bangladesh in 1988 sincerely believe the politics and region cannot be separated in Islam in order to preserve Islamic values ideals, it is essential that Pakistan

¹ رشید الدین خان، مولانا ابوالکلام آزاد، شخصیت، سیاست (لاہور: پیغام مکتبہ قدسیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار، 1999) ص: 87

* رشید الدین خان ایک بہترین مصنف، لکھاری اور سماجی موضوعات پر گہری نظر رکھنے والی شخصیت ہیں آپ کی تصنیفات میں ابوالکلام آزاد: ایک ہمہ گیر شخصیت، دین مبین اور ناواہستگی جیسے نایاب نسخے شامل ہیں۔ ملاحظہ کیجیے۔ ڈاکٹر محمود حسن خان، مکاتیب رشید حسن خان، ادارہ مطبوعات سلیمانی، ص: 9

should be an Islamic state. by and large, Pakistan would like to see their country Islamic.¹

پاکستان کے لادین عناصر کا فکری میلان یہ ہے کہ جہاں وہ دیگر معاملات میں مغرب کے پیمانوں کو معیار بناتے ہیں وہاں اسلام کو بھی ان کے معیارات اور اصطلاحات کی روشنی میں پرکھتے ہیں۔ جس سے تاریخی طور پر ثابت شدہ حقائق بھی فکری انتشار کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ مثلاً سید مسعود زیدی اپنی کتاب پاکستان کا مقدمہ میں قائد اعظم کے خیالات کی تشریح ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں:

"قائد اعظم ایک ایسی ماڈرن ریاست کے خواہاں تھے جہاں سے روشن خیال ماہرین تعلیم، انجینیر، ڈاکٹر، سیاستدان، ماہر اقتصادیات، سائنسدان، مفکر نکلیں اور احیائے اسلام کا باعث بنیں۔"²

ہمارے ہاں کے دانشور روشن خیالی اور آزاد خیالی وغیرہ کی اصطلاحات کو بڑے خوبصورت اور پرکشش انداز میں پیش کرتے ہیں مگر اسلام کا لیبیل چسپاں رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ پاکستانی روشن خیال بھی پاکستانی معاشرے کے مزاج اور ضمیر کو نظر انداز نہیں کر سکتے وگرنہ روشن خیالی اور احیائے اسلام کہیں گڑھ جوڑ نہیں بنتا۔ ڈاکٹر وحید اختر آگے رقم طراز ہے:

"اللہ رب العالمین اور اس کے پیارے رسول رحمت اللعالمین کا عقیدہ رکھنے والا مسلمان تو فطری طور پر سیکولر ہے کیا دوسری قوم کے بت کی آنکھ پھوڑنے کی سزا مسلمان کو سزا دینے کا فیصلہ اور ہمارے نبی کریم ﷺ کی نصرا نیوں کو مسجد نبوی میں اپنے طریقے سے نماز ادا کرنے کی اجازت دینے سے بہتر مثال سیکولر ذہنیت کی تاریخ عالم پیش کر سکتی ہے۔"³

دیدہ دلیری کا عالم یہ ہے کہ خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں کہ مصداق پاکستان کو لبرل بنانے کے چکر میں اسلام کو اور رسول رحمت کو ہی سیکولر بنانے پر تل جاتے ہیں۔ ایسے ہی کئی دراز کار تاویلات کے ذریعے روشن خیال پاکستانی معاشرے میں آزاد خیالی کو فروغ دینے کے لیے کوشاں ہے۔

¹G.W, Chuadhary, **Pakistan transition from Military to Civilian rule**, scarpian publication Ltd, England, 1988, p:83

²زیدی، سید مسعود، پاکستان کا مقدمہ، (لاہور: کلاسیک 1972)، ص: 72

³ایضاً

* ڈاکٹر وحید اختر 12 اگست 1915ء کو اورنگ آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ 1960ء میں خواجہ میر درد کے تصوف پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں صدر شعبہ فلسفہ رہے۔ ”پتھروں کا مغنی“ کے نام سے ان کا کلام چھپ گیا ہے۔ ان کے دیگر شعری مجموعوں کے نام یہ ہیں: ”زنجیر کا نغمہ“، ”شب کارزمیہ“۔ آپ شاعر ہونے کے ناطے نظم کی طرف زیادہ میلان رکھتے تھے۔ ملاحظہ کیجیے۔ محمد شمس الحق، پیمانہ غزل، (کراچی: نیشنل بک فاؤنڈیشن 2008)، ج 2، ص: 301

بہر حال حقیقت حال یہ ہے کہ لبرل ازم نہ کوئی آسمانی مذہب ہے اور نہ کوئی مسلک بلکہ یہ کسی کی ذہنی اختراع ہے ہمارے پاس دین اسلام موجود ہے جسے خدا نے انسانوں کے لئے انتخاب کیا ہے اس کے اصول بے مثال اور لا جواب ہیں صرف تعلیمات سے آشنائی کا نہ ہونا انسان کو اسلام سے دور کر دیتا ہے ہمیں یہ بات سمجھنا ہوگی کہ مغرب میں ہمیں جو جنسیت یا مادر پدر آزادی نظر آتی ہے وہ لبرل ازم کی پیداوار ہے۔

داخلی تحدیات:

پاکستانی سماج میں چند مسائل ایسے ہیں جن کا تعلق اندرون سماج سے ہیں ان مسائل کی وجہ سے معاشرہ رُوبہ زوال ہے ان تمام مسائل کا حل اسلام تعلیمات کی رہنمائی میں کے تناظر میں ہی نکالا جاسکتا ہے کے شدہ بنیادی مسائل کا تعلق میں کچھ مسائل کا تعلق اندرون سماج سے ہے یہ اتنے پیچیدہ مسائل ہیں جن سے ملکی وجود خطرے میں پڑ سکتا ہے ان تحدیات سے قومی وحدت کو نقصان پہنچنے کے ساتھ بات اور تشدید رویوں کو پسپے کا موقع مل جاتا ہے ان میں سے چند ایک بنیادی مسائل کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

مذہبی انتہا پسندی

پاکستانی سماج کے اہم مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ مذہبی انتہا پسندی کا ہے۔ لغوی اعتبار سے دیکھا جائے تو انتہا پسندی کے لیے عربی میں لفظ تَطَرُّف استعمال کیا جاتا ہے جو کہ باب تَفَعُّل سے ہے اور اس کی اصل طرف، یطرف، طرفا ہے ابن فارس کہتے ہیں کہ ط، ر اور ف کے دو مادے ہیں پہلا مادہ کسی چیز کے کنارے پر اور دوسرا کسی عضو کی حرکت پر دلالت کرتا ہے۔¹ "طَرَف" کنارہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کی جمع اطراف ہے۔ عربی میں کہا جاتا ہے: طَرَفَتِ الْمَرَاةُ بِنَانَهَ اَطْرَافِی فَا لَعْنَتُ عَمْرَتُ نَ اِیْنِی اَنْگِلِیو کے پوروں میں مہندی لگائی۔ "طرف" کسی چیز کے جزء کو بھی کہا جاتا ہے۔² اسی طرح تَطَرُّف کا اطلاق کسی چیز کے قریب ہونے پر بھی ہوتا ہے چنانچہ عربی میں کہا جاتا ہے تَطَرُّفَتِ شَمْسٌ یعنی سورج کا غروب ہونے کے قریب ہونا۔³ اسی طرح عربی میں کہا جاتا ہے تَطَرُّفٌ فِی کَذَا یعنی اس نے حد اعتدال سے تجاوز کیا۔ انتہا پسندی معاملات میں سختی کرنا اور انہیں ایسے انداز سے چلانا ہے جو میانہ روی اور اعتدال سے متجاوز ہو نیز اس میں آسانی، نرمی اور رواداری سے پہلو تہی کی گئی ہو خواہ ان امور کا تعلق افکار، تصورات یا احوال سے ہو یا کسی روش سے انتہا

¹ ابن منظور، لسان العرب، ج 7، ص: 427

² محمد الدین فیروزی، القاموس المحیط، (بیروت: دار الفکر) ص: 1075

³ ابن منظور، لسان العرب، ج 8، ص: 146

پسندی کی تعریف یوں بھی کی گئی ہے کہ غلو اور سختی کرتے ہوئے اعتدال کو چھوڑنا۔¹ یہ تعریف انتہا پسندی کے لغوی معنی کے مطابق ہے کیونکہ انتہا پسندی کا لغوی معنی میاں روی سے اعراض کرتے ہوئے کسی اس کی کسی ایک طرف مائل ہونا ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے مخلوق خدا میں ابتدا سے لے کر آج تک انتہا پسند غلو کرنے والے اور معتدل لوگ رہے ہیں اور ان میں سے سب سے بہترین معتدل لوگ ہیں انتہا پسند کوئی بھی ہو وہ چیزوں کو ایک زاویے سے دیکھتا ہے جس کی وجہ سے وہ عدل یعنی انصاف کے دامن کو چھوڑ دیتا ہے

مذکورہ عبارات کے پیش نظر انتہا پسندی کی تعریف یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ یہ حد اعتدال سے تجاوز کرنے کا نام ہے عربی میں کہا جاتا ہے افراط یعنی اس نے درمیان راستہ اختیار نہیں کیا انتہا پسندی کا لفظ غلو پر بھی بولا جاتا ہے نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ انتہا پسندی قول و فعل مفہوم یا کسی چیز کو نافذ کرنے میں حد سے تجاوز کرنا ہے۔

اصولی طور پر انتہا پسندی اللہ تعالیٰ کے احکامات اور شریعت سے تجاوز اور زیادتی کا نام ہے۔ انتہا پسندی کا تشدد کے ساتھ گہرا رابطہ پایا جاتا ہے چنانچہ کبھی انتہا پسندی سختی اور پھر تشدد کی طرف رخ کرتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کے معنی میں باہمی تعلق اور ربط ہے۔ انتہا پسندی کی بنیاد فکری تشدد جبکہ دہشت گردی کی بنیاد فکری اور مادی تشدد دونوں پر ہے حقیقت حال یہ ہے اگرچہ یہ دونوں مفہوم اکثر جمع ہو جاتے ہیں لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ تشدد ایک عملی طریقہ ہے اور انتہا پسندی فکری طریقہ ہے²

پاکستان ایک مذہبی تنوع والا ملک ہے جہاں مختلف فرقوں اور عقائد کے لوگ بستے ہیں۔ لیکن یہاں مذہبی فرقہ واریت اور داخلی تنازعات بھی موجود ہیں۔ اس کی سب سے واضح مثال سنی، شیعہ، دیوبندی، بریلوی اور دیگر فرقوں کے درمیان پیدا ہونے والے تنازعات ہیں۔ بعض مذہبی گروہ اپنی اپنی تشریحات کو دوسرے گروپوں پر مسلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے مذہبی تشدد اور انتہا پسندی کی فضا پیدا ہوتی ہے۔

انتہا پسند افراد یا گروہ اپنے عقائد یا نظریات کو اتنی شدت سے اپناتے ہیں کہ وہ اسے حتمی اور واحد درست راستہ سمجھتے ہیں۔ وہ یہ مانتے ہیں کہ جو کچھ وہ سوچتے ہیں، وہی سچائی ہے اور جو کوئی اس سے اختلاف کرتا ہے، وہ غلط یا دشمن ہے۔ حالانکہ اسلام مسلمانوں کو نہ فقط آپس میں اتحاد کی دعوت دیتا ہے بلکہ دیگر مذاہب کے ساتھ بھی اتحاد کا خواہاں ہے۔ قرآن مجید میں بہت سے آیات وحدت کی تائید کرتی ہیں:

¹ ابن باز، مجموع فتاویٰ، ج 8، ص: 236

² احمد بن یوسف الدربولیش، مذہبی انتہا پسندی، (اسلام آباد: شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، 2015) ص: 27

﴿وَاَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ فُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُم مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾¹

(اور سب مل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب کہ تم آپس میں دشمن تھے پھر تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پھر تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پھر تم کو اس سے نجات دی، اس طرح تم پر اللہ اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ۖ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾²

(اور اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾³

(ان لوگوں کی طرح مت ہو جو متفرق ہو گئے بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح احکام آئے انہوں نے اختلاف کیا، اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔)

قرآن کی یہ تعلیمات ہر قسم کی تشددانہ رویوں کو اعتدال پر لانے کی تلقین کرتی ہیں مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ بحث و مباحثہ کو دلیل و منطق کی بناء پر کرے اور اختلاف کو جھگڑے کی حد تک نہ لے کر جائے اور اپنا دفاع شائستہ انداز میں کرے اور اگر سختی بھی کرے تو اس کا جواب انتہائی نرم و دلنشین انداز میں دینا چاہیے۔ انتہائی صبر اور حکمت سے مخالفت کا سامنا کرنا اخلاقی شعار کے ذمرے میں آتا ہے چونکہ اسلام ایسا دین ہے جو انسانی اقدار کی احیاء کے لئے خون تک معاف کرتا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے حجت الوداع کے موقع پر عام معافی کا اعلان فرمایا تھا:

¹ آل عمران: 103

² الانفال: 43

³ آل عمران: 105

((أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ وَأَبْشَارَكُمْ وَأَوْلَادَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ لِحُرْمَتِهِ يَوْمَكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا إِلَى يَوْمٍ تُلْقَوْنَ رَبَّكُمْ إِلَّا هَلْ بَلَّغْتُمْ قَالُوا نَعَمْ قَالَ اللَّهُمَّ أَشْهَدُ قُلَيْبُلُغِ الشَّاهِدِ الْعَائِبِ قَرْبُ مُبْلَغٍ أَوْ عَى مِنْ سَامِعٍ فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارٍ يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ))¹

(تمہارے خون اور تمہاری عزتیں تم پر حرام ہے جیسے تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس مہینے میں اس شہر میں مقرر کی گئی ہے اُس دن جب تم اپنے رہبر سے ملو گے۔ سنو! کیا میں نے اپنے رب کا پیغام تمہیں پہنچایا ہے؟ لوگوں نے کہا! جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ گواہ رہنا۔ اب چاہیے کہ تم میں سے ہر موجود غائب شخص تک پیغام پہنچائیں کیونکہ کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جن تک بات پہنچائی جائے تو وہ سننے والے سے زیادہ یاد رکھتے ہیں اور سنو! میرے بعد ایک دوسرے کو قتل کر کے کافر نہ ہو جانا)

انتہا پسندی کا جائزہ لیا جائے تو اس کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں ان میں سے پہلا سبب دین میں غلو کرنا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ غلو کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ:

"غلو حد سے تجاوز کرنا ہے مثلاً کسی چیز کی تعریف اور مذمت میں ایسا مبالغہ کرنا جس کا وہ حقدار نہ ہو بعض کے ہاتھ غلو دین میں اتنی سختی اور تشدد کرنا ہے کہ انسان حد کو تجاوز کر جائے۔"²

غلو فی دین اسلام کے مخالف طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے:

((إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوفِي الدِّينِ أَى التَّشَدَّدَ فِيهِ وَ مَجَازَةَ الْحَدِّ))³

(دین میں غلو سے بچو یعنی اس میں تشدد اور حد سے تجاوز کرنے سے بچو)

اللہ تعالیٰ کا دین اس سے منہ پھیرنے والوں اور اس میں غلو کرنے والوں کے درمیان ہے جیسے دو پہاڑوں کے درمیان وادی دو گراہ راستوں میں ہدایت اور دو قابل مذمت پہلوؤں میں درمیانی پہلو ہے۔

دین میں غلو کے بہت سارے اسباب ہیں یعنی دین میں غلو اور تشدد عام طور پر دین کی ناقص سمجھ، جہالت، جمود اور تقلید کا نتیجہ ہے اس کے علاوہ بعض سیاسی اور اجتماعی اسباب وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں لیکن اس کا سب سے بڑا سبب اسلامی عقائد اور احکامات سے ناواقفیت ہے اس مسئلے نے نہ صرف غلو کرنے والوں کی بڑی تعداد کو ہمیشہ ہلاکت میں ڈالا ہے بلکہ

¹ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الحیض، باب: الخطیۃ ایام منی، حدیث رقم: 1741

— ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، (لاہور: ادارہ اسلامیات — کراچی پاکستان)، ص: 2/60

² ابن تیمیہ، الاقضاء الصراط المستقیم، ج 1، ص: 289

ان کے ساتھ امت کو بھی ایسے مشکلات میں مبتلا کیا ہوا ہے جن کا وہ شروع سے اب تک سامنا کر رہی ہے۔ ڈاکٹر ناصر العقل اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

آج امت کے بعض گروہوں میں انتہا پسندی اور غلو کے نمودار ہونے کا ایک سبب اپنے آپ کو علم کا دعویٰ دار ٹھہرانا ہے چنانچہ بعض اوقات آپ کا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑے گا جو شرع علوم کے بنیادی اصول احکام اور دین کے قواعد سے ناواقف ہوں گے یا ان کے پاس بغیر اصول و ضوابط فہم اور صحیح موقف کے تھوڑا سا علم ہوگا اور اس تھوڑے سے علم اور ناقص فہم کے بل بوتے پر یہ گمان کریں گے کہ انہوں نے اول و آخر تمام علوم حاصل کر لیے ہیں چنانچہ وہ اپنے غرور کی وجہ سے علماء اور علم حاصل کرنے سے بے نیاز ہیں یوں وہ اپنے تکبر کی وجہ سے خود بھی ہلاک ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی ہلاک کرتے ہیں یہی حال پہلے ان خارجیوں کا تھا جو علم اجتہاد دعویٰ کرتے اور علماء پر برتری جتلاتے تھے حالانکہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ جاہل تھے۔ شرعی علوم سے ناواقفیت اور دین کی ناقص سمجھ ایسے امور ہے اگر کوئی خارجیوں کی صفات کی طرف مائل ہونے والوں کے عمومی رجحانات کا جائزہ لے تو وہ یہ جان لے گا کہ خارجیوں میں جہالت، ناقص فہم دین اور شرعی علوم میں قلت معلومات جیسے عناصر نمایاں تھے چنانچہ جب وہ اہم مسائل اور عظیم مصالحے کو زیر بحث لاتے ہیں تو ان میں اضطراب، خلط ملط حکم صادر کرنے میں جذباتی اور یک رخے موقف دیکھنے کو ملتے۔¹

دوسرا اہم سبب علم کا دعویٰ کرنے والے بعض متشدد گروہوں سے متاثر ہونا ان کے فتاویٰ اور گمراہ کن طریقوں پر عمل کرنا اور ان کے افکار اور تصرفات سے اثر لینا ہے۔²

تیسرا سبب بعض نوجوانوں کی طرف سے حصول علم میں کمزوری، قرآن و سنت اور اس کے طریقوں سے دوری بھی انتہا پسندی کا سبب ہے اس طرح انسانی سوچ پر ایسا اعتماد جو عقائد اور دعوت میں سلف صالحین کے طریقے سے ہٹا ہوا ہے اور علماء اور صاحب اختیار بلکہ تمام معاشرے کے ساتھ برتاؤ میں بھی سلف صالحین کے طریقے سے دور ہے اسی طرح علماء کے بارے میں براگمان رکھنے اور انہیں کمتر سمجھنے کی وجہ سے پختہ، باعمل، باعتماد اور خیر خواہ علماء کے ساتھ باہمی رابطے کا ختم ہونا جس کے سبب نوجوانوں کا تکفیری اور انقلابی گروہوں اور اس کے علاوہ دیگر جماعتوں کی امت کے باعمل علماء کے خلاف یلغار سے متاثر ہونا ہے۔

¹ ناصر العقل، الغلو: الاسباب، والعلاج، (اسلام آباد: شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، 2015) ص: 18

² احمد بن یوسف الدرریش، مذہبی انتہا پسندی، ص: 27

ایک اور اہم سبب دین اور اس کے بنیادی ماخذ مثلاً قرآن، سنت، اجتہاد اور قیاس سے ناواقفیت بھی ہے اسی طرح مقاصد شریعت اجتہاد و استنباط کے ذرائع، علماء کے اقوال و آثار، عربی لغت، اس کے اسلوب تاریخ و تکنیکی امور سے ناواقفیت بھی انتہا پسندی کا سبب ہے۔

دینی انتہا پسندی کے علاج کے لیے نفع بخش علم کا ہونا ضروری ہے یعنی مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری حقوق و واجبات جائز و ناجائز اور حرام چیزوں کا علم حاصل کرے خاص طور پر جب وہ براہ راست کوئی کام کرے یا کسی کام کی ذمہ داری قبول کرے تو اسے چاہیے کہ اسے سمجھے اور اس کے احکامات کا علم حاصل کرے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ مذہبی انتہا پسندی نے مسلم معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ کر غیرت مسلم کو تار تار کر دیا ہے۔ تاریخ اسلام میں مسلمانوں کو جذبہ ایثار و قربانی اور ہم آہنگی و یگانگت اپنی مثال آپ تھی۔ آج مسلمان ایک دوسرے سے دست و گریبان ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو تعلیمات اسلامی سے دور رکھ کر غیر اسلامی تہذیبوں کو معاشرے میں نفوذ کا موقع فراہم کیا اور پھر ان کے اثرات کو احسن طریقے سے قبول کرنے کے لیے اپنے ضمیر کو آمادہ کیا۔

فرقہ واریت

پاکستانی سماج کو درپیش فکری تحدیات میں سے ایک اہم تحدی فرقہ واریت کا ہے۔ کئی قیمتی جانیں اس فکری انتہا پسندی کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں، کئی عورتوں کے سہاگ اس آگ میں اجڑ چکی ہیں، کئی ماؤں نے اپنے لُخت جگر کھو دئے ہیں۔ فرقہ واریت کو عموماً ایک ایسی صورت حال کے طور پر بیان کیا جاتا ہے جب ایک ہی مذہب یا عقیدے کے مختلف گروہ ایک دوسرے کو اپنی تفسیری تشریحات یا اعتقادات کی بنا پر کمتر سمجھتے ہیں یا ان کے درمیان نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے نتیجے میں مختلف فرقوں کے درمیان سماجی، سیاسی، اور ثقافتی کشیدگیاں بڑھ جاتی ہیں، جو کبھی کبھار تشدد اور خونریزی کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔

فرقہ پرست افراد یا گروہ اپنے عقائد یا نظریات کو اتنی شدت سے اپناتے ہیں کہ وہ اسے حتمی اور واحد درست راستہ سمجھتے ہیں۔ وہ یہ مانتے ہیں کہ جو کچھ وہ سوچتے ہیں، وہی سچائی ہے اور جو کوئی اس سے اختلاف کرتا ہے، وہ غلط یا دشمن ہے۔ فرقہ دارانہ رویوں میں دوسروں کے نظریات، ثقافتوں، یا عقائد کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ وہ مختلف آراء یا خیالات کو نہ صرف مسترد کرتے ہیں بلکہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں یا ان کے خلاف دشمنی ظاہر کرتے ہیں۔ ان افراد میں برداشت اور سمجھوتے کا عنصر تقریباً مکمل طور پر غائب ہوتا ہے۔

فرقہ واریت ماہرین سماجیات کے نزدیک ایک شہری مظہر ہے اس کی جڑیں نچلے درمیانی طبقے میں پائی جاتی ہے کسانوں، مزدوروں اور دیگر اوپری طبقوں میں ان کے حامیوں کی تعداد مشکل ہی سے نظر آئے گی۔ فرقہ واریت کو ہوا دینے کے لیے اس نچلے درمیانی طبقے کے جذبات کو خاص طور سے ابھارا جاتا ہے اس طبقے کی ایک اور اہم خصوصیت ہے اطاعت شعاری۔ یہ طبقہ چونکہ نفسیاتی اعتبار سے اپنے آپ کو سب سے زیادہ غیر محفوظ محسوس کرتا ہے اس لیے اس میں اہل اقتدار کے سامنے جھکنے کا رجحان بہت زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اس میں وہ اپنی حفاظت محسوس کرتا ہے۔ لوگوں کے درمیان یہ عام تاثر پایا جاتا ہے کہ مذہب فرقہ واریت کی بنیادی علت ہے لیکن حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ مفاد پرستوں کے ہاتھوں میں ایک طاقتور آلہ کار ہے جسے وہ اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتے ہیں عوام سے اپنی اصلیت چھپانے کے لیے اور اپنے مفاد کی پردہ پوشی کے لیے مذہب کو اعلیٰ کار بنایا جاتا ہے یہ مفاد پرست سیاسی نوعیت کے بھی ہوتے ہیں اور معاشی نوعیت کے بھی۔ اصغر علی انجینئر لکھتے ہیں:

فرقہ واریت سیکولر مسائل کے لیے مذہب کے نام پر لڑی جانے والی جنگ کا نام ہے اس لیے ہمارے ذہن میں اس بات سے الجھنیا انتشار پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ فرقہ وارانہ تشدد میں مذہب کو آلہ کار بنایا جاتا ہے۔ فرقہ واریت کی اصلی نوعیت اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے یہاں یہ فرق کرنا ضروری ہے کہ مذہبی تشدد اور فرقہ وارانہ تشدد دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ مذہبی تشدد سے مراد ایسا تشدد جس کی بنیاد بین مذہبی ادعائیت پر ہوتی ہے یعنی دو مذہب کے درمیان کسی مسئلے کے حق کے ثبوت کے لیے ہوتی ہے جب کہ فرقہ وارانہ تشدد جس کی بنیاد دو مذہبی جماعتوں کے نمایاں افراد کے درمیان سیاسی اور معاشی اقتدار پر قبضہ جمانے کے مقصد سے ہوتی ہے لہذا ان دونوں میں فرق کرنا انتہائی ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ فرقہ واریت سیکولر معاملات (سیاسی، سماجی اور معاشی) سے جنم لیتی ہے اور فرقہ پرست جماعتوں کے لیڈر عام طور پر مذہبی پیشوا نہیں بلکہ جدید تعلیم یافتہ غیر مذہبی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔¹

اسلام میں فرقہ واریت کی کوئی اصل یا بنیاد نہیں ہے۔ دین اسلام اپنے پیروکاروں کو ایک ایسا معاشرتی ڈھانچہ فراہم کرتا ہے جس میں تمام مسلمان یکجہتی، محبت، اور بھائی چارے کے ساتھ رہیں، چاہے وہ کسی بھی فقہ، مسلک یا علاقے سے تعلق رکھتے ہوں۔

¹ اصغر علی انجینئر، فرقہ واریت اور فرقہ وارانہ فسادات کا تجزیاتی مطالعہ، انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز آئرن کارٹج، ایسٹ

﴿وَاَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾¹

(اور تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو)

اسلام میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اگر کسی مسلمان کا عقیدہ یا عمل کسی دوسرے مسلمان سے مختلف ہو، تو اس پر تنقید کرنے کی بجائے اس کو محبت و رواداری کے ساتھ قبول کیا جائے۔ اختلافات کی موجودگی میں بھی، مسلمانوں کو ایک دوسرے کی عزت اور احترام کا خیال رکھنا چاہیے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو تفرقہ ایک لعنت ہے جس کی قرآن نے نہ فقط مذمت کی ہے بلکہ گروہوں کے اختلاف کو ختم کرانے کو ایک احسن عمل قرار دیا ہے:

﴿وَ إِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَفَاتِلُوا آلَتَهُ تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنَّ فَاتَتْ فَاصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾²

(اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان میں صلح کرو پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے پھر اگر وہ پلٹ آئے تو انصاف کے ساتھ ان میں صلح کرو اور عدل کرو، بیشک اللہ عدل کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔)

حدیث میں بھی مسلمانوں کو کسی بھی قسم کی فرقہ وارانہ دشمنی سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔
(لا ترجعوا بعدي كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض)³

"میرے بعد تم کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو"

یہ حدیث مسلمانوں کو ایک مضبوط پیغام دیتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی بھی فرقہ واریت یا گروہ بندی سے بچنا چاہیے۔ آپ نے واضح طور پر کہا کہ اگر مسلمان اپنے اختلافات کو تشدد اور قتل و غارت گری میں بدلیں گے، تو اس سے دین اسلام کا پیغام متاثر ہو گا اور وہ کفر کی طرف واپس لوٹ جائیں گے۔ اس میں مسلمانوں کے درمیان امن و آشتی، اور دین اسلام کی اصل تعلیمات پر قائم رہنے کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اسلام میں کسی دوسرے مسلمان کو کافر یا گمراہ قرار دینے کی اجازت نہیں ہے جب تک کہ اس نے اسلام کی بنیادی اصولوں کا انکار نہ کیا ہو۔ کسی بھی مسلمان کو صرف اس بنیاد پر کافر نہیں قرار دیا جاسکتا کہ وہ کسی دوسرے فرقے سے تعلق رکھتا ہے یا اس کے عقیدہ میں تھوڑا سا فرق ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی ارشاد گرامی ہے:

¹ آل عمران: 103

² الحجرات: 9

³ بخاری، الصحيح، کتاب الادب، باب: ما جاء في قول الرجل، حدیث رقم: 6166

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَيُّمَا امْرِئٍ قَالَ لِأَخِيهِ يَا كَافِرٌ، فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا، إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ))¹

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بھی اپنے (مسلمان) بھائی کو کہا: اے کافر، تو دونوں میں سے ایک یہ ہو کر رہے گا۔ اگر اُس کا وہ بھائی اِس کا مصداق ہوا جس کو اُس نے کافر قرار دیا تو وہی اور اگر نہ ہوا تو کہنے والے کی یہ بات خود اُسی پر لوٹ جائے گی۔

اسلام میں فرقہ واریت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن اور حدیث میں بار بار مسلمانوں کو آپس میں محبت، بھائی چارے، اور اتحاد کی تعلیم دی گئی ہے۔ مختلف فرقوں کے موجود ہونے کے باوجود، اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کی عزت کریں، اختلافات کو برداشت کریں، اور ایک دوسرے کے ساتھ اسلامی بھائی چارے کی روح کے مطابق تعلق رکھیں۔ فرقہ واریت اور تفرقہ بازی کو اسلام نے ناپسند کیا ہے اور اس کے خلاف مسلمانوں کو ایک امت کے طور پر متحد رہنے کی ہدایت دی ہے۔

فرقہ واریت کی وجوہات:

فرقہ واریت کی جڑیں مختلف سماجی، مذہبی، سیاسی، اور تاریخی عوامل میں پنہاں ہوتی ہیں۔ فرقہ واریت کا بنیادی سبب ہمارا نظام تعلیم ہے۔ ہمارے ملک میں دو الگ الگ نصاب تعلیم رائج ہیں سکولوں میں سیکولر تعلیم دی جاتی ہے جو کہ حکومت کی سرپرستی میں رائج ہے۔ حکومتی بجٹ میں سے سیکولر تعلیمی نصاب کے لیے باقاعدہ فنڈ دیا جاتا ہے۔ اس نصاب سے فارغ التحصیل طلبہ کو مختلف شعبہائے زندگی میں اچھے عہدے پر فائز کرتے ہوئے پرکشش تنخواہوں سے نوازا جاتا ہے۔ جب کہ دوسری طرف قدیم نصاب تعلیم پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی اور نہ ہی مدارس سے فارغ التحصیل طلباء کے روزگار کے لیے کوئی خاطر خواہ حکومتی انتظام ہوتا ہے جس کی وجہ سے محراب و مسجد میں فتنہ پرست مواد کی تشہیر کے ذریعے روزگار تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ فرقہ واریت کے چند اہم ترین عوامل درج ذیل ہیں:

1. مذہبی اختلافات:

مختلف فرقے ایک ہی مذہب کی مختلف تشریحات کو درست سمجھتے ہیں اور دوسروں کے عقائد کو غلط قرار دیتے ہیں۔ جیسے کہ شیعہ اور سنی مسلمانوں کے درمیان اختلافات، یا ہندو مذہب میں مختلف فرقوں کی تفسیری اختلافات۔ یہ اختلافات کبھی کبھار مذہبی رسومات، عبادات کے طریقے، مذہبی شخصیات (مثلاً نبیوں، اماموں، یا بزرگان) کے بارے میں مختلف آراء پر مبنی ہوتے ہیں۔

¹ مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب: بیان حال الایمان، حدیث رقم: 215

2. سماجی اور اقتصادی تفاوت:

جب فرقہ واریت کو سماجی و اقتصادی مسائل کے ساتھ جوڑا جاتا ہے، تو یہ زیادہ پیچیدہ اور تشویشناک ہو جاتی ہے۔ جیسے کچھ فرقے خود کو دوسروں سے معاشیاً سماجی طور پر اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ تعلیمی کمی، اور معاشی استحصال فرقہ وارانہ تنازعات کو مزید ہوا دیتے ہیں۔

3. سیاسی وجوہات:

فرقہ واریت کا اکثر سیاسی فائدے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ سیاستدان اپنے سیاسی فائدے کے لیے فرقہ وارانہ ہٹ دھرمی کو بڑھاوا دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے مخصوص گروہ کو سیاسی طور پر مستحکم کر سکیں۔ مختلف حکومتیں یا سیاسی جماعتیں فرقہ واریت کے بڑھتے ہوئے مسئلے کو اپنے اقتدار میں استحکام کے لیے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔

4. مذہبی انتہا پسندی:

جب مذہب کے بعض گروہ اپنے عقائد کو بہت سختی سے اپنانا شروع کرتے ہیں اور دوسروں کی دینی آزادی کو برداشت نہیں کرتے، تو یہ مذہبی انتہا پسندی میں بدل جاتا ہے۔ فرقہ وارانہ تشدد میں مذہبی شدت پسندی کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے، جہاں مختلف گروہ اپنی تشریحات کو نہ صرف درست سمجھتے ہیں بلکہ دوسروں کو حقیر اور کافر بھی قرار دیتے ہیں۔¹

تعلیمی شویت

نصاب تعلیم ایسا عنصر ہے جو فکر انسانی کو ایک خاص دھارے میں لے کر آگے چلتی ہے اور ایک قوم کی طرز زندگی کے لئے جہت کا تعین کرتی ہے۔ یہ مسئلہ پاکستانی معاشرے کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج ہے جس نے بہت سے معاشرتی بیماریوں کو جنم دینے کے ساتھ نوجوان نسل کو اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فاتح قوم ہمیشہ اپنی تہذیب و اقدار کے نفاذ کے لئے مفتوح قوم پر ایسا نصاب رائج کرتی ہے جسے اس کے نوجوان نسل آفاقی تعلیمات سمجھ کر عمل پیرا ہونے لگتی ہیں۔ ایسٹ انڈیاء کمپنی کو اس بات کا مکمل ادراک تھا اس لئے ارادی طور پر انہوں نے مسلمانوں کو نصاب تعلیم سے محروم رکھا جیسا کہ ڈاکٹر احسن اقبال لکھتے ہیں:

”انگریزوں کی پوری کوشش یہ تھی کہ ہندوستانی باشندے زیادہ سے زیادہ جاہل رہیں، ان کا خیال تھا کہ تعلیم حاصل کر کے یہ لوگ ہمارے اقتدار کے لیے خطرہ بن جائیں گے؛ اس لیے اگر تعلیم کا نظم کیا بھی تو وہ محض عیسائیت کے لیے؛ ورنہ اعلیٰ تعلیم کا ہندوستانی باشندوں کے لیے کوئی نظم نہ تھا۔“²

² اقبال حسن خان، شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات اور علی کارنامے، (انڈیاء: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۷۳) ص: 29

در اصل انگریز اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اگر برصغیر میں مغربی طرز کے تعلیمی ادارے کھولے گئے تو اس سے عوام میں بیداری آئے گی اور جس طرح امریکہ وغیرہ میں جدید علوم کی درس گاہیں قائم ہو جانے کے بعد ہمیں امریکیوں کو آزادی دینی پڑ گئی تھی اسی طرح برصغیر جو کہ سونے کی چڑیا سے کم نہیں ہے؛ اگر ہم نے یہاں پر جدید تعلیمی ادارے قائم کر دیے تو ایک نہ ایک دن ہمیں یہاں سے لازماً بوریا بستر گول کرنا پڑے گا؛ اس لیے بہتر یہی ہے کہ یہاں کے لوگوں کو تعلیمی لحاظ سے پسماندہ رکھا جائے۔¹

انگریزی نصاب تعلیم سے پہلے ہمارا نظام تعلیم قدیم اور جدید درس گاہوں پر چل رہا تھا اور مسلمان اسلامی تعلیمات و قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزار رہے تھے لیکن جب انگریز نے پاکستان اور ہندوستان پر قبضہ کر لیا اور مغلیہ نظام تعلیم کو ختم کر کے سیکولر بنیادوں پر نظام تعلیم کا نفاذ کرنا شروع کیا جو مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کے بالکل برخلاف تھا ایسے میں علماء نے اس نصاب کی مخالفت کی اور اس کا باقاعدہ طور پر بائیکاٹ کیا لیکن وہ اس لادین نصاب کے مقابلے میں کوئی جامع نصاب تعلیم مرتب کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے بلکہ مغربی علمی فنون سے معاشرے کو پاک و صاف رکھنے کے لئے علیحدہ نصاب کو ترجیح دی لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ مدارس اور مروجہ تعلیم کے نصاب میں بھی افتراق بڑھتا چلا گیا یوں دین اور دنیا میں تقسیم کیا گیا اور آج تک یہ دونوں نظام متوازی طور پر چل رہے ہیں۔

آج بھی پاکستانی معاشرہ ان اثرات کے سحر انگیزی سے چھٹکارہ نہیں پاسکا کیونکہ انگریزوں نے اپنے وفاداروں کو پراپرٹی کی شکل میں اعزازات سے اس قدر نوازا کہ مملکت کے ایک طرف جاگیر دار اور سرمایہ دار کالاو لشکر تیار ہو تو دوسری طرف بھوکے، ننگے اور محروم لوگوں کی بستی تیار ہوئی۔ صاحب ثروت لوگوں کے مقامات غریبوں کے لئے شجرہ ممنوعہ قرار پائے۔ امیروں نے اپنے بچوں کے لئے جدید طرز کے سکولوں اور کالجوں کا جال بچا دیا دوسری طرف بغیر فرش کے سکولوں میں غریبوں کی تعلیمی لوازمات کا اہتمام وجود میں آیا۔ اس سلسلے کی کڑیاں آج تک مضبوطی سے جڑی ہوئی ہے آج بھی امیروں کے لئے الگ اسکول اور کالج اور ان کا نصاب پایا جاتا ہے اور غریب ان سکولوں کی قد آور دیواروں کے سوا کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ ان لوازمات زندگی کی وجہ سے صاحب ثروت لوگوں کے افکار پورے سماج پر غلبہ پا چکے ہیں۔ جاگیر دار اور امیر طبقہ کی میلانات مغربی تہذیب کی طرف زیادہ تھیں لہذا ان کی طرز زندگی کو آفاقی تعلیمات سمجھ کر قبول کیا گیا اور نوجوان نسل کو یہ باور کرانے میں کافی حد تک کامیاب ہو گئے۔ مولانا مودودی ان حالات کا باریک بینی سے تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

¹ منگلوری، طفیل احمد سید، مسلمانوں کا روشن مستقبل، (لاہور: حماد الکتبی شیش محل روڈ) (سن) ص: 162: 164

"انہوں نے اپنی تعلیم ہم پر مسلط کی اور اس طرح مسلط کی کہ رزق کی کنجیاں ہی لیکر اپنی تعلیم گاہوں کے دروازوں پر لٹکا دیں جس کے معنی یہ تھے کہ اب یہاں رزق وہی پائے گا جو یہ تعلیم حاصل کرے گا۔ اس دباؤ میں آکر ہمارے ہر نسل کے بعد دوسری نسل پہلے سے بڑھ چڑھ کر ان تعلیم گاہوں تک گنیا اور وہاں وہ سارے ہی نظریات اور عملیات سیکھے جن کی روح اور شکل بالکل ہماری تہذیب کی ضد تھی۔"¹

اس طبقاتی کشمکش میں ابھی تک کوئی ایسا نصاب تعلیم مرتب نہیں کیا جاسکا جس سے قدیم اور جدید علوم کا امتزاج نمایاں ہو ایسے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ جدید دینی درسگاہوں کا قیام عمل میں لا کر نئے اہل علم و فکر پیدا کر کے کردار سازی کے لئے رہنمائی حاصل کرنی ہے۔ جس سے ایسے اہل علم و فکر پیدا ہوں گے جو دین اور دنیا کے علوم و فنون پر حاوی ہوں گے ایسے اساتذہ اور علماء ہی قوم کو صحیح کردار سازی کر سکتے ہیں وہی قوم کی تقدیر جگا سکتے ہیں جو یونیورسٹیوں اور مدارس کے تربیتیافتہ ہوں۔ اگر اس پر توجہ نہ دی گئی اور دونوں نصاب کی پیداوار میں مساوات قائم نہ کیا گیا یعنی مروجہ تعلیم کے لئے سوسائٹی میں روزگار کے مواقع اور دینی نصاب بالکل محروم تو اس کے بھیانک نتائج سے یہ سماج دوچار ہو سکتا ہے جیسا کہ پہلے سے ہو رہا ہے۔ ان نتائج کی مولانا مودودی نے خوب منظر کشی فرمائی ہے:

"اس نظام تعلیم کے تحت اب جو لوگ پڑھ رہے ہیں اور تربیت پا کر نکل رہے ہیں اس کے سواء ان کا کوئی مصرف نہیں کہ وہ ہماری مسجدوں کو سنبھال کر بیٹھ جائے یا کچھ مدرسے کھول لیں اور طرح طرح کے مذہبی جھگڑے چھیڑتے رہیں تاکہ ان جھگڑوں کی وجہ سے قوم کو ان کی ضرورت محسوس ہو۔ اس طرح ان کی ذات سے کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچتا ہے یعنی ان کی بدولت ہمارے اندر قرآن و دین کا کچھ نہ کچھ علم پھیلتا ہے۔ دین کے متعلق کچھ نہ کچھ واقفیت لوگوں کو حاصل ہوتی ہے اور ہماری زندگی میں کچھ نہ کچھ حرارت باقی رہ جاتی ہے لیکن اس کے فائدے کے مقابلے میں جو نقصان ہم کو پہنچ رہا ہے وہ زیادہ ہے۔ وہ نہ تو اسلام کی راہنمائی کر سکتے ہیں اور نہ موجودہ زندگی کے مسائل پر اسلام کے اصولوں کو منطبق کر سکتے ہیں"²

علامہ مودودی اس قدیم نصاب تعلیم سے قانع نہیں ہے کیونکہ یہ نظام سماجی مسائل کو حل کرنے کی سکتا نہیں رکھتا۔ اس سے مسائل دور کرنے کے بجائے لوگ اسلام سے دور ہو رہے ہیں۔ اور روز بہ روز دین کے وقار میں کمی آرہی ہے ایسے میں اس مسلکی نصاب سے فارغ التحصیل افراد کی مجبوری بنتی ہے کہ وہ ان مذہبی جھگڑوں کو تازہ رکھیں ورنہ ان افراد کی ضرورت ہی ختم ہو جائے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ان حالات میں مدارس کی ذمہ داری دوسرے اداروں کی نسبت زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ مدارس تعلیمات محمدی کے پاسبان ہیں۔ جتنی تفسیر اور تشریح سے یہ لوگ آگاہ ہیں اتنا کوئی اور سنت

¹ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، ص: 234

² مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تعلیمات، ص: 127

نبوی سے آگاہ نہیں لیکن حیرت ہوتی ہے کہ ان آفاقی تعلیمات کو پس و پشت ڈال کر ملکی اختلافات کو ہوا دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ احتمال قوی ہوتا ہے کہ قدیم نصابی سرگرمیوں سے مربوط افراد کو اسلام سے زیادہ ذاتی مفادات عزیز ہیں۔ حالانکہ اسلام نے تفرقہ بازی کی شدید الفاظ میں مخالفت کرتے ہوئے ہدف تنقید قرار دیا ہے۔

آج بھی پاکستان میں رائج نصاب تعلیم کا جائزہ لیں تو تہذیب مغرب اور اس کی سوچ غالب نظر آتی ہے۔ اس نصاب تعلیم نے ہمارے نوجوان نسل کو اپنے اسلاف سے بیگانہ کر دیا ہے۔ لارڈ میکالے اگر زندہ ہوتے تو یقیناً مسلمانوں کی حالت زار دیکھ کر خوش ہوتے کیونکہ اس نصاب میں سے ایک تھا کہ پاکستان کے تعلیمی ادارے اندھی تقلید میں اس نظام تعلیمی کی پیروی کرے جس کی بنیاد قوم پرستی اور مادی بنیادوں پر قائم کی گئی ہیں۔

آزادی فکر کا بحران

فکری آزادی سے مراد آزادی فکر اور آزادی اظہار کا حق ہے۔ عربی اصطلاح میں آزاد کی لفظ حریت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آزادی فکر انسانی فطرت کا لازمی تقاضا ہے۔ انسان حیوان ناطق ہے۔ اسے عقل اور قوت تفکر سے نوازا گیا ہے جس کے ذریعے وہ خیر و شر میں تمیز کرتا ہے اور جس کی بنیاد پر اس سے فطرت کا مطالبہ ہے کہ وہ خود اپنی ذات و کائنات میں غور کر کے اپنے وجود کے مقصد کی دریافت کرے۔ قرآن میں درجنوں مقامات پر تقلیدی روش اختیار کرنے کے بجائے انسان کو عقل کے استعمال پر ابھارا گیا ہے اور عقل و فکر کو پس پشت ڈال دینے والوں کو اس معاملے میں جانوروں بلکہ ان سے بھی بدتر قرار دیا گیا ہے:

﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ أُذُنٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ﴾¹

(اور ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے جن اور آدمی پیدا کیے ہیں، ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں، اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں، اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں، وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی گمراہی میں زیادہ ہیں، یہی لوگ غافل ہیں۔)

اس لحاظ سے دوسرے تمام قابل ذکر مذاہب کے مقابلے میں اسلام کو عقل و فکر کا مذہب قرار دیا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے قبل انسانی عقل تقلید و روایت پرستی اور اساطیر و اوبام کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی۔ تاریخ انسانی میں

یہ سہرا بلاشبہ اسلام کے سر ہی جاتا ہے کہ اس نے اس کو ان زنجیروں سے آزاد کیا۔ لفظ "آزادی" قرآن میں ایک بار آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾¹

(جب عمران کی عورت نے کہا اے میرے رب جو کچھ میرے پیٹ میں ہے سب سے آزاد کر کے میں نے تیری نذر کیا سو تو مجھ سے قبول فرما، بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔)

قرآن کے مطابق وہ شخص آزاد ہے جو تعلق اور عزم کے بندھنوں سے آزاد ہے۔ عمران کی بیوی صاحبہ کا نام حسنہ بنت فاقوذ تھا سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ تھیں محمد اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں انہیں اولاد نہیں ہوتی تھی ایک دن ایک چڑیا کو دیکھا کہ وہ اپنے بچوں کو چوغہ دے رہی ہے تو انہیں ولولہ اٹھا اور اللہ تعالیٰ سے اسی وقت دعا کی اور خلوص کے ساتھ اللہ کو پکارا، اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی دعا قبول فرمائی اور اسی رات انہیں حمل ٹھہر گیا جب حمل کا یقین ہو گیا تو نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ مجھے جو اولاد دے گا اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے اللہ کے نام پر آزاد کر دوں گی، پھر اللہ سے دعا کی کہ پروردگار تو میری اس مخلصانہ نذر کو قبول فرما تو میری دعا کو سن رہا ہے اور تو میری نیت کو بھی خوب جان رہا ہے۔²

پاکستانی سماج اس وقت ایسے گھٹن ماحول کا شکار ہے کہ جس میں آپ آزادی سے نہ بول سکتے ہیں نہ فکری اظہار کر سکتے ہیں بلکہ سماج ایک بہت بڑے بحران کا شکار ہے اس بحران کے سبب مافی الضمیر بیان کرنا، حق بات کہنا ناگزیر ہو چکا ہے اس کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں لیکن الحادی نظریات کے سبب ایمان اور عقیدہ آخرت کی کمزوری نمایاں نظر آتا ہے اس کے علاوہ خوف و لالچ اور غربت ایسے عناصر ہیں جو ضمیر کی آواز کے سامنے ایک بڑی رکاوٹ متصور ہوتی ہیں ان عناصر کی موجودگی میں حق اور سچ کی آواز ہمیشہ غیر موثر ہو جاتی ہے۔ آپ کو مختلف سماجی، سیاسی اور مذہبی روایات کا خیال کرتے ہوئے محتاط انداز اختیار کرنا پڑتا ہے اس کا اثر براہ راست ترقی و تحقیق اور اجتہاد پر پڑتا ہے۔ آج بھی معاشرے کی زوال کی وجہ یہی فکری قدغن ہے۔ حالانکہ فکری آزادی قوموں اور نسلوں کی روح ہوتی ہے اگر عقائد اور نظریات سے فکری آزادی چھین لی جائے تو سارا نظام مفلوج ہو کر رہ جائے۔

انبیائے کرام کے فرض منصبی میں تین امور زیادہ اہم ہیں ان کا منتہی بھی آزادی فکر اور اس کی تطہیر ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

¹ آل عمران: 35

² ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ص: 165

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَ إِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾¹

(وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے)

اس آیت کریمہ میں یہ تینوں عناصر بالترتیب مذکور ہیں اور وہ پہلے مرحلے میں قرآن کی صرف تلاوت، دوسرا مرحلہ تزکیہ یعنی انہیں ان چیزوں کی طرف دعوت دینا جن کے ذریعے ان کے افکار کو کفر اور گناہ کے کاموں سے پاک کیا جاسکے۔ جبکہ تیسرا مرحلہ کتاب و حکمت کی تعلیم ہے۔ علامہ طبرسی * اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"(يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ { أي يقرأ عليهم القرآن المشتمل على الحلال والحرام والحجج والأحكام } ويذكهم { أي ويطهرهم من الكفر والذنوب ويدعوهم إلى ما يصيرون به أذكىء } ويعلمهم الكتاب والحكمة { الكتاب القرآن والحكمة الشرائع. وقيل: إن الحكمة تعم الكتاب والسنة وكل ما أَرَادَهُ اللهُ تعالى فإن الحكمة هي العلم الذي يعمل عليه فيما يجتنبى أو يجتنب من أمور الدين والدنيا }"²

"آیات کی تلاوت سے مراد وہ ان پر قرآن کی ان آیات کی تلاوت کرتے ہیں جو حلال و حرام، حج اور احکام پر مشتمل ہے اور يُزَكِّيهِمْ سے مراد کفر اور گناہوں سے انہیں پاک کرنا اور ان کو ان امور کی طرف دعوت دینا جن سے ان کا تزکیہ یقینی ہے۔ اور قرآن و حکمت سب شامل ہیں بے شک حکمت وہ علم ہے جو امور دین و دنیا میں جسے اختیار یا اجتناب کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے"¹

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اعمال حضور اکرم ﷺ کی فرض منصبی سے متعلق ہیں۔ اور بظاہر ان کی بازگشت افکار کی تطہیر کی طرف ہوتی ہے کیونکہ تزکیہ نفس اور کتاب و حکمت کی تعلیم کا مقصد انسانی افکار کو مادی فرسودہ نظریات سے پاک کرتے ہوئے فطری اصولوں سے ہم آہنگ کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سینہ سپر رہنے والی قوم ہمیشہ حریت فکر سے آراستہ ہوتی ہے۔ علامہ اقبال تشکیل جدید میں حریت فکر کے بارے میں لکھتے ہیں۔

¹الجمعة: 2

²الطبرسی، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ذیل آیت الجمعة، ج 2، ص: 178

* فضل بن حسن بن فضل طبرسی (469ھ-548ھ) کی کنیت ابو علی اور لقب امین الاسلام ہے۔ آپ

معروف عالم دین، مفسر، محدث، فقیہ، متکلم، ادیب، لغت دان اور ماہر ریاضیات ہیں۔ تفسیر مجمع البیان انہی کی لکھی ہوئی تالیف ہے اور تفاسیر کے مآخذوں میں سے گنی جاتی ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔ "فضل بن حسن طبرسی"۔ www.daira tul - wikishia.net۔

"یاد رکھنا چاہیے کہ فلسفیانہ غور و فکر میں قابلیت کوئی چیز نہیں جیسے جیسے جہاں علم میں ہمارا قدم آگے بڑھتا ہے اور فکر کے لئے نئے نئے راستے کھل جاتے ہیں کتنے ہی اور شاید ان نظریوں سے جو ان خطابات میں پیش کئے گئے ہیں زیادہ بہتر نظریے پر ہمارے سامنے آتے جائیں گے۔ ہمارا فرض ہر حال یہی ہے کہ فکر انسانی کی نشو و نما پر با احتیاط نظر رکھیں اور اس باب میں آزادی کے ساتھ نقد و تنقید سے کام لیتے رہیں۔" ¹

اس میں کوئی شک نہیں کہ آزادی حریت کی روح مضحکہ ہونے کی صورت میں حق و صداقت پر باطل قوتوں کا غلبہ پانا آسان ہو جاتا ہے حق پرستی پر مفاد پرستی اور عقل پر خواہشات کا غلبہ پانا ممکن ہو جاتا ہے۔ امت مسلمہ عصر حاضر میں اس دردناک کیفیت میں مبتلا ہے جہاں حق گوئی اور صداقت کی تصویر مکمل طور پر دھندلی ہو چکی ہے۔ غیر فطری امور کی انجام دہی کا رنیر سمجھ کر انجام دیا جاتا ہے۔

اسلام انسان کی آزادی کو بہت بڑی اہمیت دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں ہر شخص اپنی انفرادی حیثیت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى﴾ ²

(کیا آدمی اس گھمنڈ میں ہے کہ اسے آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔)

یہ جواب دہی مشترک نہیں ہے، بلکہ ہر شخص فرداً فرداً ذمہ دار ہے اور اس کو فرداً فرداً اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ اس جو ابد ہی کے لیے ضروری ہے کہ انسان کو اپنی شخصیت کا ارتقاء خود اپنے میلانات کے مطابق اپنی صلاحیتوں کے مطابق اور اپنے انتخاب کے مطابق کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع دیا جائے۔ اس لیے اسلام افراد کے لیے اخلاقی اور سیاسی آزادی کے ساتھ ان کی معاشی آزادی کو بھی اہمیت دیتا ہے۔

اگر افراد کو معاشی آزادی حاصل نہ ہو تو ان کی اخلاقی اور سیاسی آزادی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ جو آدمی اپنی معاش کے معاملے میں کسی دوسرے شخص یا ادارے یا حکومت کا دستِ نگر ہو وہ اگر اپنی کوئی آزادانہ رائے رکھتا بھی ہو تو وہ اپنی اس رائے پر عمل کرنے میں آزاد نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اسلام معاشی نظام کے لیے ہم کو ایسے اصول دیتا ہے جن سے فرد کے لیے اپنی روزی کمانے کے معاملے میں زیادہ سے زیادہ آزادی موجود رہے اور اس پر صرف اتنی پابندی عائد کی جائے جتنی حقیقت میں انسانی فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے۔ اسی لیے اسلام سیاسی نظام بھی ایسا چاہتا ہے جس میں حکومت لوگوں کی آزاد مرضی سے بنے، لوگ اپنی مرضی سے اس کو بدلنے پر قادر ہوں، لوگوں کے، یا ان کے

¹ علامہ اقبال، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، ص: 99

² القیامہ: 36

معمد علیہ نمائندوں کے مشورے سے اس کا نظام چلایا جائے، لوگوں کو اس میں تنقید اور اظہار رائے کی پوری آزادی حاصل ہو، اور حکومت کو غیر محدود اختیارات حاصل نہ ہوں بلکہ وہ ان کے حدود کے اندر ہی رہ کر کام کرنے کی مجاز ہو جو قرآن اور سنت کے بالاتر قانون نے اس کے لیے مقرر کر دیے ہیں۔ اس کے علاوہ اسلام میں خدا کی طرف سے لوگوں کے بنیادی حقوق مستقل طور پر مقرر کر دیے گئے ہیں جنہیں سلب کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ افراد کی آزادی محفوظ رہے اور کوئی ایسا جابرانہ نظام مسلط نہ ہونے پائے جس میں انسانی شخصیت کا ارتقاء ٹھہر کر رہ جائے۔

آپ ﷺ سے پہلے اولو العزم رسولوں کی تعلیمات میں بھی آزادی فکر زیادہ نمایاں ہیں اس کا اندازہ قرآن میں مذکور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اس مکالمے سے بھی ہوتا ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پورے وجود سے فکری استحصال کا دفاع کیا۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿قَالَ أَلَمْ نَرْبِكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ وَفَعَلْتَ فَعَلَتِكَ آلَتِي فَعَلْتُ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ قَالَ فَعَلْتُهَا إِذَا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَىٰ أَنْ عَبَّدَتْ بَنِي إِسْرَائِيلَ¹﴾

(بولا کیا ہم نے تمہیں اپنے یہاں بچپن میں نہ پالا اور تم نے ہمارے یہاں اپنی عمر کے کئی برس نہیں گزارے اور تم نے کیا اپنا وہ کام جو تم نے کیا اور تم ناشکر تھے حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ میں نے اس کام کو اس وقت انجام دیا تھا جبکہ میں راہ بھولے ہوئے لوگوں میں سے تھا پھر تم سے خوف کھا کر میں تم میں سے بھاگ گیا پھر مجھے میرے رب نے حکم و علم عطا فرمایا اور مجھے اپنے پیغمبروں میں سے کر دیا۔ مجھ پر کیا تیرا یہی وہ احسان ہے؟ جسے تو جتاریا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنارکھا ہے؟)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے مصریوں کی فکری استحصال کے خلاف کلمہ حق ادا کیا اور انہیں اپنے ساتھ فلسطین بھیجنے کا مطالبہ کیا جس پر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کید عوت اور مطالبے پر غور کرنے کی بجائے ان کی تحقیر و تنقیص کرنی شروع کر دی مگر الہی فکر کی اتباع میں جواب دیا:

﴿وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَىٰ أَنْ عَبَّدَتْ بَنِي إِسْرَائِيلَ²﴾

(اور یہ احسان جو تو مجھ پر رکھتا ہے اسی لیے تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنارکھا ہے۔)

¹ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ذیل الشعراء: 18، ج 4، ص: 32

² الشعراء: 22

ان آیات کریمہ کے مکالماتی انداز سے واضح ہے کہ غلامی چاہے وہ ذہنی ہو یا جسمانی دونوں صورتوں میں قابل مذمت ہے حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کے غلامی کے مقابلے میں تمام تر آسائشوں کو ٹھکرا دیا اور اسے ایک بہت بڑا ظلم قرار دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی تعلیمات بھی اس بات پر شاہد ہے کہ آپ نے فکری آزادی سلب ہونے سے زیادہ جیل کی صعوبتوں کو ترجیح دی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِوَ إِلَّا تَصْرَفُ عَنكَيْذَهُنَّ أَصْنَبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُن مِّنَ الْجَاهِلِينَ﴾¹

(یوسف نے کہا اے میرے رب میرے لیے قید خانہ بہتر ہے اس کام سے کہ جس کی طرف مجھے بلارہی ہیں، اور اگر تو مجھ سے ان کا فریب دفع نہ کرے گا تو ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔)

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس دعا کے ذریعے خواہشات کے غلبے سے بچنے کے لئے مدد مانگی تاکہ فکر شیطانی خیالات سے آزاد ہو۔ حدیث میں وارد ہوتا ہے کہ قیامت والے دن عرش کا سایہ عطا فرمائے گا سات آدمیوں کو اللہ، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جسے ایک ایسی عورت گناہ کی دعوت دے جو حسن و جمال سے بھی آراستہ ہو اور جاہ منصب کی بھی حامل ہو لیکن وہ اس کے جواب میں یہ کہہ دے کی میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔²

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات عالیہ میں بھی آزادی فکر کا عنصر نمایاں ہے۔ آپ نے اپنی قوم کو بتوں کے سامنے جھکنے کی ہر گز اجازت نہیں دی بلکہ شرک جیسے مفسد سے امت کو دور رکھتے بہت بڑی قیمت چکائی۔ قرآن آپ ﷺ کی کاوشوں کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحْجُونَنِي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ﴾³

(اور ان سے ان کی قوم نے حجت کرنا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم اللہ کے معاملے میں مجھ سے حجت کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھے طریقہ بتلادیا ہے اور میں ان چیزوں سے کن کو تم اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو نہیں ڈرتا ہاں اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے میرا پروردگار ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہیں کیا تم پھر بھی خیال نہیں کرتے۔)

¹ یوسف: 32

² بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاذان، باب: جلس المسجد ينتظر الصلوة وفضل المساجد، حدیث رقم: 789

– مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب: فضل اخفاء الصدقة، حدیث رقم: 1234

³ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ذیل آیت الانعام: 80، ج 2، ص: 253

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو سمجھاتے رہے لیکن ان لوگوں کے اذہان سے دیوتاؤں کا ڈر نہ نکل سکا اور اس خیال میں رہے کہ ان کی بے ادبی اپنے آپ کو تباہ کرنے کے مترادف ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واضح طور پر بتا دیا تم ان کے محتاج نہیں بلکہ یہ تمہارے محتاج ہیں کیونکہ انہیں تم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ ان میں اپنی حفاظت کی سکت نہیں تو یہ خاک تمہیں بچائیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی فکر و نظر کی آزادی پر کوئی آنچ آنے نہیں دی۔ کیونکہ اسلام کی مصفاء اور مطہرہ تعلیم نے ان کی فکری صلاحیتوں کو اس قدر منزہ کیا تھا فطری امور سے انحراف کسی صورت ممکن نہ تھا۔ خلفائے راشدین کے دور حکومت میں فکری آزادی کی بے شمار نمونے تاریخ کے ابواب میں بکھرے پڑے ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ راشد مقرر ہوئے تو آپ نے اپنی پہلی تقریر میں فرمایا:

"الضعیف فيكم قوى عندى حتى اريح عليه حقه منه ان شاء الله و القوى فيكم ضعيف عندى حتى اخذ الحق منه ان شاء الله" ¹

"تم نے مجھے خلیفہ بنایا ہے اگرچہ میں تم میں سے زیادہ اہل نہیں ہوں اگر میں صحیح کام کروں تو میرے ساتھ تعاون کرنا جب میں غلطی کر جاؤں تو میری اصلاح کرنا۔ تمہارے کمزور میرے نزدیک مضبوط و طاقتور ہیں یہاں تک کہ انہیں ان کا حق دلوادوں اور تمہارے طاقتور میرے نزدیک کمزور ہیں یہاں تک کہ میں انہیں دوسروں پر ظلم کرنے سے روک دوں۔"

یہ تقریر اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے لوگوں کو فکری آزادی کے ضمن میں مکمل اختیار دیا تھا کہ وہ کھل کر تنقید کرے کیونکہ تنقید برائے اصلاح کسی بھی معاشرے کی روح ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے فرامین میں آزادی فکر و بیاں کو مقدم رکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ ایک بیان میں لکھتے ہیں:

"عمر جو اللہ کا بندہ اور امیر المومنین ہے ایلیاء کے لوگوں کی ضمانت دیتا ہے وہ تمام لوگوں کو چاہیے صحت مند ہو یا مریض ان کی جان و مال گر جاگروں، صلیبوں اور ان کے مذہب سے متعلق تمام چیزوں کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے ² ان کی عبادت گاہوں کو نہ تو رہائشی گاہوں میں تبدیل کیا جائے گا نہ مسمار کیا جائے گا اور نہ ان کے مذہب کے معاملے میں ان پر کوئی بندش عائد کی جائے گی نہ اہل کلیسا کے کسی فرد کو نقصان پہنچایا جائے گا۔" ³

¹ترمذی، الجامع الصحیح، حدیث رقم: 2174

²ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، حدیث رقم: 4344

³ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ذیل آیت النساء: 20، ج 1، ص: 645

³ابن جوزی، سیرت عمر ابن خطاب، (لاہور: شاکر پبلی کیشنز اردو بازار) ص: 203

اس فرمان کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ آزادی فکر کے بہت بڑے علمبردار تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ جمعہ کے خطبے میں حق مہر کی تعین کے متعلق بات کر رہے تھے کہ چار سو درہم سے زیادہ حق مہر متعین ہونا چاہیے اس پر ایک بوڑھی عورت نے اعتراض کیا کہ جب اللہ نے مہر کو مطلق چھوڑ دیا ہے تو آپ حق مہر مقرر کرنے والے کون ہوتے ہیں اس خاتون نے قرآن کی آیت سے استدلال کیا:

﴿وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْسَبِدَالَ رَوْحٍ مَّكَانَ رَوْحٍ وَءَاتَيْنَاهُمْ إِحْدَلَهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِنَّمَا مُبِينًا﴾¹

(اور اگر تم ایک عورت کو دوسری عورت سے بدلنا چاہو، اور ایک کو بہت سامال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اسے بہتان لگا کر اور صریح ظلم کر کے واپس لو گے)

حضرت عمر رضی اللہ نے مجمع عام میں اس خاتون کے استدلال کو قبول کرتے ہوئے کہا کہ یہ عورت اپنے مدعی میں حق پر ہے اور میری رائے غلط تھی پھر آپ نے شکر خداوندی ادا کی کہ امت میں ایسی خواتین بھی موجود ہے جو مجھے سیدھے راستے کی راہنمائی کر سکتے ہیں²

حضرت علی کے خطبات میں بھی آزادی فکر زیادہ نمایاں ہیں آپ نے دنیا پرستی، ذات پرستی جیسے مفسد کو کبھی قریب آنے نہیں دیا جیسا کہ آپ کے مختلف خطبات کے مفاہیم سے واضح ہے آپ دنیا سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

"يَا دُنْيَا يَا دُنْيَا إِلَيْكَ عَنِي أَبِي تَعْرُضْتِ أَمَ إِلَى تَشَوْقَتِ؟ لَا حَانَ حِينَ كُفِّهِهَا! غُرَى غَيْرِي لَا حَاجَةَ لِي فَيْكِ وَ قَدْ طَلَقْتُكَ ثَلَاثًا لَا رَجْعَتَهُ فِيهَا"³

"اے دنیا اے دنیا دور ہو جا مجھ سے میرے سامنے اپنے کو لاتی ہے؟ یا میری طرف تشویق بڑھاتی ہے تیرا وہ وقت نہ آئے، جاکسی ار کو دھوکہ دے مجھے تیری خواہش نہیں ہے میں تجھے تین بار طلاق دے چکا ہوں کہ جس کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں۔"

کلمات اختصار سے منتخب اقتباس اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ آپ کس قدر آزادی و فکر و اظہار کے علمبردار تھے۔ آپ دنیا سے مخاطب ہے کہ جا میرے غیر کو دھوکا دے میں نے تجھے تین بار طلاق دی ہوئی ہے جس کے بعد رجوع کا امکان ختم ہوتا ہے۔

¹ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ذیل آیت النساء: 20، ج 1، ص: 645

² امام ابن جوزی، سیرت عمر ابن خطاب، ص: 99

³ ابن ابی الحدید مغزلی، شریح البلاغہ، کلمات الاختصار: 7

آج مسلم دنیا خواہشات نفسانی کا شکار ہے کوئی ایسا مسلمان لیڈر نہیں دکھا سکتے جو دنیاوی حوس اور خواہشات کی تکمیل کے لئے بک نہ جاتا ہو آزادی فکر کے بدلے آزادی کفر کو ترجیح دینا مسلم دنیا کا و طیرہ بن چکا ہے اجتماعی رحم و شفقت اور ایثار و قربانی مسلم معاشرے میں بے معنی تصورات کے طور پر متعارف ہونے لگے ہیں۔ دیگر ممالک کی طرح پاکستانی مسلم معاشرہ بھی آزادی فکر جیسی عظیم نعمت سے محروم ہے ہماری خارجہ پالیسی غلامی کی نذر ہو چکی ہے کہ ہمیشہ ہمارے فیصلے غیروں کے محتاج رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ معاشرہ روز بروز تباہی کی طرف بڑھ رہا ہے ایسے میں ہمیں ان اسلامی تعلیمات کی صحیح معنوں میں احیاء کی ضرورت ہے۔

طبقاتی تعصب و تقسیم

پاکستانی معاشرے کو درپیش سب سے بڑا فکری چیلنج قومی ولسانی اور سماجی و علاقائی تعصب کا ہے۔ عربی زبان میں "عصب" مضبوطی سے باندھنے کو کہا جاتا ہے اسی طرح عُصْبَہ اور عَصَابہ ایک مضبوط جماعت کو کہتے ہیں¹ عصبیت یہ ہے کہ ایک شخص کو اپنی قوم کی مدد کے لیے بلایا جائے تاکہ وہ ان کے ساتھ مل کر ان کے مخالف کے مقابل صف آرا ہوں اس بات سے قطع نظر کہ مخالف ظالم ہے یا مظلوم۔²

اسی طرح باپ کی طرف سے اقارب کو بھی عُصْبَہ کہتے ہیں کیونکہ وہ مشکل میں مددگار بنتے ہیں جیسا کہ برادران یوسف نے کہا تھا یوسف اور اس کے اس کے بھائی ہمارے باپ کے نزدیک ہم سے زیادہ محبوب ہے حالانکہ ہم پوری جماعت عصبہ ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿إِذْ قَالُوا لِيُؤْسَفْ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِمَّا نَحْنُ عُصْبَةٌ ۖ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾³

(جب انہوں نے کہا البتہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارا ہے حالانکہ ہم طاقتور جماعت ہیں، بے شک ہمارا باپ صریح غلطی پر ہے۔)

ان تعصبات کی وجہ سے ملکی وحدت کا وجود عدم تحفظ کا شکار ہے۔ پشتو، پنجابی، سندھی، سرائیکی، پھٹوہاری اور مہاجر جیسی بہت سے لسانی شناخت ملکی پہچان پر غالب نظر آتے ہیں بہت سے واقعات ایسے بھی ہیں جن کی بنیاد ایسی تعصبات پر مبنی ہے۔

¹ ابن منظور، محمد بن مکرم الافریق المصری، لسان العرب، ج 10، ص: 167

² ایضا

³ یوسف: 8

تعصب در حقیقت ایک فطری جذبہ اور اپنے گروہ سے وابستگی کا نام ہے خواہ یہ گروہ مذہبی قومی لسانی یا سیاسی ہو۔ اسی بنیاد پر انسان سماجی مخلوق بنتا ہے اور اسی کی وجہ سے اجتماعی زندگی میں حسن پیدا ہوتا ہے مگر جب تعصب اور وابستگی حق باطل صحیح اور غلط اور خیر شر کی تمیز سے بالاتر ہو جائیں اور اپنے گروہ اور لیڈر کی اندھی عقیدت میں بدل جائیں تو یہ دینی اعتبار سے مذموم ہے اور انسان کو بہت سے اخلاقی جرائم میں مبتلا کر دیتا ہے۔

معاشرتی اور اجتماعی زندگی کا ایک بنیادی تقاضہ ہے کہ انسانوں کے درمیان اشتراک اور تعاون ہو۔ قوم سے مراد انسانوں کا وہ گروہ ہے جس میں اجتماعی وحدت پائی جاتی ہے اور جو ساتھ رہنے کا جذبہ رکھتا ہو اشتراک و اتحاد کے اس احساس کا نام قومیت ہے۔ یہ احساس ایک عصبیت پیدا کرتا ہے جس کے نتیجے میں اپنے قوم کے افراد سے محبت اور ان افراد سے دوری پیدا ہوتی ہے جو اس دائرے سے باہر ہو۔ اس طرح قومی مفاد کا جذبہ رونما ہوتا ہے جو اگر تیز تر ہو جائے تو انسان سے کھلوادیتا ہے کہ میں اپنی قوم کی حمایت کروں گا خواہ حق پر ہو یا ناحق پر۔

پروفیسر خورشید احمد صاحب* کے نزدیک قومیت کے تصور کے لئے ہمیشہ کچھ عوامل کارفرما ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں دیکھا جائے تو ان میں استقلال نہیں پایا جاتا۔ ان میں سے چند عوامل کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہیں:

نسل: ان عوامل میں سے ایک اہم عامل نسل ہے۔ اس سے مراد ایک خاص نسل سے وابستہ ہونا ہے، یہ نسلیت کو پیدا کرتا ہے۔ ماضی قریب میں نازیزم اور دور جدید میں صہونیت اس کی واضح مثالیں ہیں۔

رنگ: یعنی ایک خاص رنگ کے لوگ اپنے کو ایک قوم سمجھیں اور دوسرے رنگ کے لوگوں کو اپنی قوم میں شامل نہ ہونے دے۔

زبان: زبان فکری وحدت پیدا کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے اور قومیت کی تشکیل میں ایک اہم قوت بن جاتی ہے عرب قومیت کی بنیاد ہی اسی زبان پر ہے۔¹

وطن: یعنی زمین کے ایک خاص حصے پر آباد ہونا یہ وطنیت ہے اور اس وقت سب سے زیادہ رواج اسی کا ہے۔

¹ خورشید احمد، اسلامی نظام حیات، (اسلام آباد: آئی پی ایس، انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، 2016)، ص: 202

* پروفیسر خورشید احمد صاحب نے اسلام، تعلیم، عالمی اقتصادیات اور اجتماعی اسلامی معاشرے کے حوالے سے بہت سا کام کیا۔ آپ نے اردو اور انگریزی میں ستر کتابیں تصنیف کی ہیں۔ کئی رسائل میں اپنی نگارشات عطا کر چکے ہیں۔ پہلی مرتبہ اسلامی معاشیات کو بطور علمی شعبہ کے ترقی دی۔ اس کارنامے کے پیش نظر 1988ء میں پہلا اسلامی ترقیاتی بینک ایوارڈ عطا کیا گیا۔ آپ کے کارناموں کے اعتراف میں 1990ء میں شاہ فیصل بین الاقوامی ایوارڈ عطا کیا گیا۔ ملاحظہ کیجیے۔ آزاد دائرہ معارف ویکپیڈیا / خورشید احمد، سوشلزم یا

اسلام، (کویت: انٹرنیشنل اسلامک فیڈریشن آف اسٹوڈینٹس آرگنائزیشن)

معاشی مقاصد اور نظام حکومت: یعنی ایک معاشی نظام یا ایک ہی سلطنت سے تعلق بھی قومیت کا جذبہ پیدا کرنے والے عوامل سے ہیں۔

یہ وہ بنیادی عوامل ہیں جو وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ قومیت تشکیل دیتی رہی ہیں۔ اسلام کا نقطہ نظر اس سلسلے میں یہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی مکمل طور پر قومیت کی بنیاد قرار نہیں دیا جاسکتا اور یہ سب مل کر بھی انسان کی حقیقی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتے۔ پروفیسر خورشید احمد* اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"نسل رنگ زبان یا وطن کو قومیت کی بنیاد بنانا غیر عقلی اور غیر فطری ہے صرف کسی نسل سے وابستہ ہونا انسانی اتحاد کے لیے کافی نہیں خون کے رشتے کی ایک اہمیت ہے لیکن چند نسلوں کے بعد یہ رشتہ کمزور اور غیر موثر ہو جاتا ہے پھر کون اس بات کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ کسی خاص گروہ کی رگوں میں خاص کسی نسل کا خون دوڑ رہا ہے اور کوئی دوسرا خون اس میں شامل نہیں ہے پھر اگر نسل ہی کو لینا ہے تو اس حقیقت کو کیوں سامنے رکھا جائے کہ تمام نسل انسانی ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہے اسلام خونی رشتے کی اہمیت سے انکار نہیں کرتا رشتہ داروں سے تعلقات توڑنے کو منع کرتا ہے اور خاندان و کنبہ کے حقوق طے کرتا ہے لیکن قومیت اور سیاسی مرکزیت کے لیے اسے ایک بنیادی عامل تسلیم نہیں کیا جاسکتا حضرت ابراہیم کے والد اور حضرت نوح کا بیٹا دین اور عقیدہ کے اختلاف کی وجہ سے اس قومیت کا حصہ نہ بن سکے جس کی دعوت یہ دونوں انبیاء دیتے رہے ہیں۔"¹

رنگ کی بنیاد پر تفریق ایک سراسر غیر عقلی فعل ہے اس لیے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا عَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالْقَوَى (إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُمْ) ، إِلَّا هَلْ بَلَغْتَ؟ قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: فَيُبْلَغُ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ.))²

اسی طرح زبان و ادب قومی یکجہتی کو مضبوط کرنے میں ایک بہت بڑا حصہ ادا کرتے ہیں لیکن یہ بھی قومیت کی بنیاد نہیں بن سکتے زبان کے ایک ہونے سے زیادہ ضروری چیز افکار و نظریات عقائد اور جذبات کا ایک ہونا ہے جن کے اظہار کا ایک ذریعہ زبان ہے۔

یہ تمام عوامل قومیت کے لیے کوئی عقلی اور اصولی بنیاد فراہم نہیں کر سکتے یہی وجہ ہے کہ یہ جس قسم کی قومیت کی تشکیل کرتے ہیں وہ غیر فطری ہے اس میں تنگ نظری اور تعصب پایا جاتا ہے اور انسانوں کے معاملات پر خاص انسانی اور اصولی نقطہ نظر سے حق و باطل کے اصولوں کی روشنی میں غور ہی نہیں سکتا یہ عوامل دراصل انسانوں کو جوڑنے کے بجائے تقسیم

¹ خورشید احمد، اسلامی نظام حیات، (اسلام آباد: آئی پی ایس، انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، 2016)، ص: 202

² البیہقی، شعب الایمان، کتاب التوحید والحدید والحدید والحدید، (بیروت: مکتبۃ الرشد للنشر والتوازیج لبنان، 1423ھ)، حدیث رقم: 5137

کرتے اور ان کی وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں غلط عصبیتوں کو جنم دیتے ہیں اور انسانیت کو تباہی کی طرف دھکیلتے ہیں احادیث مبارکہ میں عصبیت کی حقیقت کو بالکل واضح کر دیا گیا ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصَبِيَّةٍ، وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ، وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ))¹

(وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی عصبیت کی طرف بلائے، وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی بنیاد پر لڑائی لڑے، اور وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں جو تعصب کا تصور لیے ہوئے مرے)

اسلام ان کے مقابلے میں ایک انقلابی پیغام دیتا ہے وہ تمام انسانوں کو برابر سمجھتا ہے اور اپنی قومیت کی بنیاد خود اسلام پر رکھتا ہے جو ایک عالمگیر نظریہ ہے ہر وہ شخص جو اس دین کو قبول کرے ملت اسلامی کا حصہ بن جاتا ہے اور جو اس کا باغی ہو وہ ملت کفر میں چلا جاتا ہے۔ اس نے قومیت کی بنیاد روحانی اور جوہری امتیاز پر رکھی، اس نے انسان کے سامنے ایک فطری سچائی پیش کی جس کا نام اسلام ہے۔ اس نے خدا کی بندگی و اطاعت نفس کی پاکیزگی و طہارت عمل کی نیکی اور پرہیزگاری کی طرف سارے انسانوں کو دعوت دی پھر کہہ دیا جو اس دعوت کو قبول کرے وہ ایک قوم سے ہے اور جو اس کو نہ مانے وہ دوسری قوم سے ہے۔

ان دونوں قوموں کے درمیان فرق کی بنیاد نسل اور نسب نہیں عقیدہ اور عمل ہے ہو سکتا ہے کہ ایک باپ کے دو بیٹے اسلام اور کفر کی تفریق میں جدا جدا ہو جائیں اور دو بالکل اجنبی آدمی اسلام میں متحد ہونے کی وجہ سے ایک قومیت میں مشترک ہو جائے وطن کا اختلاف بھی ان دونوں قوموں کے درمیان فرق کی وجہ نہیں یہاں فرق حق اور باطل کی بنیاد پر ہے جس کا کوئی وطن نہیں ممکن ہے کہ ایک شہر ایک محلہ ایک گھر کے دو آدمیوں کی قومیت اسلام اور کفر کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہو جائے اور ایک حبشی رشتہ اسلام میں مشترک ہونے کی وجہ سے ایک مراکشی کا قومی بھائی بن جائے رنگ کا اختلاف بھی یہی قومی تفریق کا سبب نہیں یہاں اعتبار چہرے کے رنگ کا نہیں اللہ کے رنگ کا ہے:

﴿صِبْغَةَ اللَّهِ مَن أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً ۚ وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ﴾²

(ہم نے اللہ کا رنگ اپنے اوپر چڑھا لیا اور اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہے؟ اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔)

ہو سکتا ہے کہ اسلام کے اعتبار سے ایک گورے اور ایک کالے کی ایک قوم ہو اور کفر کے اعتبار سے دو گوروں کی دو الگ قومیں ہوں زبان کا فرق بھی اسلام اور کفر میں وجہ اختلاف نہیں ہے یہاں منہ کی زبان نہیں محض دل کی زبان کا اعتبار ہے

¹ ابوداؤد، السنن، کتاب البواب النوم، باب: فی العصبیۃ، حدیث رقم: 5121

² البقرۃ: 138

جوساری دنیا میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور اس کے اعتبار سے عربی اور افریقہ کی ایک زبان ہو سکتی ہے اور دوا ربوں کی زبانیں مختلف ہو سکتی ہیں

معاشی اور سیاسی نظاموں کا اختلاف بھی اسلام اور کفر کے اختلاف میں سے نہیں ہے یہاں جھگڑا روپے پیسے کا نہیں ایمان کی دولت کا ہے انسانی سلطنت کا نہیں خدا کی بادشاہت کا ہے جو لوگ حکومت الہی کے وفادار ہیں اور جو خدا کے ہاتھ پر اپنی جانیں فروخت کر چکے ہیں وہ سب ایک قوم ہے خواہ کہیں رہتے ہو اور جو خدا کی حکومت کے باغی ہوں وہ ایک دوسری قوم ہے خواہ کسی سلطنت کی رعایا ہو اسلام اسی طرح قومیت کا جو دائرہ کھینچا ہے وہ کوئی حسی اور مادی دائرہ نہیں بلکہ ایک خالص عقلی دائرہ ہے اسی دائرے کا محیط ایک کلمہ ہے۔

ان مذکورہ حقائق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کے سیاسی نظام میں ملت اسلامیہ کی وحدت ایک بنیادی اصول ہے اور اگر حالات کی مجبوری کی وجہ سے ملت بہت سے ممالک میں بٹی ہوئی ہو تب بھی ہر ملک کو خالص وطنی قومیت کے مقابلے میں اسلام کی نظریاتی قومیت کو بنیاد بنانا چاہیے اور اہستہ اہستہ اتحاد اسلامی یا مسلمانوں کی دولت مشترکہ قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اس طرح یہ ممکن ہے کہ بہت سی ریاستیں اسلام کی بنیاد پر قائم ہو اور اپنے اپنے دائرے میں اس انقلابی دین کو قائم کرنے کی کوشش کرے

دور حاضر میں پاکستان کا وجود اسلامی قومیت کو ظاہر کرتا ہے یہ ملک خالص نظریاتی بنیادوں پر قائم ہوا اور پورے ہندوستان کے مسلمانوں نے اس کے قیام کے لیے جدوجہد کی نہ اس میں ایک زبان ہے نہ اس کے رہنے والوں کی نسل ایک ہے اور نہ ان کا رنگ ایک جیسا ہے جس چیز نے ان کو جوڑ کر ایک وحدت بنا دیا ہے وہ ان کا دین و ایمان اور ان کا نظریہ حیات ہے لیکن موجودہ دور میں پاکستانی معاشرے میں اس وحدت کو شدید خطرات لاحق ہیں وہی قبائلی خیالات و نظریات دوبارہ غلبہ پا چکے ہیں ملت اور اسلامی قومیت کا تصور بہت پیچھے رہ گیا ہیں ایسے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی تعلیمات کو اجاگر کیا جائے اور اسوہ حسنہ کو زندگی کا محور قرار دیا جائے جیسا کہ احادیث مبارکہ میں عصیت کی حقیقت کو بالکل واضح کر دیا گیا ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((أَلَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصِيَّةٍ، وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلَى عَصِيَّةٍ، وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلَى عَصِيَّةٍ))¹

(وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی عصیت کی طرف بلائے، وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں جو عصیت کی بنیاد پر لڑائی لڑے، اور وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں جو تعصب کا تصور لیے ہوئے مرے)

¹ ابوداؤد، السنن، کتاب البواب النوم، باب: فی العصبیۃ، حدیث رقم: 5121

آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مختلف مقامات پر تعصب سے باز رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔

فَكَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: يَا لَلْأَنْصَارِ، وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ: يَا لَلْمُهَاجِرِينَ، فَسَمِعَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: مَا بَالُ دَعَاؤِ الْجَاهِلِيَّةِ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ: دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتَنَةٌ،¹

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مہاجرین اور انصار کے دو غلام آپس میں لڑ پڑے مہاجر غلام نے مہاجرین کو مدد کے لیے پکارا اور انصاری غلام نے انصار کو مدد کے لیے بلایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی یہ پکار سن کر اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے اور ناراض ہو کر فرمایا تم یہ کیا جاہلیت کی طرف بلا رہے ہو۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا یا رسول اللہ ایک شخص اپنی قوم سے محبت کرتا ہے کیا یہ عصبیت ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ عصبیت یہ ہے کہ ایک شخص ظلم میں اپنی قوم کا مدد گار بنے۔²

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی قوم اور برادری سے محبت کرنا اور ان سے ظلم کی مدافعت کرنا مذموم نہیں بلکہ تعصب وہی مذموم ہے جس میں انسان ظلم میں اپنی قوم کا مدد گار بن جائیں اور حق کی مخالفت کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خطبے میں فرمایا تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے قبیلے کا دفاع کرے بشرطیکہ یہ حمایت گناہ کا سبب نہ ہو۔³ ان احادیث مبارکہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ناحق اور ظلم پر اپنی قوم و قبیلے یا گروہ کی حمایت عصبیت جاہلیہ ہے اور یہی وہ خصلت ہے جو انسان کو ظلم پر آمادہ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قوم یا گروہ کی اس حد تک بیجا حمایت سے منع فرمایا کہ جس کے نتیجے میں ظلم کو روا سمجھا جائے قرآن مجید میں فرمایا اور کسی قوم کی عداوت تمہیں نا انصافی پر نہ ابھارے عدل کرو یہی تقویٰ کے قریب ترین ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَنَّا وَلَا تَعْدِلُوا الْعَدْلُ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾⁴

(اے ایمان والو! اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دیتے رہو اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو، وہ پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔)

¹ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب فی عصبیہ، حدیث رقم: 4905

² ابن ماجہ، السنن، باب: فی العصبیہ، حدیث رقم: 3949

³ ابوداؤد، السنن، باب: فی العصبیہ، حدیث رقم: 5970

⁴ المائدہ: 8

جہاں ظلم پر اپنی قوم قبیلے یا گروہ کی حمایت کو عصبیت جاہلیت سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی مذمت فرمائی گئی ہے وہی خیر اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد اور ظلم وعدوان کے خلاف صف اراہونے کی ترغیب بھی دی گئی ہے اور اس کی تحسین بھی فرمائی گئی ہے اسی طرح تعصب بلاشبہ قابل مذمت ہے لیکن دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا ایک قابل تحسین وصف ہے اور دونوں میں فرق کو ہر صورت ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ہمارے ملک میں جب بھی دہشت گردی کا کوئی واقعہ ہوتا ہے تو اس کا رخ اس تعصب بھی متعصبانہ رویے کی وجہ سے فرقہ واریت کی طرف موڑا جاتا ہے۔

پاکستان میں عصبیت کی مذمت کا دائرہ مذہب تک محدود نہیں ہوتا لیکن یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ پاکستان میں سیاسی عصبیت کے سبب نفرت انتہا پر ہے ہر جماعت کے منتخب ممبران و اراکین اور ارکان کی حیثیت سیاسی مزارین کی سی ہے وہ انکھیں بند کر کے حق اور ناحق سے بے نیاز ہو کر اپنی قیادت کی حمایت پر کمر بست ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں حق اور ناحق عدل و ظلم کے معیارات اور پیمانے جدا جدا ہیں ایسے میں حق اور عدل کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے سب اپنا اپنے شعبوں میں اپنی اپنی عصبیتوں پسندوں ناپسندوں اور ترجیحات کا شکار ہے۔

طبقاتی نظام

پاکستانی مسلم معاشرے کو درپیش ایک اور فکری چیلنج طبقاتی تقسیم کا ہے۔ امیروں کی دنیا غریبوں سے قدریں مختلف ہے امیر غریبوں کو سہارا دینے سے کتراتے نظر آتے ہیں غریبوں کے لئے امیروں کی دنیا شجرہ ممنوعہ متصور ہوتا ہے۔ تمام لوازمات زندگی میں حد فاصل موجود ہے نظام تعلیم، صحت کے ذرائع، سیر و تفریح کے مقامات یکسر مختلف ہیں غریبوں کے بچے امیروں کے سکولوں میں، علاج و معالج کے لئے بڑے ہاسپٹل غریبوں کے دسترس سے دور ہیں، صاف پانی کا حصول ایک خواب بن چکا ہے ایک ہی گھاٹ سے جانور اور غریب کے بچے اپنی پیاس بجھاتے نظر آتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات اس طرز زندگی کو یکسر مسترد کرتی ہیں جہاں امیروں و طاقتوروں کے لئے ایک قانون اور غریبوں کے لئے ایک الگ قانون رکھتا ہو، ایک آزاد اور دوسرا غلام متصور ہو، تمام آسائشیں امیروں کے گرد طواف کرے جہاں غریبوں کے ساتھ نا انصافی معمول بن جائے۔ آنحضرت ﷺ نے ان جاہلانہ رویوں کے بھر خلاف انسانیت کا پرچار کرتے ہوئے اعلان فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا عَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدٍ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى (إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ) ، إِلَّا هَلْ بَلَغْتَ؟ قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: فَيُبْلَغُ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ))¹

¹ البیہقی، شعب الایمان، کتاب التوحید والحدیث والقدیر، (بیروت: مکتبۃ الرشد للنشر والتوازیج لبنان، 1423ھ)، حدیث رقم: 5137

(لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، آگاہ ہو جاؤ! کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سرخ رنگ والے کو کالے رنگ والے پر اور کسی سیاہ رنگ والے کو سرخ رنگ والے پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں، مگر تقویٰ کے ساتھ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے وہ شخص سب سے زیادہ معزز ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے“، خبردار! کیا میں نے) اللہ کا پیغام (پہنچا دیا ہے؟ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں۔ پھر فرمایا: ”حاضر لوگ یہ باتیں غائب لوگوں تک پہنچا دیں۔)

یہ تفاوت اور تفریق کہ جو انسانی تقاضوں کے خلاف ہے اور تمام انسانی قوانین کی روح کے خلاف ہے کسی مردِ خدا کے لیے قابلِ برداشت نہ تھی اور نہ ہے۔ زمانہ جاہلیت میں شدت سے یہ تفریق موجود تھی۔ یہاں تک کہ وہ لوگ رسولِ اسلام کا سب سے بڑا عیب یہی سمجھتے تھے کہ سلمان و بوذر رضی اللہ عنہم جیسے پابروں اور تہی دست لوگوں نے آپ کو گھیر رکھا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں بھی بت پرست اشراف اور بڑے لوگ آپ علیہم السلام پر یہی اعتراض کرتے تھے کہ پست لوگوں (اراذل) نے کیوں تیری پیروی کی ہے؟ کیونکہ دل کے یہ اندھے بڑائی اور پستی کا معیار درہم و دینار کو سمجھتے تھے۔ قرآن میں ارشادِ باری ہوتا ہے:

﴿فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا تَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا وَمَا تَرَاكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا أَنْ يَنْتَحُوا بِمَا تَرَاكَ﴾¹

(ہم نے دیکھا ہے کہ ان خود پرست بے ایمان لوگوں کو با ایمان غریبوں کے ساتھ چند لمحے بھی بیٹھنا گوارا نہیں۔)

اور تاریخِ اسلام شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسے ان خود پرستوں کو ایک طرف کر کے محروم لوگوں کو مواقع فراہم کیے اور ان کے ذریعے ایک حقیقی توحیدی معاشرہ تشکیل دیا۔ وہ معاشرہ کہ جس میں صلاحیتیں بیدار ہوئیں اور معاشرے میں انسانی وقار کا معیار، انسانی کمالات، انسانی قدریں۔ تقویٰ، علم، ایمان، جہاد اور عمل صالح قرار دیا۔

آج بھی ایسے معاشروں کی تشکیل کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ پیغمبر اسلام کے طرزِ عمل کو نمونہ عمل بنایا جائے۔ تعلیم و تربیت اور صحیح قوانین کی بنیاد پر طبقاتی فکر و نظر کا خاتمہ کر دیا جائے اور ان صحیح قوانین کو پوری طرح سے رائج کیا جائے چاہے عالمی استکبار کو یہ بات پسند آئے یا نہ آئے اور وہ اس کی مخالفت کے لیے ہی کیوں نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ ہمیں جدوجہد کرنا چاہئے کیونکہ اس کے بغیر ایک صحیح و سالم حقیقی انسانی معاشرہ ہرگز تشکیل نہیں پاسکتا۔

اسلام کا نقطہ نظر طبقاتی نہیں ہے، وہ طبقات کی بنیاد پر انسانوں کی تقسیم کو تسلیم نہیں کرتا۔ موجودہ طبقات اسلامی اصولوں سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ ان کی پیدائش کے اسباب دوسرے ہیں۔ اسلامی نظام کے قیام کے لیے ہمیں ان طبقات کی حقیقت کو بھی دیکھنا چاہیے اور ان کے بارے میں ایک واضح رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ جاگیر دار طبقہ بہ حیثیت طبقے کے بادشاہت کی ضرورت سے وجود میں آیا۔ پھر صورت حال کے بدلنے کے بعد انگریزوں نے اسے ایک دوسری صورت دے دی۔ پہلے بادشاہوں کو فوجوں کی ضرورت ہوتی تھی اور وہ اپنے سرداروں کو فوجیں رکھنے کے لیے جاگیریں دیتے تھے۔ انگریزوں کے زمانے میں جاگیر داروں کے ذریعے فوجیں حاصل کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی لیکن انگریزوں نے اپنے وفاداروں کا ایک مطلوبہ طبقہ پیدا کرنے کے لیے جاگیر داری کو تقویت دی۔ اب جاگیریں فوجیں رکھنے کے بجائے صرف ”کھانوپو اور عیش کرو“ کے کام آنے لگیں۔ جاگیر داری کی طرح سرمایہ داری کے محرکات بھی اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ موجودہ سرمایہ دار حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ کا جانشین نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ میں اہل ثروت افراد موجود تھے، لیکن ان کی زندگی کا مقصد اولین اسلام تھا۔ ان کی ثروت اور دولت بھی اسلام ہی کو تقویت پہنچانے کا ایک ذریعہ تھی۔ جب کہ موجودہ سرمایہ دار کا دین ایمان اس کا سرمایہ ہے۔ موجودہ سرمایہ دار کے پیش نظر اسلام ہوتا تو وہ سودی معیشت کا حصہ بن ہی نہیں سکتا تھا۔ صرف یہ بات کہ موجودہ سرمایہ داری کی بنیاد سودی کاروبار ہے، یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ اسلام کے صریحاً منافی ہے۔ ہمارے اس استدلال کا مقصد صرف اتنا ہے کہ ہرچند اسلام میں طبقات نہیں ہیں، لیکن ہمیں موجودہ طبقات کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر سے کوئی نہ کوئی فیصلہ ضرور کرنا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ موجودہ دنیا کا شعور انسانوں کے مسائل کو جس طرح محسوس کر رہا ہے ہمارے مذہبی طبقات اس کا ایسا شعور اور احساس نہیں رکھتے جیسا کہ ہونا چاہیے۔ عقائد، عبادات اور نظام تعزیرات انھی نقطہ نظر سے بہت اہمیت رکھتے ہیں، لیکن معاشرتی اور معاشی تبدیلیاں بھی کچھ کم اہم نہیں ہیں، اور عہد جدید کا شعور ان مسائل کو جتنی اہمیت دیتا ہے وہ دوسرے مسائل کو حاصل نہیں ہے۔ پر اکتفاء کیا جاتا ہے جبکہ لبرلیزم میں عقلیات دم توڑتی ہے اور انسان اپنے نفس اور انار پر اکتفاء کرتا ہے۔

فصل دوم: پاکستان میں اخلاقی تحدیات کی متفرق جہات

پاکستان میں مسلم معاشرہ ابتداء سے ہی اخلاقی تحدیات کی بدولت مختلف جہات اور شعبہائے زندگی میں دشواریوں کا شکار رہا ہے۔ اہل علم نے مغربی تہذیب کی دلدل سے پاکستانی سماج کو نکالنے کے لئے قرآنی تعلیمات اور سنت نبوی کے ضمن میں اخلاقی تصورات اور معیارات کو عملی شکل دینے میں کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ اہل مغرب ان تحدیات کی بدولت اسلام کو مورد الزام ٹھہراتے ہوئے قدامت و روایت پسندی کی تقسیم کے ذریعے لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف عمل رہیں اس سلسلے میں ان تحدیات کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے تاکہ پاکستانی سماج کے تناظر میں قاری کے لئے اخلاقی تحدیات سمجھنے میں آسانی ہو۔

بد عنوانی (corruption)

پاکستانی معاشرے کو درپیش سب سے بڑا فکری و اخلاقی چیلنج بد عنوانی یعنی کرپشن کا ہے۔ ہمارے سماج میں بد عنوانی دو طرح سے اخلاقیات پر حاوی نظر آتی ہے۔ فکری بد عنوانی اور مالی بد عنوانی، یہ دونوں پہلو اس سماج کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ فکری بد عنوانی، مالی بد عنوانی کے لئے زینہ فراہم کرتی ہے یعنی مالی بد عنوانی دراصل فکری بد عنوانی کا ہی شاخسانہ ہوتا ہے کیونکہ فکر وہ محرک ہے جس سے افعال جنم لیتے ہیں۔ اگر فکر پاکیزہ ہو تو اقوال اور اعمال صالحہ کا مترشح ہونا یقینی ہو جاتا ہے جس سے سماج میں اخلاق حسنہ اور اسلامی اقدار کا احیاء ممکن ہوتا ہے۔ جب دماغ برائی کی طرف چل پڑے تو ہر شے کرپٹ ہو جاتی ہے اس لیے قرآن کریم نے تزکیہ اور طہارت پر بہت زور دیا ہے تاکہ فکر کی تطہیر ہو سکے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾¹

(وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے) ہمیشہ فکر غذا کا محتاج ہوتی ہے لہذا غذا کی حلیت و حرمت اور اس کے اثر و وضعی کے طور پر فکر اپنا روپ دار لیتی ہے۔

حق گوئی سے احتراز

حق گوئی سے احتراز کرنا فکری بد عنوانی کا ایک واضح مصداق ہے۔ موجودہ حالات میں اسلامی تعلیمات سے دوری اور حلال و حرام سے عدم اعتنائی وجہ سے فکری بد عنوانی سماج میں رچ بس چکی ہے۔ سماج خوف اور لالچ نیز دنیاوی مفادات کے خاطر ضمیر کا سودا کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ ہمیں عدالتوں کے باہر جھوٹی گواہی دینے لوگوں کی معتد بہ مقدار آسانی سے میسر نظر آتی ہے اور لوگ اسے کاروبار سمجھ کر انجام دینے میں تقاضا محسوس کرتے ہیں۔ جس کی بدولت انتشار اور تنزلی سماج کا مقدر بنتی جا رہی ہے۔ حق گوئی سے احتراض حق بات کہنا، حق کی طرف فدا کرنا اور حق سچ کا ساتھ دینا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔

حق کا معنی اصل میں مطابقت اور ہم آہنگی ہے اسی لئے جو چیز واقعیت سے مطابقت رکھتی ہے اسے حق کہتے ہیں۔ یہ جو خدا تعالیٰ کو حق کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ذات مقدس عظیم ترین واقعیت ہے کہ جو قابل انکار نہیں، واضح تر الفاظ میں حق یعنی وہ ثابت اور مضبوط امر جس میں باطل کے لئے کوئی راستہ نہ ہو۔ ابن منظور نے "سچائی" کی تعریف جھوٹ کے متضاد کے طور پر کی ہے¹، خلیل ابن احمد بھی کہتے ہیں سچائی کو ہر چیز میں کامل کہا جاتا ہے۔² قرآن حق گو لوگوں کے ساتھ دینے کی تلقین کرتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾³

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ رہو۔)

یہ انسانی اخلاقی خوبی لوگوں کو خدا کی طرف بلانے میں مانیائے کرام علیہم السلام کی سب سے واضح خصوصیت ہے۔ لہذا سچ بولنا نیک اور پسندیدہ انسانی اعمال میں سے ہے اور دین و حکمت کی نظر میں اس کا ایک خاص مقام ہے۔ انسان کی پاکیزہ فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ تندرست اور متوازن ہو، اس کا دل اور زبان ایک ہو، اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو اور وہ اپنی زبان پر جو یقین رکھتا ہے اس کا اظہار کرے۔ اسلام دین فطرت ہے اور سچائی فطرت کی خواہش ہے اس لیے ان دونوں میں گہرا تعلق پایا جاتا ہے اور اسلام کے مختلف تعبیرات نے اسے ایمان اور دین کے اصولوں میں سے ایک قرار دیا ہے:

الْصِّدْقُ رَأْسُ الدِّينِ⁴

¹ ابن منظور، لسان العرب، (بیروت: دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع، 1414ھ) چاپ: سوم، ج 10 ص 193

² فراہیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین، (قم: نشر ہجرت - ایران، 1410ھ) چاپ: دوم، ج 5، ص 56

³ توبہ: 119

⁴ تمیمی آمدی، عبد الواحد بن محمد، تصنیف غرر الحکم ودرر الکلم، (قم: دفتر تبلیغات ایران، چاپ اول، 1366 ش) ص 218

"سچائی دین کا سربراہ ہے"

سچ کا تعلق اور رشتہ دین سے ایسا ہی ہے جیسے جسم کا تعلق سر سے ہوتا ہے سر نہ ہونے کی صورت میں پوار جسم مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ لیکن ان تعلیمات کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ پاکستانی سماج اس بنیادی مسئلے سے دوچار ہیں تاریخی نظر سے اگر اسے دیکھا جائے تو حق پرستی کی جگہ شخصیت پرستی نے لے لی ہے یہی وجہ ہے کہ ایک ہی مسلک کے پیروکار مختلف ناموں سے پہچانے جاتے ہیں۔ شخصیت پرستی کی وجہ سے مذہبی جذبات و احساسات کا ہر دور میں استحصال ہوا ہے جس کی وجہ سے مذہبی، سماجی اور علاقائی تعصبات کو فروغ ملا ایسے میں ایک ہی فعل انجام دینے والے دو مختلف افراد کے سزاؤں میں اختلاف کئے جانے لگا۔ ہر مسلک والے دوسرے مسلک کے پیروکاروں کو غیر مذہب قرار دے کر واجب الاقتل قرار دینے لگے حالانکہ اسلامی اصول ان مسلکی تعصبات سے پاک و منزہ ہیں اسلام انسانیت کے قاتل کو قاتل ہی سمجھتا ہے چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، زانی مسلم ہو یا غیر مسلم مساوی حکم صادر کرتا ہے لیکن حق پرستی سے اجتناب اور شخصیت پرستی سے لگاؤ نے حق کے معیارات ہی تبدیل کر کے رکھ دیئے ہیں۔ قرآن کریم میں حق کے مقابلے میں لفظ ظن استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَمَا يَتَّبِعْ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ﴾¹

(ان کی اکثریت ظن کی اتباع کرتی ہے بے شک ظن حق سے مستغنی نہیں کرتا تحقیق خدا اس کو خوب جاننے والا ہے جس کو وہ انجام دیتے ہیں)

اس آیت سے واضح ہے کہ حق کی اتباع کرنا ضروری ہے تاکہ حقیقت تک پہنچا جاسکے ورنہ ظن سے حقیقت تو کجا دین سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ صاحب تفسیر الکشاف اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

"إِنَّ الظَّنَّ { فِي مَعْرِفَةِ اللَّهِ { لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ { وَهُوَ الْعِلْمُ { شَيْئًا { وَقِيلَ وَمَا يَتَّبِعْ أَكْثَرُهُمْ فِي قَوْلِهِمْ لِلْأَصْنَامِ أَنَّهَا آلِهَةٌ وَأَنَّهَا شَفَعَاءُ عِنْدَ اللَّهِ إِلَّا الظَّنَّ. وَالْمُرَادُ بِالْأَكْثَرِ الْجَمِيعُ"²

"اللہ کی معرفت میں ظن کبھی معلوم تک نہیں پہنچا سکتا اور بعض مفسرین کے نزدیک ان کی اکثریت کا یہ خیال ہے کہ کہ بت ان کا خدا اور اللہ کے نزدیک شافع ہے تو یہ کچھ نہیں ہے سوائے ظن کے۔"

احادیث نبویہ میں بہت سے مقامات پر قبول حق اور اس پر عمل کرنے کی تلقین کی گئی ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کی قسم! تم ضرور نیکی کی دعوت دیتے رہنا اور برائی سے منع کرتے رہنا ظالم

¹ یونس: 36

² از منشری، تفسیر الکشاف، ذیل آیت ہذا، ج 11، ص: 463

کا ہاتھ پکڑ کر اسے حق کی طرف جھکا دینا اور حق بات قبول کرنے پر اسے مجبور کر دینا۔¹ ایک اور مقام پر حضرت ابو درداء رضی اللہ سے مروی ہے:

(جب تک تم نیک لوگوں سے محبت رکھو گے بھلائی پر رہو گے اور تمہارے بارے میں جب کوئی حق بات بیان کی

جائے تو اس مان لیا کرو کہ حق کو پہچاننے والا اس پر عمل کرنے والے کی طرح ہوتا ہے)²

ان روایات کے منطوق سے واضح ہے کہ حق بات کی دعوت دینا اور اسے حق بات تسلیم کرنے پر مجبور کرنا ایک ایسی عظیم عبادت ہے جس کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے اللہ کے رسول نے ذات اقدس کی قسم سے اس مفہوم کو بیان فرمایا ہے تاکہ اس کام کی عظمت کا اندازہ عام لوگوں کو ہونا چاہیے۔ بعض روایات میں اسے افضل جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے:

((إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدَلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ أَوْ أَمِيرٍ جَائِرٍ))³

(بے شک سب سے بڑا جہاد جابر حکمران کے سامنے حق بات کہنا ہے)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ حق بات کہنا یا حق بات کا اظہار افضل ترین جہاد میں سے ہے جتنا اجر و ثواب جہاد کا ہے ان میں سے افضل ترین اجر و ثواب کا استحقاق وہ شخص رکھے گا جو سلطان جائز کے سامنے کلمہ حق ادا کرے گا۔ احادیث و روایات میں اتنی ترغیب کے باوجود مسلم معاشرہ اس فضیلت سے محروم ہے۔ دنیاوی مفاد کے خاطر حق گوئی سے احتراز اور جھوٹی گواہوں کی جرات کچھ لوگوں کا وطرہ بن چکا ہے تھانہ کچہری اور عدالتوں میں ایسے لوگوں کی بہتات پائی جاتی ہے جو مختصر رقم کے عوض جھوٹی گواہی کو ذریعہ معاش متصور کرتے ہیں یوں یہ عمل فتنہ مسلم معاشرے میں ایک معمولی عمل کی طرح راسخ ہوتا جا رہا ہے اور اس کی قباحت عام لوگوں کے نزدیک ختم ہوئی جا رہی ہے لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ صداقت اور حق گوئی کو معاشرے میں عام کیا جائے تاکہ معاشرے کو مفسد سے بچایا جائے کیونکہ دروغ گوئی سے اعتماد ختم ہونے کی بدولت تمام معاملات زندگی درہم برہم ہونے کے امکانات قوی ہوتے ہیں جو معاشرتی زوال کا سبب ہے۔

پاکستان میں بد عنوانی ایک وسیع مسئلہ ہے جو معاشرے کے تمام سطحوں کو متاثر کرتا ہے۔ اسے کمزور حکمرانی کے ڈھانچے، سیاسی سرپرستی، اور احتساب کی کمی کی وجہ سے ہوا ملی ہے۔ پاکستان کی معیشت پر بد عنوانی کے اثرات گہرے ہیں، اندازوں کے مطابق اس سے ملک کو ہر سال اربوں ڈالر کا نقصان ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں وسائل کی غلط تقسیم، غیر ملکی سرمایہ

¹ ابو داؤد، السنن، کتاب الملاحم: کتاب الامر والنہی، ج 4، ص: 162، حدیث رقم: 4336

² البیہقی، شعب الایمان، باب المقاربتہ والمودۃ، (کراچی: دار الاشاعت اردو بازار)، ج 6، ص: 503، حدیث رقم: 9063

³ ابو داؤد، السنن، کتاب الملاحم، باب: الامر والنہی، حدیث رقم: 4344

-ترمذی، السنن، کتاب الفتن، باب: ما جاء آ فضل الجہاد کلمۃ عدل عند سلطان جائز، حدیث رقم: 2174

-ابن ماجہ، السنن، کتاب الفتن، باب: الامر بالمعروف والنہی عن المنکر، حدیث رقم: 4011

کاری میں کمی اور غربت کی سطح میں اضافہ ہوا ہے۔ مزید برآں، بد عنوانی نے صحت کی دیکھ بھال، تعلیم اور انفراسٹرکچر جیسی عوامی خدمات کے بگاڑ میں بھی حصہ ڈالا ہے۔

مالی بد عنوانی

مالی بد عنوانی دراصل فکری بد عنوانی کا ہی شاخسانہ ہوتا ہے۔ جب دماغ برائی کی طرف چل پڑے تو ہر شے کرپٹ ہو جاتی ہے۔ موجودہ حالات میں اسلامی تعلیمات سے دوری اور حلال و حرام سے عدم اعتنا کی وجہ سے مالی بد عنوانی سماج میں رچ بس چکی ہے جس کی بدولت انتشار اور تنزلی سماج کا مقدر بنتی جا رہی ہے۔

رشوت خوری

رشوت جس کا ماضی "رِشَا" ہے، عربی لغت میں ڈول کی رسی کو رِشَا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مُنذری نے یہ قول نقل کیا ہے کہ رشوت کا لفظ رِشَلُ الْفَرْخُ سے ماخوذ ہے۔¹ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب چوزہ گردن بڑھا کر اپنا سراں کی طرف لے جاتا ہے تاکہ وہ اس کا چوغہ دے۔ رشوت کا ہم معنی لفظ برطیل بھی ہے اس کا مطلب ایک سخت گول لمبا پتھر ہے جو بولنے والے کے منہ میں اس لیے ڈال دیا جاتا ہے تاکہ بات کرنے اور بولنے سے اس کو روکے رکھے۔²

اصطلاحی معنی کے اعتبار سے رشوت وہ چیز ہے جو آدمی کسی حاکم یا غیر حاکم کو اس مقصد کے تحت دیتا ہے کہ فیصلہ اس کے حق میں ہو یا اس کے من پسند منصب پر اسے فائز کرے:

“مَّا يُعْطَىٰ مِنَ الْمَالِ لِإِبْطَالِ حَقٍّ أَوْ لِإِحْقَاقِ بَاطِلٍ”³

”کسی حق کو باطل کرنے یا باطل کو حق کرنے کے لیے دی گئی رقم۔“

اس تعریف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رشوت حاکم یا غیر حاکم کو کسی کی طرف سے پیش کی جاتی ہے اس لحاظ سے دیکھا جائے تو رشوت عام ہوگی، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مال ہو یا اس شخص سے حاصل ہونے والی کوئی منفعت ہو یا اس کی خاطر کسی قسم کے کام کی ادائیگی ہو حاکم سے یہاں مراد قاضی ہے۔ غیر حاکم سے مراد ہر وہ شخص ہے جس سے رشوت دینے والے کی غرض اور مفاد پورے ہونے کی توقع ہو خواہ وہ حکومت کا والی ہو یا کسی محکمے کا ملازم ہو یا کوئی مخصوص کام اس کے

¹ ابو منصور محمد بن احمد الازہری اللہروی، تہذیب اللغة، (بیروت: دارالاحیاء التراث العربیہ لبنان)، ج 11، ص: 406

² امام ابن تیمیہ، السیاسة الشرعیة فی حقوق الراعی وسعادة الرعیة، ص: 50

³ حسام الدین بن محمد صالح فرفور، حاشیہ ابن عابدین، (دمشق: دار التراث والثقافة۔ شام) ج 5، ص: 362

سپردہ ہو جیسے تاجروں یا کمپنیوں کا ایجنٹ ہو یا زمینداروں کا گماشتہ ہو اور رشوت دینے والے کے حق میں فیصلہ کرنے یا رشوت دینے والے کی مرضی کے مطابق رشوت دینے والے کو برا بیچتہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ رشوت دینے والے کی مرضی اور اس کے مقصد کو رشوت لینے والا پورا کرے اور اس سے کوئی بحث نہ کرے کہ وہ مرضی یا مقصد حق ہے یا باطل ہے۔ قرآن کریم نے رشوت کو سُحت سے تعبیر کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿سَمْعُونََ لِلْكَذِبِ أَكْلُونَ لِّلْسُخْتِ قَدْ جَاءُواكَ فَاخُكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرَضُوا عَنْهُمْ إِنْ تَعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾¹
(بڑے جھوٹ سننے والے بڑے حرام خور تو اگر تمہارے حضور حاضر ہوں تو ان میں فیصلہ فرماؤ یا ان سے منہ پھیر لو اور اگر تم ان سے منہ پھیر لو گے تو وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے اور اگر ان میں فیصلہ فرماؤ تو انصاف سے فیصلہ کرو بے شک انصاف والے اللہ کو پسند ہیں)

سابقہ آیت میں جھوٹ سننے والوں سے مراد یہودی عوام تھی جو پادریوں اور سرداروں کے جھوٹ سن کر اس پر عمل کرتے تھے اور اس آیت میں جھوٹ سننے والوں سے مراد یہودی حکمران اور پادری ہیں جو رشوتیں لے کر حرام کو حلال کرتے اور شریعت کے احکام کو بدل دیتے تھے۔

سُحت سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف لینے دینے والوں کو برباد کرتی ہے، بلکہ پورے ملک و ملت کی جڑ، بنیاد اور امن عامہ کو تباہ کرنے والی ہے۔ جس ملک یا محکمہ میں رشوت چل جائے، وہاں قانون معطل ہو کر رہ جاتا ہے اور قانون ملک ہی وہ چیز ہے، جس سے ملک و ملت کا امن برقرار رکھا جاتا ہے، وہ معطل ہو گیا، تو نہ کسی کی جان محفوظ رہتی ہے، نہ آبرو، نہ مال۔ اس لیے شریعت اسلام میں اس کو سُحت فرما کر اشد حرام قرار دیا ہے۔

فقہاء نے متفقہ طور پر اس کے حرام ہونے پر اتفاق کیا ہے اور اگر وہ اسے مباح سمجھ کر کرے تو اسے کفر کے درجے پر لے جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

﴿لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبِتَ مِنَ السُّخْتِ، وَكُلُّ لَحْمٍ نَبِتَ مِنَ السُّخْتِ؛ كَانَتْ النَّارُ أُولَىٰ بِهِ﴾²

¹ المائدہ: 42

² التبریزی، محمد الخطیب، مشکاة المصابیح، باب فی حرمت السُّحت، حدیث رقم: 2703

(کوئی گوشت جو حرام کاموں سے پروان چڑھا ہو جنت میں نہیں جائے گا، اور ہر وہ گوشت جو حرام سے پروان چڑھا ہو۔ اعمال جہنم کے زیادہ مستحق ہوں گے جو چیز کسی حاکم، قاضیا معزز شخص کو دی جائے وہ رشوت کے زمرے میں شامل ہے۔)

اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْرَاشِيَّ وَالْمُرْتَشِيَّ))¹

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشوت دینے، اور رشوت لینے والے دونوں پر لعنت کی ہے۔"

دیانتداری و امانت داری مسلمہ اخلاقی اقدار ہیں۔ معاشرتی، سیاسی اور معاشی شعبوں میں ان اقدار کو وہی حیثیت حاصل ہے جو کسی جسم میں گردش کرنے والے خون کو حاصل ہوتی ہے۔ کسی جسم میں گردش کرنے والا خون اگر تندرست اور جراثیموں سے پاک ہے تو وہ جسم بھی تندرست و توانا ہو گا لیکن اگر کسی کے خون میں کسی مرض کے جراثیم پیدا ہو جائیں تو یہ جسم بیماری کا شکار ہو جائے گا۔

رشوت خوری سے پاک سماج وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، لیکن المیہ یہ ہے کہ جدھر دیکھئے ہر طرف رشوت خوری کا بازار گرم ہے، آپ کا کوئی کام بغیر رشوت کے نہیں ہو سکتا، رشوت خوری کی وبا اس قدر عام ہے کہ اس کی وجہ سے قانون چند ٹکوں کے بدلے بکتا ہے اور اسکی سرعام بولی لگتی ہے، بے گناہ غریب مجرم اور قاتل ٹھہرتا ہے اور سرمایہ دار رشوت کے جادو سے بے گناہ اور پاکباز بن جاتا ہے، قاتل اور منشیات فروش، رشوت کے دم قدم سے سوسائٹی کا معزز ممبر شمار ہوتا ہے، اس پر کسی کو ہاتھ ڈالنے کی جرات نہیں ہوتی، "گویا رشوت دیکر آپ انسانوں کا خون ناحق بہا سکتے ہیں، انکے مستقبل سے کھیل سکتے ہیں انکی صلاحیتوں کو تباہ و برباد کر سکتے ہیں، اسکے ذریعہ آپ قانون خرید سکتے ہیں، جھوٹے گواہوں کا انتظام کر سکتے ہیں، زمینوں اور مکانوں پر ناجائز قبضہ کر سکتے ہیں، من گھڑت میڈیکل رپورٹس حاصل کر سکتے ہیں، امتحانات میں اعلیٰ نمبرات سے پاس ہو سکتے ہیں، گورنمنٹ کے عہدے حاصل کر سکتے ہیں، پانی اور بجلی کے کنکشن لے سکتے ہیں، ٹریفک قوانین کی خلاف ورزیاں کر سکتے ہیں، انتخابی نتائج تبدیل کروا سکتے ہیں۔ اسلام نے کرپشن کی سرکوبی کے لئے امانت داری و دیانت داری کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے:

((لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ))²

¹ ابو داؤد، السنن، کتاب الاقضية، باب: فی کراہیۃ الرشوة، حدیث رقم: 3580

² التبریزی، محمد الخطیب، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، حدیث رقم: 35

(اس شخص میں ایمان نہیں جس میں امانتداری نہیں، جس کو اپنے عہد کا پاس نہیں اس میں دین نہیں۔)

ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق جس میں امانت نہیں، اس میں ایمان نہیں۔ جس کو اپنے عہد کا پاس نہیں اس میں دین نہیں۔ اس ہستی کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے کسی بندہ کا اس وقت تک دین درست نہ ہو گا جب تک کہ اس کی زبان درست نہ ہو اور اس کی زبان درست نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کا دل درست نہ ہو... جو کوئی ناجائز ذرائع سے مال کمائے گا اور اس میں سے خرچ کرے گا تو اسے برکت نہیں دی جائے گی۔ اگر اس میں سے خیرات کرے گا تو وہ قبول نہیں ہوگی۔ جو اس میں سے بچ جائے گا وہ اس کے جہنم کی طرف سفر کا توشہ ہوگا" ¹

ان تعلیمات کے باوجود آج بھی پاکستانی سماج اس قدر اخلاقی اور فکری بے راہ روی کا شکار ہیں کہ لوگوں کی جائیدادیں، مکان، پلاٹس وغیرہ قبضہ مافیہ سے غیر محفوظ ہیں۔ عدالتوں سے انصاف کی توقع نہیں کی جاسکتی، سرعام انصاف بکتا ہوا نظر آتا ہے۔ رشوت ستانی کا بازار گرم ہیں چونکہ اس سے لے کر آفیسر تک اس دھندے میں مصروف عمل ہیں۔ میرٹ کی پامالی معمول بنا ہوا ہے۔ ڈاکہ زنی اور چوری نیز حرام طریقوں سے اکتساب پر تفاخر کیا جاتا ہے۔ سودی کاروبار کی ہر طرف حوصلہ افزائی کی جا رہی ہیں یہ تمام کام پاکستانی معاشرے کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج ہے ان کا مداوا صرف اس صورت میں ممکن ہیں جب تعلیمات اسلامی پر من و عن عمل کیا جائے۔

اقرباء پروری اور میرٹ کی پامالی

اقرباء پروری اور میرٹ کی پامالی پاکستانی سماج کے اہم مسائل میں سے ایک ہے، جس معاشرہ سے قانون، میرٹ اور محنت رخصت ہو جائیں وہ اک ایسے جسم کی مانند رہ جاتا ہے جس کے اہم ترین اعضاء نکال لئے گئے ہوں۔ میرٹ اور قانون کو بالادستی حاصل ہو جائے تو ہر پاکستانی کو سب کچھ حاصل ہو جائے، مگر ستم ظریفی یہ ہے کہ جسے جس کام کے لئے منتخب، بھرتی کیا جاتا ہے وہ وہی کام نہیں جانتا البتہ کام دکھانا خوب جانتا ہے۔

دنیا میں نوجوانوں کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے پالیسی بنائی جاتی ہے مگر یہاں کوشش کی جاتی ہے کہ نوجوانوں کو پہلے تو برابر مواقع ہی نہ دیے جائیں اور اگر پھر بھی کوئی قابل انسان ان سب حرام توپیوں کا مقابلہ کر کے پی ایس سی کر لے تو آگے ایسے رولز بنا دیے جاتے ہیں کہ جاہل سفارشی اور نالائق طبقہ اس پر مسلط کر دیا جاتا ہے اسی طرح یہاں تو سیاست

¹ لیبیتی، شعب الایمان، باب فی الامانات ولم یجب من ادائها الی الی، ج 4، ص: 323، حدیث رقم: 5266

میں بھی میرٹ نظر نہیں آتا، یہاں صرف ہجوم برائے جلسہ جلوس ہو کر رہ جاتے ہیں، انہیں خوشحالی ملتی تو آج حکمرانوں کی بھی وہ حالت نہ ہوتی جو انہوں نے بنائی۔

اسلام میں اقرباء پروری اور میرٹ کی پامالی کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ حق اور سچ کو معیار بنا کر حقدار کو اس کا حق دینے کا پابند بناتا ہے لہذا کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ خونی، نسلی یا علاقائی بنیادوں پر کسی کو نوازیں، قربتیں کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو یعنی حق کے راستے میں ماں باپ ہی کیوں نہ آڑے آئے صرف حق کی پیروی کی جائے گی۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ لَا يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أُولَىٰ بِهِمَّالًا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلَّوْا أَوْ تُعْرَضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾¹

(اے ایمان والو! اللہ کے لئے گواہی دیتے ہوئے انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ چاہے تمہارے اپنے یا والدین یا رشتے

داروں کے خلاف ہی (گواہی) ہو۔ جس پر گواہی دو وہ غنی ہو یا فقیر بہر حال اللہ ان کے زیادہ قریب ہے تو (نفس کی)

خواہش کے پیچھے نہ چلو کہ عدل نہ کرو۔ اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ پھیرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔)

اس کی عظیم ترین مثال اس حدیثِ مبارک سے بھی ملتی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ”قبیلہ قریش کی ایک عورت نے چوری کی تو اس کے خاندان والوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں سفارش کرنے کے لئے کہا: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفارش کی تو تاجدارِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ پھر کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا، پھر فرمایا: تم سے پہلے لوگوں کو اس بات نے ہلاک کیا کہ جب ان میں سے کوئی معزز شخص چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ اللہ عزوجل کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی چوری کر لیتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔“²

سماج کے ان برائیوں کو اس وقت ختم کیا جاسکتا ہے جب ہم یقین کامل کے ساتھ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا شروع کریں صرف تعلقہ لسانی سے یا قول و فعل کے تضاد کیساتھ ان جیسے امراض کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ آج بھی سماج پر طائرانہ نظر دوڑایا جائے تو اسلام اور مسلمانوں کے درمیان ایک بہت بڑی خلیج ہے جسے ختم کرنے کے لئے مضبوط لائحہ عمل کی ضرورت ہے۔

¹ النساء: 135

² بخاری، الجامع الصحیح، کتاب احادیث الانبیاء، باب السرقة، حدیث رقم: 3475

ٹھیکہ داری نظام

ٹھیکہ داری سسٹم بد عنوانی کا ایک بہت بڑا ذریعہ بن چکا ہے۔ حکومت پاکستان محکمہ ورکس کے ذریعے ایک خطیر رقم ڈیولپمنٹ اور عوامی مفاد کے نام پر سالانہ خرچ کرتی ہے لیکن اس کا زیادہ تر حصہ کلک بیکس اور بد عنوانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ ٹھیکہ داری نظام اس ڈیولپمنٹ فنڈ کو مگرچھ کی طرح نگل لیتا ہے اس میں سیاست دان، ٹھیکیدار اور محکمہ کا کردار کلیدی ہوتا ہے یہ تینوں مل کر تیکون بنتا ہے مگر سیاست دان ان دونوں کے لئے چھتری کا کام کرتا ہے۔ ٹھیکہ دار حضرات کروڑوں روپے رشوت دے کر پروجیکٹ حاصل کرتے ہیں اور اعلیٰ عہدوں پر فائز لوگ سالانہ کروڑوں روپے عوامی مفاد اور ڈیولپمنٹ کے نام پر ہتھیالیتے ہیں۔ رشوت کی اس مرض کی وجہ سے کوئی پروجیکٹ مکمل نہیں ہوتا کیونکہ ٹھیکیدار اور اعلیٰ عہدے دار کا مطمئن نظر صرف پیسہ ہوتا ہے جسے پروجیکٹ کے نام پر حاصل کیا جاتا ہے بعد میں دونوں مک مکاؤ کے ذریعے پروجیکٹ کو تکمیل سے پہلے ہی داخل دفتر کر دیتے ہیں۔ یوں کرپشن کا ایک عجیب کلچر پروان چڑھتا ہے۔

عدل اجتماعی کا بحران

پاکستانی مسلم معاشرے کا ایک اور اہم مسئلہ عدل اجتماعی کا فقدان ہے۔ عدل سے مراد چیزوں کو ان کے اصل مقام پر رکھنا ہے جوتی اور ٹوپی جن کا اصل مقام بالترتیب سر اور پاؤں ہے اگر انہیں ان کے مخالف جگہ پر رکھا جائے تو یہ ظلم ہوگا۔ امام فخر الدین رازی عدل کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"العدل فهو عبارة عن الامر المتوسط بين طرفي الافراط والتفريط وذلك امر واجب الرعايته في جميع الاشياء"¹

"عدل افراط و تفريط کی راہوں کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرنے سے عبارت ہے اور اس کی رعایت کرنا تمام معاملات میں ضروری ہے"

اس طرح امام راغب اصفہانی عدل کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"العدالة والمعادلة لفظ حقیقی معنی المساواة ویستعمل باعتبار المضایقة"²

"عدالت اور المعاولہ کے لفظ میں مساوات کے معنی پائے جاتے ہیں اور معنی اضافی کے اعتبار سے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی ایک دوسرے کے ہم وزن اور برابر ہونا"

¹ رازی، محمد بن عمر بن حسین، فخر الدین، مفتاح المستہر بالتفسیر الکبیر، (کوئٹہ: مکتبہ الرشیدیہ بصری روڈ)، ج 5، ص: 509

² راغب الاصفہانی، ابو القاسم الحسین بن محمد، المفردات الفاظ القرآن، ج 2، ص: 336

نظام عدل کی بنیاد کب اور کس نے ڈالی اور ابتدائی دور کا نظام عدل کیسا تھا؟ اس بارے میں واضح بات یہی ہے کہ پہلے انسان حضرت آدم کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کا سلسلہ شروع کر دیا اور انسان نے جب سے معاشرتی زندگی کا آغاز کیا، اسی دن سے انصاف کے اصولوں کو اپنانے کی کوشش شروع کر دی۔

پہلا جھگڑا حضرت آدم کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کے درمیان ہوا تھا، ایک نے دوسرے کو قتل کر کے انصاف حاصل کرنے کی کوشش کی۔ انبیاء کرام کی لائی ہوئی وحی کے ساتھ ساتھ لوگوں کی بے پروائی اور اللہ کے نظام سے انکار بھی ایک مسلمہ حقیقت رہی ہے چنانچہ اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ عدل کا باضابطہ نظام آہستہ آہستہ معاشروں میں ترقی حاصل کرتا رہا۔ جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں انسان اپنے نزاع کا تصفیہ ذاتی طاقت اور قوت کے استعمال سے کرتا تھا۔ اور ذاتی انتقامی کاروائی انصاف کے خلاف استعمال ہوتی تھی۔¹

"ابتدائی زمانہ میں جب انسان کی طرز معاشرت وحشیانہ تھی اور منظم ومنضبط حکومتوں کا قیام نہیں ہوا تھا، ستم رسیدہ اور متضرر اشخاص اپنا انتقام آپ لیا کرتے تھے اور اگر ایک شخص کی دوسرا حق تلفی کرتا تو دوسرا اپنے حق کو بچانے کے لیے جنگ و جدل اور دھینگا مشتی سے اپنی آپ مدد کرتا تھا۔ بعض وقت ضرر رسیدہ کے قرابت دار اور احباب بھی اس کے دشمنوں سے انتقام لینے میں اس کے شریک ہو جاتے تھے۔"²

ایک زمانے میں مظلوم اپنی مدد آپ کر سکتا تھا، پھر وہ دور آیا کہ اس حق پر کچھ پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ پھر زمانہ بدلا اور حق لینے کے لیے صاحبِ رسوخ کی زیر نگرانی لڑنے کا رواج متعارف ہوا۔ پھر وہ وقت آیا کہ تنازعات کو ثالثوں اور پنچائتوں کے سپرد کرنے کا رواج چل نکلا۔ لیکن جب سلطنتیں مضبوط اور مستحکم ہو گئیں تو انہوں نے باقاعدہ عدالتیں قائم کر دیں جو انصاف کرنے کے معاملے میں فرمانروا کی نمائندہ قرار دی گئیں اور اس طرح نظامِ عدالت وجود میں آگیا۔ قرآن مجید میں بہت سی آیات ایسی ہیں جو عدل کی اہمیت اور ضرورت کی نشاندہی کرتی ہیں۔ جن میں سے کچھ آیات کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَوْلِيَّهَا ۖ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾³

¹ رضوی، اظہار حیدر، اصولِ قانون، (کراچی: مکتبہ فریدی اردو کالج)، ص: 112

² سالمیڈ، اصولِ قانون، (دکن: دارالطبع عثمانیہ، حیدرآباد، 1925ء)، ص: 91

³ النساء: 58

(بے شک اللہ تم لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کر دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ کرو)

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِنَّ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا ۚ وَإِنْ تَلَوَّا أَوْ تَعَرَّضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾¹

(اے ایمان والو! انصاف کے سچے داعی بن جاؤ اور اللہ کے لیے گواہ بنو اگرچہ تمہاری ذات یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اگر کوئی امیر یا فقیر ہے تو اللہ ان کا بہتر خیر خواہ ہے، لہذا تم خواہش نفس کی وجہ سے عدل نہ چھوڑو اور اگر تم نے کج بیانی سے کام لیا یا (گواہی دینے سے) پہلو تہی کی تو جان لو کہ اللہ تمہارے اعمال سے یقیناً خوب باخبر ہے۔)

عدل کا انفرادی حکم مختلف آیات میں آیا ہے لیکن اس آیت میں عدل اجتماعی کا حکم ہے کہ عدل و انصاف کے قوام یعنی سچے داعی بن جائیں۔ مومن پر فرض فقط یہ نہیں کہ خود عدل و انصاف کرے اور معاشرے میں موجود ظلم و زیادتی سے لا تعلق ہو جائے، بلکہ مؤمنین کی ذمہ داری ہے کہ معاشرے میں بھی عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّا أَمِينِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءُ بِالْقِسْطِ ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾²

(اے ایمان والو: اللہ کے لیے (حق پر) مضبوطی سے قائم رہنے والے ہو جاؤ دراصل حالیکہ تم انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو، کسی قوم کی عداوت تمہیں بے انصافی پر نہ ابھارے، تم عدل کرتے رہو وہ خوف خدا کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تمہارے کاموں کی بہت خبر رکھنے والا ہے۔)

متعدد آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام عدل و انصاف کو بنیادی انسانی حقوق میں سے قرار دیتا ہے۔ اس میں مذہب، نسل وغیرہ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم ملا ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی عدل و انصاف سے پیش آیا کرو۔ کیونکہ جہاں وہ دشمن ہے وہاں انسان بھی ہے، بلکہ پہلے انسان اور بعد میں دشمن ہے۔ ایک اور جگہ پر ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

¹ النساء: 135

² المائدہ: 8

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾¹

(اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے 'عدل کرنے کا، بھلائی کا اور روکتا ہے قربات داروں کے ساتھ اور بے حیائی کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے، وہ خود تمہیں نصیحتیں کر رہا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو۔)

ان آیات میں سے پہلے میں آسمانی مذہب کا اصل اصول، عدل و انصاف کا قیام بیان کیا گیا ہے اور دوسری آیات میں وہ اصول بیان ہوئے ہیں جو اسلام کی روح ہیں چنانچہ فرمایا گیا کہ عدل احسان کا حکم دیتا ہے اور بدکاری، برائی اور ظلم سے منع کرتا ہے۔

پاکستانی مسلم معاشرے کی ساری ٹوٹ پھوٹ، لوگوں کے مزاج میں ہیجان و اضطراب اور تیزی سے بڑھتی ہوئی عدم برداشت کی کیفیت، داخلی خلفشار، دہشت گردی کے رجحانات کو پختہ کرنے والی انتہا پسندی کے پیچھے کارفرما عوامل کا کھوج لگائیں تو اس نتیجے پر پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی کہ یہ سب شاخسانہ ہے عدل اجتماعی کے فقدان کا۔ مراعات یافتہ اور محروم طبقات میں مسلسل وسیع اور گہری ہو جانے والی خلیج کو ختم کرنے کی مخلصانہ کوشش کبھی کی ہی نہیں گئی جس سے معاشرے کے تمام افراد میں یہ احساس و شعور اجاگر ہوتا کہ ملک کے تمام شہری عزت و توقیر اور حقوق میں برابر ہیں۔ اس خلیج کے ایک طرف اٹھارہ کروڑ عوام کھڑے ہیں اور دوسرے کنارے پر ڈیڑھ، جاگیر دار، نواب اور سردار یا بڑے بڑے کارخانوں اور فیکٹریوں کے مالک صنعت کار اور سرمایہ دار ہیں۔

علاقائی، لسانی اور سماجی تعصبات کی وجہ سے ہر طرف حقوق کی پامالی معمول بن چکا ہے دوسروں کی تعظیم و تکریم اور تقدیم و تاخیر ذاتی خواہشات کی بھینٹ چڑھ چکا ہے، میرٹ کا قتل عام اور جلب منفعت کے تقاضے پورے ایمانداری سے ادا کیے جا رہے ہیں جو سماجی ظلم کی اعلیٰ مثال اس معاشرے کی پیشانی پر چمکتا دکھائی دے رہا ہے۔ اسلام نے ہمیشہ عدل و انصاف کی اشاعت اور ظلم کے خاتمے پر زور دیا ہے حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے:

((يَا عَبْدِي اَتَىٰ حَرَمْتُ اَنْ اَظْلِمُ عَلَىٰ نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالُمُوهَُا))²

"اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات کے لیے بھی حرام کر دیا ہے کسی پر ظلم کروں اور حرام ٹھہرا دیا ہے اس کا ارتکاب کرنا، تمہارے درمیان بھی لہذا ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو"

¹ ابن کثیر، تفسیر قرآن العظیم، النحل: 90، ج 4، ص: 610

² مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والادب، باب: تحریم الظلم، حدیث رقم: 24

عدل اجتماعی صرف معاشی مساوات کا نام نہیں بلکہ ایک جامع انسانی عدل ہے جو ہر شعبہ زندگی میں اسلام تمام شعبوں میں مکمل عدل و انصاف کا خواہاں ہے یہی عدل انصاف مل کر عدل اجتماعی کی حیثیت اختیار کرتا ہے۔ تین شعبے اس عدل کے انتہائی اہم ہیں: سماجی، اقتصادی اور قانونی عدل، سماجی حوالے سے اسلام نے بالکل انصاف کی ترجمانی کی ہے اور تمام تر عصبیتوں اور ذات پات و رنگ و نسل کی امتیازات کی بیخ کنی کا قائل ہے۔ اسلام کے نزدیک فضیلت اور افضلیت کی کسوٹی صرف تقویٰ ہے حدیث مبارکہ وارد ہوتا ہے

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا عَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى (إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ) ، إِلَّا هَلْ بَلَغْتَ؟ قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: فَيُبْلَغُ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ))¹

(لوگو! ایک خدا ہے تمہارا اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، آگاہ ہو جاؤ کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سرخ رنگوالے کو کالے رنگ والے پر اور کسی سیاہ رنگ والے کو سرخ رنگ والے پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں، مگر تقویٰ کے ساتھ، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے وہ شخص سب سے زیادہ معزز ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، خبردار کیا میں نے (اللہ کا پیغام (پہنچا دیا ہے؟ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں۔ پھر فرمایا: حاضر لوگ یہ باتیں غائب لوگوں تک پہنچا دیں۔“)

مسلم معاشرے میں تعلیمات اسلامی کے اس عظیم سرمایے کو پس و پشت ڈال دیا گیا ہے۔ موجودہ دور میں فرسودہ روایات کو اسلام کا شعار سمجھ کر پیش کیا جا رہا ہے جیسے اقتصادیات میں سود خوری کو جائز کاروبار قرار دیا جاتا ہے۔ دوسرے کامال حلال سمجھ کر کھایا جاتا ہے دوسرے کے حقوق پر ڈاکہ کار خیر سمجھ کر ڈالا جاتا ہے۔ ان تمام رذائل کی بنیادی وجہ عدل اجتماعی و انفرادی کا فقدان ہے عدل کے قیام میں خصوصی تاکید کی گئی ہے جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے:

((اللَّهُمَّ أَنْتَ أَحْرَجُ حَقَّ الضَّعِيفِينَ الْيَتِيمَ وَالْمَرْأَةَ))²

(اے اللہ! میں لوگوں کو دو ضعیفوں کے حق سے بہت ڈراتا ہوں ایک یتیم اور دوسری عورت)

اسی طرح اسلام معاشی عدل کی مکمل ضمانت دیتا ہے کیونکہ سماج میں معاش ہی انسانی فکر کی جہت کو متعین کرتا ہے۔ اس لیے اسلام نے معاش میں عدل کو بہت سنجیدگی سے لیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

¹ بیہقی، شعب الایمان، کتاب التوحید والدین والقدیر، (بیروت: مکتبہ الرشید والنشر والتوازی لبع لبنان، 1423ھ)، حدیث رقم: 5137

² بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین، شعب الایمان، کتاب الادب، باب: شفقت والرحمۃ علی الخلق، حدیث رقم: 1324

((كُنْى لَا يَكُونُ دَوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ))¹

(ایسا نہ ہو کہ (مال و دولت) تمہارے دولت مندوں ہی میں گردش کرتا رہے)

لوگوں کے معاش میں سائل اور محروموں کا حق شامل ہوتا ہے اور ہر شخص اس حق کو ادا کرنے کا پابند ہے تاکہ غربت اور بھوک و افلاس میں ضمیر کی آواز بے وقعت نہ ہو جائے۔

﴿وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلْسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾²

(اور مانگنے والے سائل کا حق ہے ان کے مال میں اور محروموں کا حق ہے ان کے مال میں)

ان تعلیمات سے واضح ہے کہ اسلام نے زندگی کے کسی شعبے کو مہمل نہیں چھوڑا بلکہ ہر پہلو میں عدل کے قیام کی ضروری اقدامات کیے سماج میں معاشرتی عدل قائم کیا تاکہ کوئی شخص ننگا و بھوکا نہ سوئیں یوں عورتوں اور ضعیف لوگوں کو عدل اجتماعی کے ذریعے مکمل حقوق عطا کیے۔

پاکستانی مسلم سماجی ظلم اور زیادتیوں سے عبارت ہے جہاں نہ عورتوں کو مکمل حقوق حاصل ہیں اور نہ خونی رشتوں کا لحاظ ہے۔ آج بھی عورت کو نسلی پیداوار بڑھانے کی مشین کے علاوہ کچھ سمجھا نہیں جاتا۔ نادار اور غریب لوگوں سے تعلق قائم کرنا گناہ اور باعث شرما گردانا جاتا ہے۔ تعلق اور رشتے کا معیار دولت اور پیسہ قرار پایا ہے۔ کسی کو ہمسائے کے حقوق کا علم نہیں کسی کو کوئی پرواہ نہیں کہ ان کا ہمسایہ اور معاشرے کے ناروار لوگ بھوکے پیاسے سو رہے ہیں۔ جذبہ ایثار و قربانی ختم ہو چکا ہے۔ معاشرہ مذہبی منافرت اور لسانی و علاقائی تعصبات سے لبریز ہے ایک دوسرے کا خون بہانا، چار دیواری کی تکریم پامال کرنا ایک دوسرے کے مال و دولت پر قبضے کرنا سرور نفس کا بہترین مشغلہ بنا ہوا ہے اس خلفشار کی وجہ اسلامی تعلیمات سے دوری اور سماج میں اجتماعی عدل کا فقدان ہے۔ ایسے میں تعلیمات اسلامی کا احیاء ناگزیر ہو چکا ہے تاکہ سماج میں پیار و الفت و محبت اور قربانی و ایثار کا جذبہ پھر سے زندہ ہو جائے۔

معاشرتی اقدار کی بے وقعتی

معاشرتی اقدار کی بے وقعتی اس وقت ہوتی ہے جب وہ اصول، ضابطے اور اخلاقی قدریں جو معاشرت میں لوگوں کے تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے بنائی جاتی ہیں، نظر انداز یا کمزور پڑ جاتی ہیں۔ جب معاشرتی اقدار کی اہمیت کم ہو جاتی ہے یا انہیں اہمیت دینا چھوڑ دیا جاتا ہے، تو اس سے فرد، خاندان، اور پورے معاشرتی ڈھانچے پر منفی اثرات پڑتے ہیں۔

¹ ایضا

² انزاریات: 19

مذہب انسانوں کے درمیان اخلاقی رہنمائی فراہم کرتا ہے، اور اکثر معاشرتی اقدار مذہبی تعلیمات سے جڑی ہوتی ہیں۔ لیکن جب افراد اپنی مذہبی عقائد میں لچک دکھاتے ہیں یا ان کی اہمیت کم کرتے ہیں، تو معاشرتی اقدار بھی کمزور پڑ جاتی ہیں۔ کئی بار لوگوں میں مذہب کے نام پر انتہا پسندی اور شدت پسندی کے رجحانات بڑھ جاتے ہیں، جس سے رواداری اور برداشت جیسی اقدار متاثر ہوتی ہیں۔

محرم اور نامحرم کا اختلاط

اختلاط مرد و زن سے مراد ہے کہ غیر محرم خواتین و حضرات ایک ہی جگہ جمع ہوں، ایک دوسرے سے ملیں، اور ایک دوسرے کو دیکھیں اور ایک ہی جگہ گھل مل کر یوں اکٹھے ہوں کہ دونوں کے درمیان کوئی رکاوٹ اور آڑ نہ ہو لیکن ہمارے سماج میں اختلاط کی یہ کیفیت تکرار اس قدر رچ بس چکی ہے کہ لوگ اسے فتنہ عمل ہی نہیں سمجھتے ہیں حالانکہ یہ خاندان کے اندر جڑوں کو کمزور کرتا ہے۔ یہ سب کام شریعت کے مطابق حرام ہیں، اس لئے کہ یہ فتنے کا باعث ہے، جس سے شہوت بھڑکتی ہے، اور انسان کیلئے زنا، وفحاشی کا راستہ ہموار ہوتا ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْأَلْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾¹

(کہہ دو میرے رب نے بے حیائی کی باتوں کو حرام کیا ہے خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ، اور ہر گناہ کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو بھی، اور یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی، اور یہ کہ اللہ پر وہ باتیں کہو جو تم نہیں جانتے۔)

فحاشی سے مراد فتنہ، نامناسب اور اخلاقی پیرایہ سے ہٹی ہوئی تقریر یا تحریر ہے جس میں دشنام، گالی، اتہام والزام تراشی سب شامل ہیں۔ شہوانی اعمال و افعال کو واضح اور برہنہ طور سے بیان کرنا بھی فحاشی میں شامل ہے۔ اس کی وضاحت میں علامہ جوہری لکھتے ہیں:

فحش: الْفَحْشَاءُ: الْفَاحِشَةُ. وَكُلُّ شَيْءٍ جَاوَزَ حَدَّهُ فَهُوَ فَاحِشٌ. وَقَدْ فَحَّشَ الْأَمْرَ بِالضَّمِّ فُحْشًا، وَتَفَاحَشَ. وَيُسَمَّى الزُّنَى فَاحِشَةً. وَقَوْلُ طَرْفَةٍ: أَرَى الْمَوْتَ يَعْتَانُ الْكِرَامَ وَيَصْطَلِفِي عَقِيلَةَ مَالِ الْفَاحِشِ الْمُتَشَدِّدِ يَعْنِي الَّذِي جَاوَزَ الْحَدَّ فِي الْبَخْلِ. وَافْحَشَ عَلَيْهِ فِي الْمَنْطِقِ، أَيْ قَالَ الْفُحْشَ، فَهُوَ فَحَّاشٌ. وَتَفَحَّشَ فِي كَلَامِهِ"²

"ہر وہ چیز جو حدود سے تجاوز کر جائے وہ فاحش ہے اور کبھی یہ ضمہ کے ساتھ آتا ہے جیسے فحشاء ہے زنا کو احشہ اس لئے کہا جاتا ہے چونکہ یہ حدود سے تجاوز ہے اور جو شخص کلام میں حد سے تجاوز کرتا ہے اسے فحاش کہا جاتا ہے۔"

¹النور: 30

²۔ جوہری، ابو نصر اسماعیل، الصحاح فی اللغة، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، لبنان 1999)، ص: 260

جبکہ خلیل فراہیدی نے کتاب العین میں اسی معنی کو دوسرے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"وأفحش في القول والعمل وكل أمر: لم يوافق الحق فهو فاحشة."¹

"قول اور فعل میں فحش ترین امر یہ ہے کہ وہ عمل اور قول حق کے موافق نہ ہو وہ عمل فاحشہ کہلاتا ہے۔"

قرآن مجید میں محرم اور نامحرم کے درمیان اختلاط اور تعلقات کے بارے میں بہت واضح ہدایات موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں اور مردوں کو اپنی عزت، شرم و حیا کی حفاظت کے لیے واضح حدود دی ہیں۔ ان حدود کا مقصد نہ صرف فرد کی ذاتی پاکیزگی اور اخلاقی معیار کی حفاظت ہے بلکہ پورے معاشرتی نظام کو فحاشی، بدکاری اور اخلاقی زوال سے بچانا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں غیر محرم کے ساتھ اختلاط اور بے پردگی سے بچنے کے لیے حکمت عملی پیش کی ہے۔

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾²

(ایمان والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کو بھی محفوظ رکھیں، یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ ہے، بے شک اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔)

قرآنی تعلیمات کے مطابق صرف پہلی نظر جائز ہے پھر اس کے بعد نظر کو پھیرنا ضروری ہے۔ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وقال الترمذي حسن صحيح، وفي رواية لبعضهم فقال "أطرق بصرك" يعني انظر إلى الأرض، والصرف أعم، فإنه قد يكون إلى الأرض، وإلى جهة أخرى."³

"ترمذی اس روایت کو صحیح اور حسن قرار دیتے ہیں اور بعض راویوں کی روایت کے مطابق مومنوں کو چاہے کہ اپنی نظر کو موڈ دیں یہاں صرف عموم رکھتا ہے لہذا اس سے مراد زمین بھی ہو سکتی ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور جہت بھی ہو سکتی ہے"

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ عَلِيٍّ لَا تَتَّبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ، فَإِنَّ لَكَ الْأُولَى، وَلَيْسَ لَكَ الْآخِرَةُ))⁴

¹ خلیل فراہیدی، التحلیل ابن احمد، کتاب العین، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، لبنان)، ص: 260

² ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ذیل آیت النور: 30، ج 4، ص: 633

³ ابوداؤد، السنن، کتاب النکاح، باب: ما یومر به من غرض البصر، حدیث رقم: 1875

⁴ سورة الأحزاب،: 33

(آپ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا کہ پہلی نظر کی پیروی میں دوسری بار نہ دیکھو کیونکہ پہلی نظر تمہارے لئے جائز ہے لیکن دوسری نظر جائز نہیں۔)

قرآن میں غیر محرم سے بات چیت کی بھی حدود مقرر کی گئی ہیں، تاکہ اس کے ذریعے کسی قسم کی فحاشی یا گناہ کا ارتکاب نہ ہو۔ ایک اہم ہدایت یہ بھی دی گئی ہے کہ عورتیں غیر محرم مردوں سے نرم، دلکش آواز میں بات نہ کریں، تاکہ کسی کو غلط تاثرات نہ ملیں:

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾¹

(اور تم نرم لہجے میں بات نہ کرو، کہہ دل میں بیماری رکھنے والا کوئی شخص لالچ کرے، اور تم اچھی بات کیا کرو۔)

قرآن نے نہ صرف نظر کی حفاظت بلکہ جسمانی پردے کے بارے میں بھی ہدایات دی ہیں۔ اس کا مقصد غیر محرموں کے ساتھ اختلاط سے بچنا اور فحاشی کو روکنا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ...﴾²

(اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکائیں تاکہ وہ بچانی جائیں اور ان سے اذیت نہ ہو۔)

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ خواتین کو اپنی عزت کی حفاظت کے لیے پردہ کرنا ضروری ہے، تاکہ انہیں غیر ضروری توہین یا ہراسانی کا سامنا نہ ہو، اور ان کا تعلق غیر محرم مردوں سے صرف ضرورت کے تحت ہو۔ اور مردوں کو بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ عورتوں سے حد المقدور احتراز کرے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((إِنَّ الدُّنْيَا خَصْرَةٌ خُلُوةٌ , وَإِنَّ اللَّهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا , فَنَظِيرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ , أَلَا فَاتَّقُوا الدُّنْيَا , وَاتَّقُوا النَّسَاءَ))³

”دنیا ہری بھری اور میٹھی ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں خلیفہ بنانے والا ہے، تو وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ سنو! تم دنیا سے بھی بچاؤ کرو، اور عورتوں سے بھی“

¹ سورة الاحزاب: 33

² ابن ماجہ، السنن، کتاب الفتن، باب: فتنۃ النساء، حدیث رقم: 4000

³ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب: الترغیب فی النکاح: 5063

اسلام میں غیر محرم سے گفتگو کو بغیر ضروری ضرورت کے جائز نہیں سمجھا گیا۔ اگر بات چیت ضروری ہو تو اس میں فحاشی سے بچتے ہوئے، پردے کا خیال رکھتے ہوئے اور حدود کی پابندی کرتے ہوئے بات کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ، غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں ملاقات کو سختی سے منع کیا گیا ہے، تاکہ کسی قسم کا فتنہ، جذباتی تعلق یا گناہ کا آغاز نہ ہو۔

نکاح کی بے وقعتی

موجودہ دور میں نکاح کی بے وقعتی ایک سنگین مسئلہ ہے جو سماجی، ثقافتی اور اخلاقی سطح پر اثرات مرتب کر رہا ہے۔ نکاح کو جو اہمیت اور تقدس اسلام میں حاصل ہے، وہ آج کے معاشرتی ڈھانچے میں کم ہوتی جا رہی ہے۔ شادی کا عمل صرف ایک سماجی یا قانونی معاہدہ نہیں بلکہ ایک مقدس بندھن اور اسلامی عبادت بھی ہے:

((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي))¹

"میرے طریقے سے جس نے بے رغبتی کی وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔"

خواتین کے حقوق میں اضافہ اور ان کی آزادی کے حوالے سے بیداری نے بعض جگہوں پر نکاح کو ایک جابرانہ یا غیر ضروری رشتہ سمجھنے کا رجحان پیدا کیا ہے۔ خواتین کے لیے یہ احساس بڑھا ہے کہ شادی کے بغیر بھی زندگی گزارنا ممکن ہے، اور یہ نکاح کو ایک ضرورت کے بجائے ایک "اختیار" بنا دیتا ہے مثلاً شادی کے بغیر بچوں کا ہونا یا غیر شادی شدہ زندگی گزارنا، جو نکاح کو اہمیت دینے کی بجائے ایک عبوری یا غیر ضروری سمجھا جاتا ہے۔

قرآن میں نکاح کا مقصد سکون، محبت، اور رحمت ہے، جو صرف جذباتی یا جسمانی تعلق نہیں، بلکہ ایک روحانی اور اخلاقی بنیاد پر قائم ہے۔ مغربی نظریات میں محبت اور جذباتی ہم آہنگی کو زیادہ ترجیح دی جاتی ہے، لیکن اسلام میں نکاح کی اصل بنیاد محبت اور رحمت ہے جو اللہ کی رضا کے تحت ہو۔

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً

وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾²

(اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تمہارے لیے تمہیں میں سے بیویاں پیدا کیں تاکہ ان کے پاس چین سے رہو اور تمہارے درمیان محبت اور مہربانی پیدا کر دی، جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لیے اس میں نشانیاں ہیں۔)

قرآن میں نکاح کو سماجی ذمہ داری کے طور پر بھی دیکھا گیا ہے، جس کے ذریعے فرد کے لیے عفت اور پاکیزگی کے راستے کھلتے ہیں، اور اس میں معاشرتی استحکام اور انسان کی اخلاقی ترقی کا عنصر موجود ہے۔ مغربی معاشروں میں جہاں طلاق، عارضی تعلقات، اور آزادانہ جنسی تعلقات کو بعض اوقات معمول سمجھا جاتا ہے، وہاں قرآن نکاح کو ایک مستقل رشتہ اور زندگی بھر کی ذمہ داری کے طور پر پیش کرتا ہے۔

قرآن میں غیر شادی شدہ تعلقات یا زنا کو سختی سے ممنوع قرار دیا گیا ہے، جو کہ مغربی معاشرتی نظریات سے مختلف ہے، جہاں غیر شادی شدہ تعلقات کو کبھی کبھار معمولی اور آزادانہ سمجھا جاسکتا ہے۔ قرآن نکاح کو صرف ایک قانونی معاہدہ نہیں بلکہ انسان کے اخلاقی اصولوں کے مطابق ایک پاکیزہ رشتہ سمجھتا ہے۔

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانِيَةَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾¹

(اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے۔)

حقوق زوجین کی عدم پاسداری

مغربی اثرات نے زوجین کے حقوق پر ایک بڑا اثر ڈالا ہے، خصوصاً خواتین کی آزادی، مساوات، اور طلاق کے قوانین میں لچک کے حوالے سے۔ تاہم، اسلام میں زوجین کے حقوق کا توازن اللہ کی رضا اور اخلاقی ضابطوں کے تحت رکھا گیا ہے، جہاں دونوں فریقین کی ذمہ داریوں اور حقوق کا مکمل اور متوازن خیال رکھا جاتا ہے۔ مغربی معاشرتی نظریات میں جہاں فرد کی آزادی اور ذاتی حقوق کو اہمیت دی جاتی ہے، وہاں اسلامی معاشرت میں شادی کے تعلقات کو ایک مقدس معاہدہ اور اجتماعی ذمہ داری کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔

مغربی معاشروں میں جنسی آزادی اور تعلقات میں لچک دیکھنے کو ملتی ہے، اور یہاں پر غیر شادی شدہ تعلقات کو بھی زیادہ قبولیت حاصل ہے۔ مغربی معاشرت میں جہاں آزادانہ جنسی تعلقات کو اکثر معاشرتی طور پر تسلیم کیا جاتا ہے، وہاں طلاق یا شادی کے بعد کی بے وفائی کو بھی زیادہ حساسیت کے ساتھ نہیں دیکھا جاتا۔

طلاق کا بڑھتا ہوا رجحان

طلاق اسلام کے نزدیک مباح چیزوں میں ایک ناپسندیدہ عمل ہے۔ اسلامی نقطہ نظر میں نکاح کو نہ صرف ایک قانونی معاہدہ بلکہ ایک مقدس رشتہ سمجھا جاتا ہے، جو فرد کی ذاتی اور اجتماعی زندگی کے استحکام کا ذریعہ ہوتا ہے۔ مغربی نظریات، خاص

¹ الاسراء: 32

طور پر جدید دور میں، نکاح کو ایک فردی حق اور ذاتی انتخاب کے طور پر دیکھتے ہیں جس میں جذباتی تعلقات، شخصی آزادی، اور پک کو ترجیح دی جاتی ہے۔ مغربی معاشروں میں نکاح کو عموماً ایک شخصی فیصلے کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جس میں محض محبت یا جذباتی ہم آہنگی کی بنیاد پر افراد کے درمیان تعلقات قائم کیے جاتے ہیں۔

اسلامی عقیدہ نکاح کی ایک وسیع اور گہری اہمیت کو تسلیم کرتا ہے، جو صرف جذبات یا فردی خواہشات پر مبنی نہیں ہے بلکہ اخلاقی، روحانی اور سماجی ذمہ داریوں پر زور دیتا ہے۔ اس میں مغربی نظریات کے برعکس کئی اہم فرق ہیں:

اسلام میں نکاح کا مقصد نہ صرف جسمانی یا جذباتی تعلق بلکہ اللہ کی رضا، خاندان کا قیام، اور نسلوں کی تربیت ہے۔ نکاح کو ایک روحانی عبادت کے طور پر دیکھا جاتا ہے جس کا مقصد ایمان و اخلاق کی پختگی ہے۔¹

مغربی معاشروں میں جنسی مساوات، آزادی اور فردی حقوق پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، جب کہ اسلام میں مرد اور عورت دونوں کے حقوق کی بات کی جاتی ہے، مگر ان کے کردار مختلف ہوتے ہیں۔ اسلام میں مرد اور عورت دونوں کو اپنے حقوق اور ذمہ داریوں کے ساتھ شراکت داری کی صورت میں ایک دوسرے کا احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔²

آج ہمارا سماج اسلامی تہذیب پر فخر کرنے کے بجائے یہود و نصاریٰ کے بود و باش اور ان کے وضع قطع کو نمونہ عمل قرار دے کر نیم برہنہ حالت میں غاروں کی زندگی کو ترجیح دیتا ہیں۔ اخلاقیات جو کہ اسلام کا ایک عظیم سرمایہ ہے جو مسلمانوں سے بھیک مانگ رہی ہے۔ والدین کی اطاعت اور بہن بھائیوں کے رشتے، محرم اور نامحرم کے تعلقات پر مغربی تہذیب حاوی ہے جس کی وجہ سے تمام رشتوں کا احترام ختم ہو چکا۔

رفت اور رحم دلی کا فقدان

رحم دلی سے مراد کہ کسی انسان کے ساتھ معاملات طے کرتے ہوئے ترس، مہربانی اور درگزر سے کام لیا جائے۔ یہ ایک الٰہی صفت ہے دنیا اس مظہر کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔ مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے تصور کو یوں بیان فرمایا ہے:

"کائنات کا جمال اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کا عکس ہے اور یہی صفتِ زندگی کی تمام نشو و نما کی ذمہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ قہر یہ اپنی جگہ ہیں مگر اس کی صفاتِ رحمت عام اور وسیع تر ہیں جو صرف گناہ گاروں تک محدود نہیں بلکہ ساری کائنات کے لئے آفاہ اور فیضانِ عام کا سرچشمہ ہے"³

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے:

¹ آزاد، ابوالکلام، بیان القرآن، (کراچی: حکمت قرآن انسٹیٹیوٹ، 2012)، ج 1، ص 31

² ترمذی، الجامع، کتاب الادب، باب: جعل اللہ الرحمة مائتہ جزء، حدیث رقم: 3671

³ الفتح: 29

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ " جَعَلَ اللَّهُ الرَّحْمَةَ مِائَةَ جُزْءٍ ، فَأَمْسَكَ عِنْدَهُ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ جُزْءًا ، وَأَنْزَلَ فِي الْأَرْضِ جُزْءًا وَاحِدًا ، فَمِنْ ذَلِكَ الْجُزْءِ يَتَرَاخَمُ الْخَلْقُ ، حَتَّى تَرْفُعَ الْفَرَسِ حَافِرَهَا عَنْ وَلَدِهَا خَشْيَةً أَنْ تُصِيبَهُ " ¹

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے رحمت کے سو حصے بنائے اور اپنے پاس ان میں سے ننانوے حصے رکھے صرف ایک حصہ زمین پر اتارا اور اسی کی وجہ سے تم دیکھتے ہو کہ مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے، یہاں تک کہ گھوڑی بھی اپنے بچہ کو اپنے سم نہیں لگنے دیتی بلکہ سموں کو اٹھالیتی ہے کہ کہیں اس سے اس بچہ کو تکلیف نہ پہنچے۔ گویا دنیا میں کسی کے پاس رحم کا اگر ایک ذرہ بھی موجود ہے اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق مومن تو آپس میں رحم دل لیکن کفار پر انتہائی سنگ گراں ہوا کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ الَّذِينَ آمَنُوا أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا لِيُشِيمَهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ) ²

(محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور ان کی معیت میں رہنے والے آپس میں نرم دل اور کافروں پر سخت، ہیں۔ انہیں توروں کو رکھ کر کرتے ہوئے، سجدے کرتے ہوئے دیکھے گا، اللہ کا فضل چاہتے ہیں، ان کی علامت ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان سے ہے)

لیکن مسلمانوں کے رویے بالکل اس کے برعکس نظر آتے ہیں آج کفار سے ملاقات کے لئے مسلمان بے تاب دیکھائی دیتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے دشمن نظر آتے ہیں۔ ان کی مثال اس گائے کی سی بن چکی ہے جو مالک کو دودھ تک نہیں دیتی لیکن ہمسائیوں کو مکھن دیتی ہے علامہ طباطبائی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" وَأَفَادَتِ الْجَمْلَتَانِ أَنَّ سِيرَتَهُمَا مَعَ الْكُفَّارِ الشَّدَّةُ وَمَعَ الْمُؤْمِنِينَ فِيمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَةُ " ³

ان دونوں صفات رحمت اور شدت کا ان کے وجود میں جمع ہو جانا کوئی تضاد نہیں رکھتا اور دشمن کے مقابلے میں ان کا قہر اور دوستوں کے لئے ان کی مہر و محبت اس بات کا سبب نہیں بنتا کہ وہ راہ حق سے باہر قدم رکھیں۔ قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے رحیم اور کریم کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

² الطباطبائی، محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، (لاہور: مکتبہ انصار السنہ پبلیکیشنز، س ن) ذیل آیت ہذا، ج 22، ص: 121

³ الحشر: 10

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ
وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا
لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾¹

(اور ان کے لیے بھی جو مہاجرین کے بعد آئے (اور) دعا مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان
بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمانداروں کی طرف سے کینہ قائم نہ
ہونے پائے، اے ہمارے رب! بے شک تو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔)

یہ آیت درحقیقت ایک دعا ہے جو ہمیں روز مانگنی چاہیے۔ اس میں اللہ سے دعا کی گئی ہے کہ اللہ پاک دیگر مسلمان بہن
بھائیوں کو بخش دے۔ اس دعا کا مطلب یہی ہے کہ اللہ ہمیں دوسروں پر مہربانی کرنے والا بنائے۔ یہ حقیقت کہ یہ دعا اس
بات پر ختم ہوتی ہے کہ ”بے شک تو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے“ کا مطلب ہے کہ ہم نہ صرف اللہ سے اس کا
رحم اور کرم طلب کر رہے ہیں بلکہ ہم یہ بھی مانگ رہے ہیں کہ ہمارے دلوں کو بھی مہربانی اور شفقت سے بھر دے۔ بعض
جگہوں پر قرآن کریم ہمیں خیرات کی جگہ رحم دلی کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیتا ہے:

﴿قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذْنٌ لِّلَّهِ غَنِيٌّ حَلِيمٌ﴾²

(مناسب بات کہہ دینا اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ستانا ہو، اور اللہ بے پروا نہایت تحمل والا ہے۔)

ہمارے لیے یہ بہتر ہے کہ ہم رحم دلی کا مظاہرہ کریں نہ کہ خیرات کریں اور پھر اس پہ کسی کو ستائیں۔ ستانے کا مطلب ہے
کہ ہم اپنی خیرات کے بارے میں شیخی بگھاریں یا ان کے منہ پر بار بار اس کا تذکرہ کریں جنہیں ہم نے خیرات دی ہے۔
رحم دلی ایک فطری قانون ہے جس کی اہمیت سے تمام انسانیت آگاہ ہے۔ ہم مہربانی کر کے اچھا محسوس کرتے ہیں اور اس
بات کو پسند کرتے ہیں کہ دوسرے بھی ہمارے ساتھ مہربانی کا سلوک کریں۔ ایسے ہی جب ہم کہیں پر غیر مہربانی کا سلوک
دیکھیں تو ہم اسے ناپسند کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رحم دلی ہماری فطرت کا حصہ ہے کیونکہ اللہ نے انسان میں ہمدردی
کا عنصر رکھا ہے۔

رحم دلی انسانوں میں ایک پُر اثر جذبہ ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں بہت سارے لوگوں نے رحم دلی کی مثالی قائم کی ہیں
جو قوم رحم نہیں کرتی ان پر رحم نہیں کیا جاتا۔ خدا تعالیٰ کے بہت سارے قوانین ہیں ان میں سے ایک قانون رحم دلی ہے

۔ اگر اس جذبے کو فراموش کر دیا جائے تو ہم سے پہلے بہت سی قومیں اسی عیب کی وجہ سے تباہ ہو چکی ہیں۔ رحم دل انسان کو دنیا میں محبت و عقیدت اور عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ احادیث مبارکہ میں اہل زمین پر رحم کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ : مَنْ رَحِمَ وَلَوْ ذَبِيحَةً عُصْفُورٍ رَحِمَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))¹

(حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے (کسی چیز پر) رحم کیا خواہ چڑیا کے ذبیحہ پر ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس پر رحم کرے گا۔)

اسلامی شریعت کے مطابق رحم دلی سے انسان اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے، حتیٰ کہ جانوروں پر رحم کرنا بھی قرب الہی کا باعث ہے، چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: (ایک آدمی راستے میں پیدل جا رہا تھا اسے شدید پیاس کا سامنا تھا، اچانک اسے ایک کنواں نظر آیا تو اس نے کنویں میں اتر کر پانی پیا اور چلتا بنا، پھر اسے ایک کتا نظر آیا جو پیاس سے ہانپتے ہوئے نمی والی مٹی کھا رہا تھا، اس آدمی نے سوچا کہ اس کتے کو بھی ایسے ہی پیاس لگی ہے جیسے مجھے لگی ہوئی تھی، وہ دوبارہ کنویں میں اتر اور اپنے موزے کو پانی سے بھرا اور اسے اپنے منہ سے پکڑ کر کنویں سے باہر نکلا، اور پھر اس نے کتے کو پانی پلا دیا، اللہ تعالیٰ نے اسکی اس نیکی کو سراہا، اور اسے بخش دیا) صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! کیا ہمیں جانوروں میں بھی ہمیں اجر ملے گا؟! آپ نے فرمایا: (ہر جگر رکھنے والی شے میں تمہارے لئے اجر ہے اس سے یہ بات واضح ہے کہ ایک رحم دل انسان سکون کی نیند سو سکتا ہے بجائے اس کے کہ کسی پر ظلم کر کے ہم بے سکون بھی ہوں اور مکافات عمل کی بات سن کر ہمارے دل میں خوف طاری ہو جائے۔

صلہ رحمی کا فقدان

پاکستانی مسلم معاشرے کو درپیش اہم اخلاقی چیلنجز میں سے ایک صلہ رحمی کا فقدان ہے۔ صلہ رحمی ایک اسلامی اور اخلاقی اصطلاح ہے جو خاندان، رشتہ داروں اور عزیزوں کے درمیان تعلقات کو بہتر بنانے، انہیں مضبوط کرنے، اور ان میں محبت، احترام اور تعاون کے جذبات پیدا کرنے کو کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان اپنے رشتہ داروں کے ساتھ

¹ الطبرانی، المعجم الکبیر، باب الرحمة، (القاهرة: مکتبة ابن تیمیہ 1993)، حدیث رقم: 7915

– البیہقی، شعب الایمان، باب الرحمة، حدیث رقم: 11070

اچھے سلوک کرے، ان کی مدد کرے، خواہ حالات جیسے بھی ہوں۔ اسلام میں صلہ رحمی کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور اسے نیکی اور عبادت قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس کی ترغیب دی گئی ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ﴾¹

(اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں جس کے ملانے کو اللہ نے فرمایا ہے اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب کا خوف رکھتے ہیں۔)

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ﴾²

(تو کیا تم سے کچھ بعید ہے کہ تم صاحب اقتدار بن جاؤ تو زمین میں فساد برپا کرو اور قراہتداروں سے قطع تعلقات کر لو، یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور ان کے کانوں کو بہرا اور ان کی آنکھوں کو اندھا بنا دیا ہے)

یہ آیت بھی صلہ رحمی کی اہمیت کو واضح کرتی ہے، جس میں اللہ کے حکم کو مکمل کرنے اور رشتہ داریوں کو مضبوط کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ مغربی تہذیب نے مسلم سماج کی بنیادوں کو ہی ہلا کر رکھ دیا ہے۔ مادی نظریات کی وجہ سے رشتہ داری کے میعارات تبدیل ہو چکے ہیں۔ صاحب ثروت لوگوں سے تعلق جوڑنے پر مباحات اور قریبی مفلس و نادار لوگوں سے قطع تعلق ایک عام روایت بن چکی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی اپنی حدیثوں میں رشتہ داریوں کے حقوق اور ان کی اہمیت پر زور دیا ہے۔

((من سره ان يبسط له في رزقه وان ينسأ له في اثره فليصل رحمه))³

"جسے پسند ہے کہ اس کی روزی میں فراخی ہو اور اس کی عمر درازی جائے تو وہ صلہ رحمی کیا کرے۔"

¹ الرعد: 21

² محمد: 22

³ بخاری، کتاب الادب، باب من لہج فی رزقہ بصلۃ الرحم، حدیث رقم: 5985

ایک شخص کے تمام رشتہ دار، خواہ وہ دور کے ہوں یا قریب کے اس کے ذوی الارحام ہیں، جس سے جتنا زیادہ قریبی رشتہ ہوگا اس کا حق اس پر اتنا ہی زیادہ ہوگا اور اس سے قطع رحمی اتنا ہی بڑا گناہ ہے۔ اور قطع رحمی یہ ہے کہ انسان اپنے رشتہ داروں کے ساتھ براسلوک کرے یا جو بھلائی کرنا اس کے لئے ممکن ہو اس سے انجام نہ دے۔

حضرت ایوب انصاری کی روایت کے مطابق:

((أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ. قَالَ: مَا لَهُ مَا لَهُ؟ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: أَرَبْتُ مَا لَهُ، تَعَبُدُ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.))¹

(ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے ایسا عمل بتادیجئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے تو آپ ﷺ نے فرمایا تو اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنا اور نماز قائم کر اور زکوٰۃ ادا کر اور صلہ رحمی کر)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اپنا نسب معلوم کر لو تا کہ صلہ رحمی کر سکو کیونکہ صلہ رحمی سے گھر والوں میں محبت پیدا ہوتی ہے مال میں اضافہ ہوتا ہے اور اجل میں تاخیر ہوتی ہے۔ ان احادیث کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرابتداروں سے قطع تعلق اور نظر انداز کرنا زندگی کو کوتاہ کرنے کے ساتھ ساتھ محبت اور مال میں کمی کا باعث بنتا ہے امام علی علیہ السلام نے اپنے خطبوں، خطوط اور اقوال کے ذریعہ رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرنے کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے:

"اے لوگوں، کوئی بھی شخص اگرچہ کہ وہ مالدار ہو اپنے قبیلہ والوں سے حمایت کے سلسلہ میں بے نیاز نہیں ہو سکتا، وہی لوگ سب سے زیادہ اس کے پشت پناہ اور اس کی پریشانیوں کو دور کرنے والے اور مصیبت پڑنے کی صورت میں اس پر شفیق و مہربان ہوتے ہیں۔ اللہ جس شخص کا سچا ذکر خیر لوگوں میں برقرار رکھتا ہے تو یہ اس مال سے کہیں بہتر ہے جس کا وہ دوسروں کو وارث بنا جاتا ہے، دیکھو! تم میں سے اگر کوئی شخص اپنے قریبیوں کو فقر و فاقہ میں پائے تو ان کی احتیاج کو پورا کرنے کے لئے اپنا پہلو تہی نہ کرو جس کے روکنے سے یہ کچھ بڑھ نہ جائے گا اور صرف کرنے سے اس میں کچھ کمی نہ ہوگی"²

¹ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکاة، باب وجوب الزکاة، ج 2، ص: 505، حدیث رقم: 1332

- مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب: الایمان الذی یدخل بہ الجنة، وأن من تمسک بما أمر بہ دخل الجنة، حدیث رقم: 13

- أحمد بن حنبل، المسند، ج 5، ص: 418، حدیث رقم: 23596

- النسائی، السنن الکبری، ج 3، ص: 445، حدیث رقم: 5880.

² نهج البلاغة: خطبة: 142

قرابتداروں کو ان کا حقوق ادا کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ جو کچھ انہیں دیا جا رہا ہے وہ ان کا حق ہے وہ شکر یہ کا مستحق ہیں کیونکہ وہ آپ کے کندھے پر پڑے فرض و قرض کا بھارا تار رہے ہیں۔ لہذا ان پر احسان جتنا سنگین گناہ ہے اس سے سارے اعمال ضائع ہو جانے کا خدشہ پیدا ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ ثَرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾¹

(اے ایمان والو! احسان جتنا کر اور ایذا دے کے اپنی خیرات کو ضائع نہ کرو اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین نہیں رکھتا، سو اس کی مثال ایسی ہے جیسے صاف پتھر کہ اس پر کچھ مٹی پڑی ہو پھر اس پر زور کا مینہ برسا پھر اس کو بالکل صاف کر دیا، ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا ہاتھ بھی نہ لگے گی، اور اللہ کافروں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ طبری لکھتے ہیں:

قال أبو جعفر: يعني تعالى ذكره بذلك أيها الذين آمنوا صدقوا الله ورسوله لا تبطلوا صدقاتكم۔

يقول: لا تبطلوا أجور صدقاتكم بالمن والأذى كما أبطل كفر الذي ينفق ماله (رياء الناس) وهو مرءا اتهاياهم بعمله، وذلك أن ينفق ماله فيما يرى الناس في الظاهر أنه يريد الله تعالى ذكره فيحمدونه عليه، وهو غير مريد به الله ولا طالب منه الثواب،² "یہاں صدقات باطل ہونے سے مراد اذیت اور ایذا کی وجہ سے ان کی اجرت کا ضیاع ہے جس طرح کفر انفاق کرنے والے کا ثواب ضائع کرتا ہے اور ریاء کی وجہ سے ان کا عمل ضائع ہوتا ہے کیونکہ وہ اس مال کو ایسے محل میں خرچ کرتا ہے جہاں لوگ اسے ظاہر ادیکھ سکے اور پھر اللہ اس کے عمل کی تعریف کرے ایسا مال خدا کے ہاں نہ مقبول ہے اور نہ ہی اس سے ثواب مطلوب ہے۔"

ایسے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی تعلیمات کے بارے میں معاشرے میں شعور اجاگر کرنا اور ان مسائل کے نتائج اور اثرات سے انسانی رویوں میں گراوٹ کے بارے میں آگاہی وقت کی اہم ضرورت ہے لہذا سماجی اجتماعات، جمعے کے خطبوں اور سکولوں اور کالج و یونیورسٹیوں میں بنیادی سماجی اخلاقی تعلیمات کو اجاگر کرنا ہر شعبہ فکر سے تعلق رکھنے والے کی ذمہ داری ہے۔

¹ البقرہ: 264

² الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، ذیل آیت ہذا، ج 4، ص: 264

صلہ رحمی کے اثرات

صلہ رحمی کے اثرات نہ صرف فرد کی ذاتی زندگی پر، بلکہ اس کے خاندان، معاشرے اور آخرت پر بھی گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اسلام میں اس کی اہمیت پر بار بار زور دیا گیا ہے اور اس کے مختلف روحانی، اخلاقی، سماجی اور دنیاوی فوائد کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں صلہ رحمی کے کچھ اہم اثرات کو بیان کیا جا رہا ہے:

صلہ رحمی اللہ کی رضا کا سبب اور انسان کی زندگی میں برکات، سکون، اور خوشی کا باعث بنتی ہے۔ جو شخص اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھتا ہے، اللہ اس سے راضی ہوتا ہے اور اسے اپنی قربت عطا کرتا ہے۔ اللہ کا قرب اور رضا انسان کی روحانیت کی ترقی کے لیے انتہائی اہم ہیں۔

صلہ رحمی کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب انسان کسی مشکل یا پریشانی میں ہوتا ہے، تو اس کے رشتہ دار اس کی مدد کرتے ہیں۔ اس سے فرد کو مشکل وقت میں حمایت ملتی ہے، اور وہ اکیلا محسوس نہیں کرتا۔

جدت پسندی اور روایت پرستی میں کشمکش

جدت پسندی اور روایت پرستی کے درمیان امتزاج پاکستانی معاشرے کا ایک اہم اخلاقی مسئلہ ہے۔ جدت پسندی بذات خود ایک مستحسن جذبہ اور انسان کی ایک فطری خواہش ہے، اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو انسان پتھر کے زمانے سے ایٹم کے دور تک نہ پہنچتا۔ چنانچہ اسلام نے جو ایک فطری دین ہے، کسی جدت پر بحیثیت جدت کے کوئی پابندی عائد نہیں کی، بسا اوقات اسے مستحسن قرار دیا ہے اور اس کی ہمت افزائی کی ہے۔ لیکن یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ جس طرح جدت پسندی نے انسان کو مادی ترقی کے بام عروج تک پہنچایا ہے، اسی طرح اس نے انسان کو بہت سے نفسانی امراض میں بھی مبتلا کیا ہے اور بہت سے تباہ کن نقصانات بھی پہنچائے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جدت پسندی ایک دودھاری تلوار ہے جو انسانیت کو فائدہ پہنچانے کے کام بھی آسکتی ہے اور اس کا کام تمام بھی کر سکتی ہے۔ لہذا ایک جدید چیز نہ محض نئی ہونے کی بناء پر قابل قبول ہے اور نہ محض نئی ہونے کی بناء پر قابل تردید۔¹

مغربی تہذیب کے نتیجے میں استعماری قوتوں کا مسلم ممالک پر حملے کے بعد یہ مسئلہ شدت اختیار کر گیا خصوصاً جب دوسری جنگ عظیم کے بعد استعمار بظاہر مسلم ممالک سے خروج تو کر گیا لیکن فکری طور پر مسلمانوں کو اس قدر مغلوب کیا کہ آج بھی مسلمان ان کے انسان سوز معاشی و معاشرتی اور سیاسی پالیسیوں سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ تاہم اس کے رد عمل میں مسلمانوں کے تاثرات بھی مختلف رہیں۔ ان اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر محمد امین لکھتے ہیں:

"مغرب کے اس عمل کے نتیجے میں مسلم معاشرے سے جو رد عمل ابھرا، اسے ہم تین حلقوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک روایتی دینی حلقہ جس نے اس ہمہ جہت تہذیبی حملے کی بھرپور مزاحمت کی اور شکست کے بعد عافیت اس میں جانی کہ اپنے نظریات پر سختی سے قائم رہے اور مغرب سے استفادہ کرے نہ مفاہمت۔ دوسرے وہ حلقہ جو فکری مروجہیت کا شکار ہو گیا اور اس نے مغربی تہذیب اور اس کے اصولوں کی ”بڑائی“ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور وہ اس چیز کا علم بردار بن گیا کہ اپنے نظام فکر و عمل کو بدل کر اسے اس نئی اور غالب تہذیب سے ہم آہنگ کر دے۔ اور تیسرے وہ معتدل مزاج حلقہ جس نے مغرب کے اس فکری چیلنج کی اہمیت کو محسوس کیا اور اپنی اساس سے جڑے رہ کر اپنے نظام فکر و عمل کی کمزوریوں کو دور کرنے اور مغرب کی ان اچھی باتوں کو قبول کرنے میں حجاب محسوس نہ کیا جو اس کے اپنے فکری دائرے کے خانہ مباحات میں قابل قبول ہو سکتی تھیں۔ مسلم معاشرے میں مغربی تہذیب کے غلبے کے خلاف رد عمل میں یہ تین فکری دائرے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔¹

آج بھی یہ نقطہ نظر اپنی جگہ پورے شد و مد کے ساتھ ان تینوں مکاتب فکر میں پایا جاتا ہے اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس فاصلے کو ختم کر کے زمانے کی رفتار کے ساتھ کوئی لائحہ عمل تیار کیا جائے تاکہ روایت اور ماڈرن مفاہیم میں توازن برقرار رکھتے ہوئے سماجی و اخلاقی ترقی کو ممکن بنایا جاسکے۔

یہ بات مسلم ہے کہ ماضی کے افکار اور انکی جہات مستقبل کے خطوط کا تعین کرتے ہوئے حال اور مستقبل کے لئے بنیادیں فراہم کرتے ہیں۔ ول ڈیورائنگ بقول ہر انسان اپنا ماضی ہے اکثر انسانی چہرہ کسی بھی شخصیت کی سوانح عمری کا عکاس ہوتا ہے آج انسان جو کچھ بھی ہے وہ اس لیے کہ سابقہ اصولوں پر کار بند رہ کر اس منزل تک پہنچا ہے اس مرحلے تک ماضی کی پرورش اور زیر تربیت رہا ہے لیکن یہ بات کسی طرح مناسب نہیں کہ انسان صرف ماضی میں کھویا رہے جبکہ صرف ماضی کی وابستگی سے انسان حال سے کٹ جاتا ہے اور خود فریبی کا شکار ہوتا ہے۔

تجدد پسندی نے بہت سے معاشرتی تخیلات میں اہم تبدیلیاں کی ہے جیسے فرد اور خاندان سے متعلق سابقہ روایات میں اخلاقی روایات کچھ اور تھی اب کچھ اور بن گئی ہے پہلے جوائنٹ فیملی سسٹم کو ترجیح دی جاتی تھی لیکن اب افتراقی نظام کو ترجیح دی جاتی ہے سابقہ روایات میں دین کو تمام شعبہائے زندگی میں مرکزیت حاصل تھی لیکن تجدد پسندی کے سیاق میں جدید علوم کے نتائج کے ضمن میں نجی زندگی کا حصہ قرار دیا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں تجدد پسندی جامعیت رکھتا ہے علامہ اقبال نے اس مفہوم کو اجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ آپ لکھتے ہیں:

¹ محمد امین، ڈاکٹر "اسلام اور تجدد پسندی" بصیرہ انسٹیٹیوٹ، 01 دسمبر 2005

"وہ روحانی نظامات جن پر جامد اور مردہ مابعد الطبیعیاتی اصلاحات کی پڑی ہوئی ہے کسی مختلف فکری پس منظر رکھنے والے شخص کو مطلقاً کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے ایسے میں عصر حاضر کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ماضی سے رشتہ بحال رکھتے ہوئے اسلام کے پورے نظام میں غور و فکر کرے۔"¹

تجدید پسندی کے تناظر میں اقبال نے اس ضرورت کو شدت سے محسوس کیا تھا کہ مسلمانوں کو کسی بھی حال میں دینی علوم سے نئے سرے سے رابطہ قائم کرنا وقت کی ضرورت ہے اگر ایسا نہ ہونے کی صورت میں سیکولر نظام تعلیم کی طرف سے دینی علوم و عقائد و اعمال کے مسئلے میں دخل اندازی کے ساتھ دین و دنیا کے فاصلے کو مزید تقویت ملے گی بد قسمتی سے فکر اقبال اور ان کے اس بصیرت کو کوئی خاص پذیرائی نہیں ملی آپ ہمیشہ دینی اور دنیائی تقسیم کے نظریے کو یکسر مسترد کرتے ہوئے تشکیل جدید میں لکھتے ہیں۔

"روحانی اور مادی میدان الگ الگ نہیں کوئی عمل اپنے ظاہر کے اعتبار سے خواہ کتنا ہی دینی کیوں نہ ہو اس کی حقیقت کا دار و مدار عامل کی نیت پر موقوف ہوتا ہے اس حوالے سے دیکھا جائے تو انسان کی باطنی کیفیت یعنی نیت ہی وہ شے ہے جو متعلقہ عمل کی جہت کو متعین کرتی ہے اگر کوئی عمل فطری اصولوں سے ماوراء انجام دیا جائے تو وہ مادی و دنیاوی ہو گا اور اگر فطری اصولوں سے ہم آہنگ اور جڑا ہوا ہو تو یقیناً وہ عمل روحانی ہو گا"²

امام غزالی روحانی اعمال کو بھی دنیاوی قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ فقہ سے تقویٰ کی روح نکل چکی ہے حالانکہ ابتدائی عہد میں فقہ ایسا علم ہوا کرتا تھا جس کا قاری حصول علم کے ساتھ روحانیت بھی کسب کیا کرتا تھا حقیقت یہ ہے کہ آخرت کی نجات اخلاقی اعمال سے وابستہ ہے۔ قرآنی تعلیمات بھی ہمیں اس بات کی ترغیب دیتی ہے کہ روایات سے نکل کر عقلی استدلال کی روشنی میں مستقبل کی تنظیم سازی اور آنے والے مسائل کا مقابلہ کرنے کی حکمت عملی تیار کی جائے۔ قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر غور و فکر کے ذریعے مسائل کی نشاندہی پر زور دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَطْلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾³

(آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں پس ہمیں آگ کی عذاب سے بچالے)

¹ علامہ محمد اقبال، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، ص: 97

² علامہ محمد اقبال، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، ص: 97

³ آل عمران: 191-190

اس آیت کا مستفاد یہ ہو سکتا ہے کہ زمین و آسمان میں غور و فکر کے ذریعے تسخیر کائنات کی جاسکتی ہے اس میں معاشرتی و سماجی تعلقات میں بہتری لا کر ماضی کے حقائق کو مستقبل میں مدغم کیا جاسکتا ہے جس سے مستقبل کے فکری و اخلاقی چیلنجز سے نمٹنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رُوسَى وَأَنْهَارًا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا رُوحَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشَى اللَّيْلُ النَّهَارَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾¹

(اس نے زمین پھیلا کر بچھا دی ہے اور اس میں پہاڑ اور نہریں پیدا کر دی ہے اور اس میں ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے دہرے دہرے پیدا کر دیئے ہیں وہ رات کو دن سے چھپا دیتا ہے یقیناً غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت سے نشانیاں ہیں)

ان آیات کریمہ سے یہ بات واضح ہے کہ قرآن انسان کو روایت سے نکال کر جدید تقاضوں سے ہم آہنگ زندگی گزارنے کے لئے فطرت پر غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے چونکہ ان فطری مظاہر میں غور و فکر کرنے والے کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں اس لئے رب کریم نے تسخیر کائنات کا حکم دیا ہے۔ موجودہ دور میں اسلامی تعلیمات سے دوری یا کم فہمی کی بدولت اسلام پسند عمل کے بغیر اسلام کو پسند کرتے ہیں جب کہ ترقی پسند قرآنی تعلیمات سے آگہی کے بغیر مذہب سے بیزار ہے۔

جذبہ حب الوطنی کا نہ ہونا

پاکستانی معاشرے کو درپیش اخلاقی تحدیات میں سے ایک اہم اخلاقی تحدی قومی جذبے کا فقدان ہے۔ حب الوطنی، یا "وطن سے محبت"، ایک ایسا جذبہ ہے جس میں فرد اپنے وطن یا ملک سے بے پناہ محبت، وفاداری، اور لگاؤ محسوس کرتا ہے۔ یہ جذبہ فرد کی ذہنی، جذباتی اور اخلاقی وابستگی کا اظہار ہے، جو اسے اپنے ملک کی فلاح، ترقی، اور کامیابی کے لئے محنت کرنے پر بھارتا ہے۔ حب الوطنی ایک قومی یا شہری ذمہ داری کا بھی شعور دیتی ہے، جس کے تحت انسان اپنے وطن کی خدمت اور اس کی سلامتی کے لئے کوشش کرتا ہے۔ سرزمین مکہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کے جذبات کچھ یوں ہیں:

((اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَرَجَ مِنْ مَكَّةَ قَالَ: إِنَّكَ لَأَحَبُّ بِلَادٍ إِلَى اللَّهِ، وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمَكَ أَخْرَجُونِي مِمَّا خَرَجْتُ، يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ: إِنَّ وَلِيِّنَا مِنْ هَذَا الْأَمْرِ شَيْنًا، فَلَا تَمْنَعُوا طَائِفًا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ سَاعَةً مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ، وَلَوْلَا أَنَّ تَبَطَّرَ قُرَيْشٌ لَأَخْبَرْتَهَا بِمَا لَهَا عِنْدَ اللَّهِ كَمَا رَزَقْتَنَا (رَزَقْتُمْ أَوْلَهُمْ فَأَذِنُوا أَخْرَجَهُمْ نَوَالًا))²

¹الرعد: 03

اسحاق بن راہویہ، المسند، کتاب المناسک، فضیلتہ المکرمہ، حدیث رقم: 377

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ سے روانہ ہوئے تو فرمایا: ”بے شک تو اللہ کے شہروں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، اگر تیرے رہنے والے مجھے نہ نکالتے تو میں نہ نکلتا، بنو عبد مناف! اگر تمہیں اس کی سرپرستی مل جائے تو تم دن یارات کے کسی بھی حصے میں کسی بھی طواف کرنے والے کو منع نہ کرنا، اگر قریش اترانے نہ لگتے تو میں انہیں اس مقام کے متعلق بتاتا جو ان کا مقام اللہ کے ہاں ہے، اے اللہ! جس طرح تو نے ہمیں رزق عطا فرمایا۔۔۔“

حب الوطنی میں قوم کے مفاد کو ذاتی مفادات پر ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ جذبہ فرد کو اپنی قوم کی خدمت کرنے، اس کی حفاظت کرنے اور اس کے لیے قربانی دینے کی ترغیب دیتا ہے۔ حب الوطنی کا مقصد صرف شخصی فلاح نہیں ہوتا بلکہ پورے ملک کی فلاح کو اہمیت دی جاتی ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ حب الوطنی کی اس قدر اہمیت کے باوجود پاکستانی سماج لسانی، علاقائی اور مذہبی اعتبار سے مختلف طبقات میں بٹا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ قومی ادارے بھی صرف قومیت کے جذبے سے سرشار ہونے کی بجائے ادارہ جاتی تشہیر اور اپنی فوقیت کو برقرار رکھنے کی جھٹن میں مصروف عمل ہیں۔¹ جذبہ قومیت ایک ایسا عنصر ہے جو کسی بھی قوم کے لئے قوت مدافعت کی تقویت کا ضامن ہوتا ہے یہ قومی وجود کو انتشار سے بچانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ قومیت کی تین جہات بہت نمایاں ہیں:

¹ الوصیۃ ² القومیۃ ³ الوطنیۃ

الوصیۃ: اس سے مراد وہ نسلی یا قبائلی ارتباط ہے جس کی بدولت معاشرہ کی ابتدائی شکل وجود میں آتی ہے اس تعلق کے بغیر معاشرے کی بنیاد منہدم ہو جاتی ہے۔ اس نسلی اور قبائلی ارتباط کا قوام عصیۃ کے ذریعے ممکن ہو جاتی ہے جس سے نظم اجتماعی تشکیل پاتا ہے۔ اس لئے ایک ریاست کے پیچھے اہل عصبہ کا بہت بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ * ابن خلدون اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

¹ شبلی نعمانی، ابن خلدون عبد الرحمن بن محمد، مقدمہ ابن خلدون، دار الفکر بیروت، ص: 165

* ابن خلدون (پیدائش: 1332ء - وفات: 1406ء) عالم اسلام کے مشہور و معروف مورخ، فقیہ، فلسفی اور سیاستدان تھے۔ ان کا مکمل نام ابو زید عبد الرحمن بن محمد بن محمد بن خلدون ولی الدین التونسی الحضرمی الاشبیلی المالکی تھا۔ وہ تیونس میں پیدا ہوئے اور تعلیم سے فراغت کے بعد تیونس کے سلطان ابو عنان کے وزیر مقرر ہوئے، تاہم درباری سازشوں سے تنگ آکر حاکم غرناطہ کے پاس چلے گئے۔ یہ سرزمین بھی راس نہ آئی تو مصر آگئے اور جامعہ الازہر میں درس و تدریس پر مامور ہوئے۔ مصر میں انہیں فقہ مالکی کا منصب قضا توفیق فرمایا گیا۔ اسی عہدے پر انہوں نے وفات پائی۔ ملاحظہ کیجیے۔ محمد بن تاویت الطنجی، رحلت ابن خلدون، (بیروت: اریاد الآفاق) ص: 31

² الحجرات: 13

"ان الرياسته على اهل العصبية لا تكون في غير نسبهم وذائك ان الرياسته لا تكون الا بالغلب و والغلب انما يكون بالعصبية كما قدمناه ، فلا بد في الرياسته على القوم ان تكون منعصية غالبته لعصبيا تهم"¹

"رياست کا قیام اہل عصبہ کے بغیر ممکن نہیں اور یہ عصبیت یکساں نسب کے بغیر ممکن نہیں اس لیے کہ ریاست غلبہ کے علاوہ قائم نہیں ہو سکتی اور غلبہ کا سبب عصبیت ہے یوں ضروری ہے کہ ریاست اس قوم پر مشتمل ہو جو ان کی عصبیتوں میں سے غالب عصبیت رکھتی ہو۔"

پاکستانی سماج میں اس جزبے کے فقدان کی وجہ درحقیقت یکساں نسب اور ایک ہی اہل عصبہ کا نہ ہونا ہے اس علاقے میں مختلف اقوام آباد ہیں جن کا رہن سہن، عادات و اطوار اور مذہبی رسومات ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہے۔ اس وجہ سے قومی تعصب پر علاقائی اور لسانی تعصب حاوی ہوتا نظر آتا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو ان ضمنی تعصبات کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ تمام اقوام کو ایک ہی ملت میں مدغم ہونا اسلام کی نظر میں زیادہ مرغوب ہے اس سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾²

(لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے خلق کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائیں اس لئے کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے ہاں تم میں زیادہ مکرم پرہیزگار والا وہی ہے)

ان تعصبات سے قطع نظر قیام پاکستان کا اساسی تصور کلمہ لا الہ الا اللہ تھا۔ اسی اساس تصور نے جذبہ قومیت کو وہ عروج عطا کیا کہ جس کے بطن سے دو قومی نظریہ مسلمانوں کی اُمید بن کر ابھری۔ جذبہ قومیت ہی تحریک پاکستان کی وہ اساس تھا جس نے مسلمانوں کو یہ باور کرایا کہ تہذیب اسلام اور تہذیب ہندو میں کسی قسم کی یکسانیت اور اشتراک نہیں پایا جاتا۔ دونوں کے زندگی کے سلیقے اور طریقے مختلف الجہات صفات کے حامل ہیں۔ اس تفریق کی وضاحت کرتے ہوئے قائد اعظم فرماتے ہیں:

"The difference b/w Hindus and Muslims is deep rooted and meradicable, we are a nation with our own distinctive culture and avdisatuion, language and literature, art and architecture, name and women culture, sense of value and proportion, legal laws and moral

¹ شبلی نعمانی، ابن خلدون عبد الرحمان بن محمد، مقدمہ ابن خلدون، دار الفکر بیروت، ص: 165

² الحجرات: 13

codes, custom and clemders, history and traditions, patricide and ambitions, in short we have our own distinctive outlook on life and of life.”¹

مسلمان اور ہندو کے مابین اختلافات بہت وسیع اور گہرے ہیں ہم ایک الگ قوم ہیں ہماری اپنی تہذیب اور تمدن ہے زبان ادب، رسوم و رواج، اخلاقیات، قوانین و تاریخ، نام، مقاصد اور نظریات سب میں ہم ایک الگ اور نمایاں قوم ہیں۔ اسلام اپنے نظریہ قومیت میں ممتاز اور نمایاں ہے چونکہ دنیا میں چلنے والی قومی تحریک کے مقاصد اور اسباب یا تو لسانی ہوتے ہیں یا پھر اور علاقائی نوعیت کے ہوتے ہیں جس پر ان کے پیروکار جان نچھاور کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے لیکن اسلام کا قومی نظریہ مادی مرغوبات سے ماوراء انسانی خدمت کے جذبے سے سرشار ہوتا ہے جس کا محور انسانی دکھوں کا مداوہ اور انسان پرور ہوتا ہے۔ انہیں تعلیمات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے علامہ اقبال نے فلسفہ خودی اور دیگر عناوین کے ضمن میں مسلمانوں کی ضمیر کو جھنجھوڑتے کی کوشش کرتے ہیں۔

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا نہ تورانی ہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی²

اقبال کے نزدیک رنگ و نسل اور گروہ و قبائل کوئی معنی نہیں رکھتے کیونکہ ان سے انتشار اور تقسیم لازم آنے کی وجہ سے ملت کمزور ہو جاتی ہے اور قومی تشخص مجروح ہوتا ہے حالانکہ اس ملت کا طرہ امتیاز ایمانی طاقت سے سرشار ہونا ہے پس اقبال کی قوت ایمانی اس بات کی ترغیب دیتی ہے کہ مسلمان اسلام کے رشتے سے اپنے آپ کو منسلک کرے اور ایک عظیم قوم بن کر دنیا کو تسخیر کرے۔ اقبال کے اس خواب کو قائد اعظم نے شرمندہ تعبیر کیا۔ ان کے نزدیک بھی دو بالکل اجنبی آدمی اسلام میں متحد ہونے کی وجہ سے ایک قومیت میں مشترک ہیں۔ علامہ مودودی جیسی قد آور شخصیات اس سوچ کی تائید میں لکھتے ہیں:

¹K.A.K Yusufi, Speeches Statements and Messages of quid Azam, iqbal

Bazam, Lahore, 1996, vol

3, p: 1578

²علامہ اقبال، بال جبریل، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1978)، ص: 132

"وہ نظام فی الواقع اسلامی ہو جیسا کہ وعدہ کیا جا رہا ہے تو ہم دل و جان سے اس کے حامی ہوں گے اور اگر وہ غیر اسلامی نظام ہو تو ہم اسے تبدیل کر کے اسلامی اصولوں پر ڈالنے کی جدوجہد کرتے رہیں گے جس طرح موجودہ نظام میں کر رہے ہیں" ¹

بد قسمتی سے آج جذبہ قومیت آہستہ آہستہ مضمل ہو کر معاشرہ گروہی شکل اختیار کرنے لگا ہے جس کی وجہ سے ہر شخص ملکی اور علاقائی مفادات سے احتراز کرتے ہوئے ذاتیات کو ترجیح دیتا ہے۔ احادیث مبارکہ میں بھی قومی غیرت رکھنے کی ستائش کی گئی ہے خصوصاً جب اس بنیاد پر کسی سے کار خیر انجام دیں یا کسی رشتہ دار سے حُسن سلوک کرے۔ آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے:

((حَطَبْتُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ خَيْرُكُمْ الْمُدَافِعُ عَنْ عَشِيرَتِهِ مَالَمَ يَأْشُمِ)) ²

(رسول اللہ نے خطبے میں ارشاد فرمایا کہ تم میں بہترین مدافع کرنے والا ہے وہ جو اپنے خاندان کا دفاع کرے بشرطیکہ اس معاملہ میں کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرے۔)

حدیث کی رو سے یہ بھی ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص عصبیت کے ذریعے معاشرتی انتشار پھیلانے کی کوشش کرے تو پھر یہ قابل مذمت امر ہے۔ اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے۔

((أَلَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصَبِيَّتِهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْعَصَبِيَّةُ؟ قَالَ: إِنْ تَعَيْنَ قَوْمَكَ عَلَى ظُلْمٍ)) ³

(وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف پکارے، عصبیت کے بارے میں سوال پر آپ نے فرمایا: تم اپنی قوم کی ظلم میں مدد مت کرو)

پاکستانی معاشرہ موجودہ دور میں تصور قومیت سے عاری ایک منتشر مملکت کے روپ میں دیکھائی دیتا ہے۔ اسی دھرتی سے پیار کرنے والے اور قومیت کا نعرہ لگانے والے مفلوج الحواس ہو چکے ہیں۔ اس دھرتی ماں کا دکھ اور درد میں شریک اور اس کا احساس کرنے والے بہت ہی کم افراد رہ چکے ہیں حالانکہ جن تعلیمات اور اساسی تصورات کیوجہ سے پاکستان کا قیام عمل میں آیا وہ دھرتی ماں اور وطن سے محبت کو جزو ایمان قرار دیتی ہے۔ عبداللہ بن عدی رضی اللہ سے مروی ہے کہ

¹ سہ روزہ کوثر، رسائل و مسائل 5 جولائی، 1994، ج 1، ص: 363

² ابوداؤد سلیمان البحرانی، السنن، باب فی العصبیہ، (بیروت: دار الفکر)، ج 2، ص: 753، حدیث: 5120

³ ایضاً، باب فی العصبیہ، 2/753

((قال: رائيت رسول الله واقفا على راحليته)) (فقال: انك لخير الارض الله واجب
ارض الله اليا لله ولولا اني اخرجت منك ما خرجت)¹

(میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی سواری پر کھڑے ہوتے ہوئے دیکھا پس آپ ﷺ نے فرمایا! تم اللہ کی زمین
میں سب سے اچھی جگہ ہو اور اللہ کے نزدیک اللہ کی زمین میں سب سے زیادہ محبوب جگہ ہو اور اگر اس سے میری
قوم نہ نکالتی تو میں اس سے نہ جاتا)

اسی طرح امام بخاری نے روایت نقل کی ہے کہ

((ان النبي كان اذا اقدم من سفر فايصر درجات المدينة اوضع ناقته اى اشترى بهاء)²
(آپ جب سفر سے واپسی ہر مدینہ تشریف لاتے تو مدینہ کے راستے یا مکانات نظر آتے ہی آپ اپنی سواری کو مدینہ
کی محبت میں تیز کر دیتے۔)

ابن حجر عسقلانی اس حدیث سے استدلال میں رقم طراز ہیں کہ اس سے مدینہ کی فضیلت کے ساتھ ساتھ وطنیت سے
محبت کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔

"دلالة على فضل المدينة على مشروعية حب الوطن والحسين الله"³
"یہ مدینہ کی فضیلت اور حب الوطنی کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے"

ان احادیث مبارکہ سے یہ نتیجہ نکلا جاسکتا ہے کہ وطن سے محبت ایمان کا حصہ ہے وطن کی مٹی سے محبت اور عقیدت
فطرت انسان کا لازمہ ہے لیکن بد قسمتی سے اسلامی تعلیمات سے روگردانی کی وجہ سے مسلمان ہر گوشہ کنار میں روبہ زوال
ہیں۔ اخلاقی اور انسانی اقدار لقلعہ لسانی اور تکیہ کلام تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں لیکن اگر قومی غیرت کا مظاہرہ کرتے
ہوئے تعلیمات اسلامی کو زندہ کیا جائے تو ایک خوددار معاشرے کا قیام ممکن ہو سکتا ہے۔ یہ ملک ہمارا ہے یہ وطن ہمارا ہے
ہمارا دین دھرتی ماں سے محبت کو عقیدے کا حصہ قرار دیتا ہے۔ اس وطن کی بقاء کے ساتھ ہمارا مستقبل جوڑا ہوا ہے۔ اس
کی عزت ہماری عزت ہے اس کا وقار مکین کی تعظیم ہے۔ لہذا جذبہ قومیت اور عصبيت کے ذریعے ہمیں دوبارہ ایک قوم
بننے کی ضرورت ہے۔

¹ترمذی، السنن، ابواب المناقب، باب: فی فضل مکہ، (مصر: مطبع المصطفیٰ)، ص: 5/722، حدیث رقم: 3925

²بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب: من اسرء ناقته، (بیروت: دار ابن کثیر)، ص: 638، حدیث رقم: 1708-1707

³عسقلانی، احمد بن علی ابن حجر عسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح بخاری، (مصر: مؤسسه الرسالۃ ناشر ون)، ص: 1/123

باب چہارم: پاکستانی مسلم معاشرے میں فکری و اخلاقی تحدیات کے اسباب و عوامل کا تجزیہ

فصل اول: پاکستانی مسلم معاشرے کی فکری تحدیات کے اسباب و عوامل

فصل دوم: پاکستانی معاشرے میں اخلاقی تحدیات کے اسباب و عوامل

فصل سوم: پاکستانی معاشرے کی فکری و اخلاقی تحدیات کے اثرات

باب چہارم:

پاکستانی مسلم معاشرے میں فکری و اخلاقی تحدیات کے اسباب و عوامل کا تجزیہ

اس باب میں پاکستانی معاشرے کو درپیش فکری و اخلاقی تحدیات کے اسباب و عوامل اور ان کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ چونکہ جتنے بھی تحدیات زمانے کے ساتھ وجود میں آتی ہیں ان کے پیچھے کچھ عوامل ضرور کارفرما ہوتی ہیں جن کی وجہ سے اخلاقی و فکری نشیب و فراز کسی بھی معاشرے کا مقدر بن جاتا ہے۔ پاکستانی سماج آج بھی ان اسباب اور عوامل سے چشم پوشی کئے ہوئے ہیں جس سے مسائل سلجھنے کے بجائے دن بدن الجھتے چلے جا رہے ہیں۔

اسلامی معاشرے کی بنیاد دو چیزوں پر رکھی گئی ہے اگر یہ دونوں چیزیں یا ان میں سے ایک معاشرے میں نہ ہو تو اس معاشرے کو اسلامی معاشرہ نہیں کہا جاسکتا، ان میں سے ایک قرآن اور دوسری پیغمبر اسلام کی سیرت، کیوں کہ جس طرح قرآن بنی نوع انسانی کے لیے ایک دستور حیات ہے تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اقدس نمونہ عمل ہے، آج جو اخلاقی زوال بے راہ روی اور حقوق کی پامالی کی شکل میں ہمیں نظر آرہا ہے اسے دور کرنے کے لیے وہی حکمت عملی اختیار کرنی ہوگی جو ہادی اعظم اور محسن انسانیت نے اس دور جاہلیت میں استعمال کی، اس بگڑے معاشرے کی فکری تطہیر اور عمل کے تزکیے کے لیے توحید کا صحیح شعور پیش کرنا لازم کیا گیا تھا، بالکل اسی طرح آج کتاب اللہ اور حدیث نبوی سے وابستگی اور زندگی کے تمام شعبوں میں اس کے نفاذ کا چیلنج درپیش ہے۔

اخلاقی اقدار کسی بھی قوم کی زندگی کے لیے ریڑھ کی حیثیت رکھتے ہیں، خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اخلاق دنیا کے تمام مذاہب کا مشترکہ باب ہے جس پر کسی کا اختلاف نہیں، انسانوں کو جانوروں سے ممتاز کرنے والی شے اخلاق ہی ہے، اچھے اور عمدہ اوصاف و کردار جس کی قوت اور دوستی سے قوموں کا وجود، استحکام، اور بقا کا انحصار ہوتا ہے، معاشرے کے بناؤ اور بگاڑ سے قوم براہ راست متاثر ہوتی ہے، معاشرہ اصلاح پذیر ہو تو اس سے ایک قوی، صحت مند اور مستحکم قوم وجود میں آتی ہے اور اگر معاشرہ بگاڑ کا شکار ہو تو اس کا فساد قوم کو گھن کی طرح کھا جاتا ہے جس معاشرے میں اخلاق جمیلہ ناپید ہو وہ کبھی مہذب نہیں بن سکتا، اس میں کبھی اجتماعی رواداری مساوات، اخوت، باہمی بھائی چارگی پر وان نہیں چڑھ سکتا جب کہ آج مسلم معاشرے کی صورت حال قابل اشک ہے یہ تعلیمات محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری کی وجہ سے ہیں، اگر ہم اپنی حیثیت کو سیرت نبوی اور اسلاف کے طریقے کی روشنی میں سمجھیں اور اس پر عمل کے لیے کھڑیں ہو تو یقیناً ہمارا بگڑا معاشرہ اصلاح کی راہ پر گامزن اور گھر، خاندانی نظام اور معاشرہ میں امن و سکون ہو گا۔

فصل اول: پاکستانی مسلم معاشرے کی فکری تحدیات کے اسباب و عوامل

یہ بات حقیقت ہے کہ قوتوں کا عروج و زوال اور نشیب و فرازان کی فکری استعداد اور صلاحیتوں کی مرہون منت ہوتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں مسلم سماج کی تہذیب و تمدن کو جو عروج حاصل ہوا اس کی اصل بھی فکری جدت تھی جس کے توسط سے فکری انقلاب ممکن ہو سکا اور اسلامی سرچ اپنی منطق کی جاذبیت سے تمام عالم تک پھیلنے میں کافی حد تک کامیاب ہوا۔ لیکن ان ادوار میں مسلم سماج کا یہ عروج اس وقت رُوبہ زوال ہوا جب فکری انحطاط پیدا ہونے لگا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے اسباب ہیں ان میں سے چند اہم اسباب کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

علم و تحقیق کے معیارات سے بے توجہی

فکری تحدیات کا ایک اہم سبب علم و تحقیق کے معیارات سے بے توجہی ہے۔ مذہبی، لسانی، علاقائی اور سیاسی تعصبات نیز اقرباء پروری اور بد عنوانی (فکری و مادی کرپشن) نیز نامعقول وسائل کی وجہ سے حقائق اکثر مخفی رہتے ہیں بد قسمتی کی بات ہے کہ معاشرے میں ہر چیز گوارا کی جاتی ہے، لیکن معیاری علم و تحقیق کا وجود کسی حال میں گوارا نہیں کیا جاتا۔ خرافات پر تحسین و آفرین کے نعرے بلند کرتے، مگر کسی علمی دریافت اور تحقیقی کارنامے کے لیے، بالخصوص اگر وہ دین سے متعلق ہو تو ان کے پاس اینٹ پتھر کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سماج ان فکری تحدیات کا احاطہ کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ معیاری تحقیق کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے ابھرتے ہوئے مسائل اور ان کے نتائج کا تجزیہ کیا جاتا اور پھر اس مسئلے کا دقیق حل تلاش کیا جاتا ہے جس سے سماج مستقبل میں اس چیلنج سے نمٹنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

قرآن نے سابقہ امتوں پر معیاری تحقیق کی بہت تاکید کی ہے تاکہ اس تحقیق کے ذریعے سابقہ امت اور ان کے مسائل کا بخوبی جائزہ لیا جائے تاکہ بعد والی امت پر آنے والے مصائب و آلام کا بہتر طریقے سے تدارک کیا جاسکے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾¹

(یقیناً ان کے قصوں میں صاحبان عقل کے لئے عبرت ہے)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

¹ یوسف: 111

﴿فَافْصُصْ الْفَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾¹

(آپ قصے بیان کر دیجئے ہو سکتا ہے یہ غور کریں)

گذشتہ قوموں کی تاریخ اور راہبروں کی سیرت پر تحقیق سے بہت سے فکری تحدیات کا حل ڈھونڈا جاسکتا ہے۔ آج عدم تحقیق کی وجہ سے بہت سے مسائل کا سامنا ہے۔ اگر معیاری تحقیق سے تمسک کیا جائے تو بہت سے شکوک و شبہات اپنی آپ دم توڑیں گی جیسا کہ قرآن نے کسی بھی اقدام سے پہلے تحقیق کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْحَبُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ لَنِدْمٍ﴾²

(اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کوئی نقصان پہنچا بیٹھو کسی قوم کو بے علمی کی بنا پر تو پھر اس کے نتیجے میں تمہیں خود اپنے کیے پر شرمندگی اٹھانی پڑے۔)

اسی طرح قرآن کریم میں متعدد مقامات پر لوگوں کے سوال نقل کر کے جواب کا ذکر ہے تاکہ ان کی معلومات میں اضافہ اور تحقیق کی راہیں ہموار ہوں۔ لیکن ہمارا سماج اس کے برعکس روش اختیار کر چکا ہے۔ یہاں سب سے بڑا مرض عامیانہ تقلید کا مرض ہے۔ ہر وہ چیز جسے لوگوں نے اختیار کیا ہوا ہے جواب ان کے لیے ایک روایت کی حیثیت رکھتی ہے، وہ اگرچہ کتنی ہی غلط کیوں نہ ہو۔ لوگ اس پر کوئی تنقید سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ان کی ساری تگ و دو کا محور صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنی اس روایت کو بچانے میں کامیاب ہو جائیں۔ چنانچہ وہ تنقید کرنے والے کے دلائل سے گریز کر کے ہر طریقے سے حق کو باطل اور باطل کو حق بنادینے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس طرح کے لوگ چونکہ احساس کمتری کے مریض اور خود اعتمادی سے محروم ہوتے ہیں، اس وجہ سے دوسرے مذہبی پیشوا اگر کسی رائے کو غلط کہیں تو یہ اسے گمراہی کہتے ہیں، وہ اسے گمراہی قرار دیں تو یہ اسے فتنہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انھیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ حق کیا ہے اور باطل کیا؟

تحقیق نہ صرف شک کو رفع کرتی اور نہ تحیر کو دور کرتی ہے بلکہ آدمی کیلئے نئی راہیں کھولتی ہے۔ وہ مسائل کو حل کرتی اور غلطیوں کو سنبھالتی ہے۔ وہ خامیوں کو دور کرتی اور خوب کو خوب تر بناتی ہے وہ آئینوں کی قدر سکھاتی ہے وہ انسان کے مقاصد کی تکمیل میں معین ثابت ہوتی ہے۔ تحقیق کی بدولت ہم دنیا کی گونا گوں تہذیبوں کو اپنا سکتے ہیں۔ غیر مرئی چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ اس طرح تحقیق آدمی کو پوری کائنات سے رشتہ جوڑنے میں مدد دیتی ہے۔ موجودہ دور بہت سی ذہنی و

¹ الاعراف: 176

² الحجرات: 6

مادی ترقیوں کا سبب یہی تحقیق ہے۔ ریل اور جہاز کی تیز رفتاری نے سفر اور رسل و رسائل میں آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ انجینرنگ کے کارناموں نے اولاد آدم کو مبہوت کر رکھا ہے۔ بجلی کی روشنی سے تاریک دیہات جگمگانے لگے ہیں۔ بہت سے خطرناک امراض کا تقریباً خاتمہ ہو چکا ہے۔ یا ان کا کامیاب علاج تلاش کیا جا چکا ہے غرض علوم و فنون کی ترقی تعلیم و تربیت کے ماہرانہ طریقے راحت کے سامان کی فراوانی انسانی دکھوں کا علاج اور مشکلات کا حل تحقیق ہی کی بدولت ہے اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ تحقیق کا مقصد انسانیت کی خدمت ہے۔ احادیث مبارکہ بھی تحقیق کی اہمیت کو بیان کر رہی ہے:

"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث معاذاً إلى اليمن، فقال: كيف تقضي؟ فقال: اقضي بما في كتاب الله. قال: فإن لم يكن في كتاب الله؟ قال: فبسنة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم. قال: فإن لم يكن في سنة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال: اجتهد رأيي، قال: الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم¹."

"حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ پیش ہو جائے تو انہوں نے کہا اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی کتاب میں وہ مسئلہ نہ پاؤ تو؟ عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر سنت رسول میں بھی نہ پاؤ تو اور کتاب اللہ میں بھی نہ پاؤ؟ تو انہوں نے کہا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کمی کوتاہی نہیں کروں گا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ کو تھپتھپایا اور فرمایا کہ اللہ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں جس نے اللہ کے رسول کے رسول (معاذ) کو اس چیز کی توفیق دی جس سے رسول اللہ ﷺ راضی ہیں۔"

یہ حدیث بھی بڑی وضاحت سے تحقیق کی اہمیت کو بیان کر رہی ہے دینی اور شرعی امور کے علاوہ دنیاوی باتوں کی تحقیق بھی کی جاسکتی ہے استاد طلباء سے ایسے سوالات کر سکتا ہے جن سے ان کے علم میں اضافہ ہو بزرگوں اور بڑوں کی مجالس میں ادب و احترام کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا جائے۔ جس چیز کا علم نہ ہو اس کے بارے میں پوچھنے سے شرم نہیں کرنی چاہیے اسی طرح تحقیق کو ہم وسیع پیمانہ پر تلاش و جستجو کا نام دے سکتے ہیں۔ لہذا فکری تحدیات کے لئے ایک بہت بڑا سبب پاکستانی مسلم سماج کے لئے علم و تحقیق سے دُوری ہے جس کی وجہ سے مسائل کا ادراک مشکل ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں پورا معاشرہ مختلف مسائل کا شکار ہو کر رُوبہ زوال ہوتا ہے۔

¹ترمذی، السنن، کتاب الأحکام عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء في القاضي كيف يقضي، حدیث رقم: 1327

-ابوداؤد، السنن، کتاب الأحکام، باب ما جاء في القاضي، حدیث رقم: 3592

مثالی یا آئیڈیل قیادت کا بحران

فکری تحدیات کا ایک اہم سبب امت مسلمہ میں قیادت کا فقدان ہے۔ ایک بہترین لیڈر وہ ہوتا ہے جو متحرک کرتا ہے، جو ایسے فیصلے کرتا ہے جو اس کی قوم پر مثبت اثرات ڈالتے ہیں، وہ ایک ایسے ریڈار کی مانند ہوتا ہے جو قبل از وقت قوم پر پڑنے والے مسائل سے بھر وقت آگاہی رکھتا ہے اور ان کے سامنے سیسہ پلائی دیوار کی مانند کھڑا ہو کر ان مسائل کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے اور ایسے اصول وضع کرتا ہے جن سے مختلف تحدیات اپنی آپ دم توڑتی ہیں۔ قیادت کا بنیادی مقصد انسانوں کی درست رہنمائی اور ان کے مسائل کا آسان حل فراہم کرنا ہوتا ہے۔ باشعور، باصلاحیت اور دیانت دار قیادت نہ صرف انسانی مسائل کے حل میں ہمیشہ مستعد و سرگرم رہتی ہے بلکہ معاشرے کی خوشحالی امن اور ترقی میں بھی کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ قیادت متعین مقاصد کے حصول کے لئے عوام کو بلا جبر و اکراہ ایک طے شدہ سمت پر گامزن کرنے کا نام ہے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد امت قیادت کے اس تصور سے محروم ہو گئی جو تصور قیادت کتاب و سنت نے دیا تھا جیسا کہ قرآن میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَ
نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَاللَّهُ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾¹

(وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں تو نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں اور اللہ ہی کے قبضے میں سب کاموں کا انجام ہے۔)

نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل دنیائے انسانیت دم توڑ رہی تھی۔ ہر طرف ظلم و ستم کا بازار گرم تھا، رقص و سرور میں ڈوبے عیش پسند ناعاقبت اندیش رہ نماؤں اور بادشاہوں کو عوام کی ذرہ برابر بھی فکر نہ تھی بلکہ وہ وقفا فوفا انھیں اپنے عتاب کا شکار بناتے رہتے تھے۔ مگر یہ بادل چھٹا اور آفتاب کی شکل میں ایک عظیم رہ نما نمودار ہوا جس نے لوگوں کو معرفت خداوندی کے ساتھ قیادت و سیادت کے اصول سمجھائے۔ لوگوں کے دکھ درد بانٹ کر انھیں حقیقی زندگی جینا سکھایا اور بتایا کہ بہترین انسان ہی بہتر قائدانہ کردار پیش کر سکتا ہے۔ حقیقی قائد وہ ہے جو امانت دار، امن و امان کا خواہاں اور انسانوں کی ضروریات پوری کرنے والا ہو نہ کہ عیش و عشرت کا خواہاں ہو۔ یہ بہتر قیادت عملی طور پر کیسے ممکن ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی پوری زندگی سے اس سوال کا جواب فراہم کیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْنُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْنُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))¹

(تم میں کا ہر شخص ذمہ دار ہے، ہر ایک سے اس کی رعیت کے سلسلے میں باز پرس ہوگی۔ پس امام راعی ہے اور

اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔)

آج کی قیادت میں اسلامی روح ناپید ہو چکی ہے، نہ اسے نماز کی فکر ہے اور نہ ذکوۃ اور نہ امر بالمعروف میں دلچسپی رکھتی ہے انہیں عوام کے مسائل سے کوئی خاص سروکار نظر نہیں آتا۔ بہر حال تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف ممالک میں نامور قیادت وقتاً فوقتاً طلوع ہوتی رہی لیکن ان کی اساس خاندانی اقتدار پر تھی ایسی قیادتوں کا المیہ یہ رہا کہ کچھ قیادتیں اس خیال سے رعایا کی فلاح کے کام کرتی رہی کہ اگر رعایہ فحش اور خوشحال ہوگی تو ہماری خاندانی قیادت کے لیے کوئی چیلنج درپیش نہیں ہوگا اور کچھ دوسری قیادتیں رعایا کو علمی اور معاشی طور پر نچلے درجے پر رکھنے کی پالیسی پر گامزن رہی تاکہ کسی میں اتنا حوصلہ پیدا نہ ہو کہ ہماری قیادت کو چیلنج کر سکے۔

آج انسان کو ایک ایسے قائد و آئیڈیل کی ضرورت ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں اس کی رہنمائی و رہبری کر سکے جس کی زندگی میں اعتدال و توازن ہو۔ قائد کے بیان کردہ اصول و قوانین انسانی فطرت کے عین مطابق ہوں۔ اس سلسلے میں قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں چند اصولوں کی یقین دہانی مقامی قیادت و سیادت کے لئے انتہائی ضروری ہے تاکہ ان فکری اور اخلاقی تحدیات کا سدباب ہو سکے۔

اخلاص:

قیادت کی کامیابی و کامرانی میں اخلاص کا کلیدی کردار ہوتا ہے۔ قیادت یقیناً ہمیشہ وقتی مصلحتوں اور تقاضوں کے گھیرے میں رہتی ہے لیکن قائد کا اخلاص و للہیت اسے وقار و مرتبہ عطا کرتا ہے۔ عبادات میں اگر اخلاص شامل نہ ہو تو فرض تو ادا ہو جائے گا لیکن عرفان الہی کی دولت سے انسان محروم رہے گا۔ سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دعوت حق پر آپ ﷺ کو مکہ کے بت پرستوں نے کتنی اذیتیں نہ دیں، کیسے کیسے لالچ آپ ﷺ کو نہیں دیئے گئے لیکن آپ ﷺ کے پائے استقامت و اخلاص میں کوئی فرق نہیں آیا۔ آپ ﷺ نے ہر طرح کی اذیتیں برداشت کیں اور ہر قسم کی لالچ کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ دنیا گواہ ہے کہ یہ مشقتوں اور آزمائشوں کا دور ختم ہو گیا اور صرف 23 سالوں میں صفحہ ہستی پر ایک ایسا عظیم انقلاب رونما ہوا جس نے ہر ظلم، ہر باطل کو خس و خاشاک کی طرح بہا دیا۔ کسی بھی

¹ ابو داؤد، السنن، کتاب الخراج والامارۃ والنفی، باب: ما یلزم الإمام من حق الرعیۃ، حدیث رقم: 2928

تحریک انجمن اور تنظیم کے قائد اور کارکنان میں خلوص نیت کا پایا جانا اہم ہے۔ جب قائد و قوم اخلاص سے متصف ہو جاتے ہیں تو ان کے قدموں تلے عظمتوں اور رفعتوں کے پرچم سرنگوں ہو جاتے ہیں۔
علم:

علم ملک و ملت کے لئے قلعہ اور ذرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ علم میں انسانوں کی بھلائی، بہتری، ترقی، استقامت، تزکیہ، رشد و ہدایت، سعادت مندی اور نسلوں کا تحفظ پنہاں ہے۔ علم سے ذہن و دل روشن ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو علم کے ذریعے فرشتوں پر برتری عطا فرمائی۔

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾¹

(اور اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو تمام (اشیاء کے) نام سکھا دیئے پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا، اور فرمایا: مجھے ان اشیاء کے نام بتا دو اگر تم (اپنے خیال میں) سچے ہو۔)

قیادت کے تقاضوں میں علم و حکمت کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ علم سے آدمی میں خیر و شر کی تمیز پیدا ہوتی ہے۔ قائد میں عام افراد سے زیادہ علم کا ہونا ضروری ہے۔ علم انسان میں عدل و توازن پیدا کرتا ہے۔
حکمت:

عقل و حکمت قیادت کی تیسری شرط ہے۔ ایک عام انسان کے بہ نسبت قائد کا زیادہ عقل مند ہونا بہت ضروری ہے تاکہ وہ اپنے فرض منصبی سے عہدہ برآں ہو سکے اور عوام کی رعایت کر سکے۔ عقل و حکمت اور دانشوری سے قائد میں تجربہ، فکر اور تدبیر کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ قائد میں عقل و حکمت جیسے اوصاف کو لازمی گردانا جاتا ہے۔ قائد اپنی دانشوری کو بروئے کار لاتے ہوئے بہت احتیاط سے گفتگو کرتا ہے۔ دانش مندی اور حکمت مظاہر عقل میں سے ایک عظیم مظہر ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ﴾²

(جسے چاہتا ہے دانائی عطا فرمادیتا ہے، اور جسے (حکمت و) دانائی عطا کی گئی اسے بہت بڑی بھلائی نصیب ہو گئی، اور صرف وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو صاحب عقل و دانش ہیں۔)

¹ البقرة: 31

² البقرة: 269

قیادت کے فرائض انجام دینے والے اشخاص کے لئے قرآن اور سیرت رسول ﷺ کا مطالعہ لازمی ہے۔ قرآن مجید ایک کتاب انقلاب ہے۔ قرآن نہ صرف عصر حاضر کے فتنوں اور چیلنجز کا سامنا کرنے کی طاقت رکھتا ہے بلکہ تمام مسائل کا کامیاب حل بھی فراہم کرتا ہے۔ علم و حکمت، دانش و بینائی کے لئے قائدین کو اس کتاب الہی سے رجوع کرنے کی سخت ضرورت ہے تاکہ امن و انصاف کو دنیا میں رائج کیا جاسکے۔

یقین و اعتماد:

قیادت کے تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضا یہ بھی ہے کہ قائد کو اپنی ذات پر کامل اعتماد ہو اور قوم کو اپنے قائد کی صلاحیتوں پر۔ اعتماد قیادت کی اعلیٰ، اساسی اور گراں قدر خصوصیت ہے۔ قائد جتنا پر اعتماد ہوگا اسی قدر و صائب رائے ہوگا۔

عوام میں اعتماد پیدا کرنے سے پہلے قائد کا اللہ کے بعد اپنی ذات پر کامل یقین و اعتماد ضروری ہے۔ اعتماد جزاآت کو جنم دیتا ہے۔ ایک پر اعتماد قیادت اپنے پیروکاروں میں اعتماد و یقین کی ایسی فضا پیدا کر دیتی ہے کہ گدا بھی بادشاہوں کے جاہ و جلال کو خاطر میں نہیں لاتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ کی ذات پر کامل یقین اور خود اعتمادی ہی تھی کہ وہ دہکتی آگ کے شعلوں میں کود پڑے اور ان کے پائے استقامت میں ذرہ برابر بھی لغزش نہیں آئی۔ بہ زبان علامہ اقبالؒ

بے خطر کو دپڑا آتش نمرود میں عشق

عقل ہے محوئے تماشا لب بام ابھی

اللہ پر یقین اور اپنی ذات پر جب اعتماد ہو تو نصرت الہی مدد کے لئے پہنچتی ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

﴿قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ﴾¹

(ہم نے فرمایا: اے آگ! تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سراپا سلامتی ہو جا۔)

مقصد سے آگہی نصب العین:

قائد کا نصب العین اس کی قوم کا نصب العین ہوتا ہے۔ دورانِ قیادت اپنے ملک و قوم کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے مقاصد کو وضع کرتی ہے۔ قائد کا فرض ہے کہ وہ متعین مقاصد کو صاف اور شفاف انداز میں پوری قوم کے آگے پیش کرے اور خیال رہے کہ مقاصد کے متعلق قائد اور قوم میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو۔ مقاصد واضح ہوں اور

¹ الانبیاء: 69

مقاصد کے ادراک و تفہیم میں کسی کو بھی کسی قسم کی دشواری نہ پیش آئے۔ اللہ تعالیٰ نے واشگاف الفاظ میں زندگی کا مقصد و مدعا بیان کر دیا ہے۔

﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾¹

(جس نے موت اور زندگی کو (اس لئے) پیدا فرمایا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے۔)

قرآن کی ان آیات سے جہاں انسان کے مقصد حیات اور زندگی کی کامیابی کے راز سے پردہ اٹھا جاتا ہے وہیں قیادت کے مقاصد بھی بڑے واضح انداز میں ہمارے سامنے آ جاتے ہیں لوگوں میں بہترین انسان وہ ہے جو دوسرے لوگوں کو نفع پہنچائے۔ مقاصد پوری قوم کی آرزوں اور تمناؤں کا مرکز ہوتے ہیں اسی لئے قائد مقاصد کے تعین میں اپنے ملک و قوم کے معاشی، سیاسی، معاشرتی، اخلاقی، مذہبی، دینی اور علمی حالات کو پیش نظر رکھے۔

قوانین و اصولوں کی پاسداری:

قائد اگر پابند ڈسپلن ہو تو اس کا خوش گوار اثر معاشرے، ماحول اور عوام پر بھی مرتب ہوتا ہے۔ قائد کی ذات اصول و قوانین سے بالاتر نہیں ہوتی ہے۔ عوام کے ساتھ قائد کی اصول و قوانین پر عمل پیرائی لازمی ہے۔ قیادت کی اصول پسندی سے اس کے رعب، دبدبے اور مقبولیت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ سے ہم کو قانون کی پاسداری اور اصول پسندی کی تعلیم دی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے چوری کی مرتکب عرب کی ایک معزز و با اثر خاتون کے ہاتھ کاٹ دینے کا جب حکم جاری فرمایا تو اس کے قبیلے والوں نے رسوائی اور سزا سے بچنے کے لئے آپ ﷺ سے سفارش کی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پہلی قومیں اس لئے تباہ ہو گئیں کہ جب کوئی بڑا غلطی کا ارتکاب کرتا تو مختلف حیلوں، بہانوں سے سزا سے بچ جاتا اور جب کوئی عام انسان کسی فعل قبیح کا مرتکب ہوتا تو سزا پاتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ یہ حدیث مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اصولوں کی پاسداری اور حدود کے نفاذ میں تعلقات اور قربت داری کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ قائد میں جب اصولوں پسندی کا یہ جذبہ بیدار ہو جاتا ہے تو ہر طرف امن و امان کا دور دورہ رہتا ہے۔ امیر غریب الغرض معاشرے کے ہر فرد کے حقوق محفوظ ہو جاتے ہیں۔

اعتدال:

ہر کام کو عمدگی سے انجام دینے کے لئے اعتدال و توازن کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام زندگی کے ہر شعبے میں ہمیں اعتدال کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾¹

(اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا۔)

اللہ رب العزت نہ صرف امت کے ہر فرد کو اپنی زندگی میں اعتدال و توازن برقرار رکھنے کا حکم دیتے ہیں بلکہ ہادی اعظم ﷺ کو بھی اعتدال والی روش اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ قیادت کے مطلوبہ اوصاف میں اعتدال اور توازن کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ ہر شخص کو اور بالخصوص قائد کو اپنی زندگی میں شدت پسندی، افراط و تفریط اور غلو سے اجتناب کرتے ہوئے میانہ روی اختیار کرنا چاہئے۔

شجاعت:

قائد میں شجاعت کا ہونا بے حد ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر امارت، قیادت و سیادت ممکن نہیں ہے۔ سیرت طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سب سے زیادہ سے زیادہ حسین اور بہادر تھے۔ نبی ﷺ کا شجاعت، بہادری اور دلیری میں بھی مقام سب سے بلند اور معروف ہے۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ دلیر تھے۔ نہایت کٹھن اور مشکل موقع پر جبکہ اچھے اچھے جانبازوں اور بہادروں کے پاؤں اکھڑ جاتے آپ ﷺ اپنی جگہ برقرار رہتے، پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے ہی بڑھتے چلے جاتے اور کبھی پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنگ کے شعلے خوب بھڑک اٹھتے تو ہم رسول اللہ ﷺ کی آڑ لیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی دشمن کے قریب نہ ہوتا۔

سخاوت:

سخاوت ایک عبادت اور اللہ کی نعمتوں کے شکر کا نام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سخاوت کی اعلیٰ ترین مثال قائم کی ہے۔ آپ ﷺ نے ہر چیز کو اللہ کی راہ میں لٹا دیا اور جتنا بھی تھسا سا کا سارا اللہ کی راہ میں قربان کر دیا اور اپنے پاس کچھ بھی باقی نہ رکھا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کسی نے مانگا تو آپ نے انکار نہیں کیا، حتیٰ کہ ایک

¹ البقرة: 143

آدمی نے بکریوں سے بھری وادی کا سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وہ بھی دے دی۔ امت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو دو سخا کی ایک مثال ہے۔

عن ابن عباس رضي الله عنه، قال: "كان النبي صلى الله عليه وسلم اجود الناس بالخير، وكان اجود ما يكون في رمضان حين يلقاه جبريل، وكان جبريل عليه السلام يلقاه كل ليلة في رمضان، حتى ينسلخ يعرض عليه النبي صلى الله عليه وسلم القرآن، فإذا لقيه جبريل عليه السلام، كان اجود بالخير من الريح المرسلة¹."

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سخاوت اور خیر کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی تھی جب جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان میں ملتے، جبرائیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان شریف کی ہر رات میں ملتے یہاں تک کہ رمضان گزر جاتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جبرائیل علیہ السلام سے قرآن کا دور کرتے تھے، جب جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے لگتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتی ہو اسے بھی زیادہ بھلائی پہنچانے میں سخی ہو جایا کرتے تھے۔"

قیادت سخاوت کے وصف سے آراستہ ہونی چاہئے۔ قیادت کو معلوم ہونا چاہئے کہ مال و اسباب کا باٹنا ہی سخاوت نہیں بلکہ سخاوت کے کئی طریقے ہیں؛ مال خرچ کرنا، ظالم کو معاف کر دینا، زیادتی کرنے والے سے درگزر کرنا، قطع تعلق کرنے والے سے تعلق جوڑنا، مسلمانوں کی اصلاح کرنا، غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا، کسی کا عذر قبول کرنا وغیرہ۔

قوت فیصلہ:

عام حالات کی طرح مشکل اور ہنگامی حالات میں ہر شخص کے پاس فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے۔ ایک بااثر قائد مشکل اور کٹھن وقت میں بھی اپنی دانش و بینش کے بل پر اہم فیصلے لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ بہتر قائد ہمیشہ فیصلہ سازی میں جماعت کے تجربہ کار اہل علم افراد کو نہ صرف شامل رکھتا ہے بلکہ ان تجاویز و آرا پر ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔ آرا و تجاویز کو رد کرتے وقت ان کی عزت نفس کا بھی خاص خیال رکھتا ہے۔ اگر قائد ان امور پر توجہ مرکوز نہیں کرے گا تو اپنے ماتحتوں کے مشوروں اور تجاویز سے وہ محروم ہو جائے گا اور وہ اسے ایک آمریت پسند قائد کے طور پر دیکھنے لگیں گے۔

¹بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الصوم، باب: اَجْوَدُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ فِي رَمَضَانَ، حدیث رقم: 1902

تجربہ و مہارت:

قیادت کسی چھوٹے گروہ کی بھی ہو سکتی ہے یا پھر ایک بڑی جماعت کی بھی۔ قیادت ادنیٰ درجے کی بھی ہو سکتی ہے اور اعلیٰ درجے کی بھی۔ قائد کو جب کوئی قیادت سونپی جائے وہ اس میں مہارت رکھتا ہو یا کم از کم اس کی مبادیات اور اساسیات کا اسے علم ضرور ہو بصورت دیگر وہ اپنے عہدے سے انصاف نہیں کر سکے گا۔

اس منصب کا بدیہی تقاضا یہ ہے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے قانون کی اطاعت کریں اور اس کے بندوں کے اندر اسی کے قانون کو جاری و نافذ کریں۔ آج کے اس پر فتن دور میں ایسی صفات کی حامل قیادت کا ملنا مشکل تو ضرور ہے لیکن محال بھی نہیں ہے۔ آج قیادت بدترین شخصیت پرستی اور آمریت کے دور سے گزر رہی ہے معصوم عوام قیادت کے ظلم و ستم سہہ رہے ہیں۔ ایسا نہیں کہ یہ قیادت کی عیاری سے واقف نہیں ہے۔ یہ بالکل واقف ہیں لیکن ان کے پاس جرات نہیں ہے کیونکہ ان کے پاس علم نہیں ہے۔ اگر علم ہو تو بھی یہ قرآن و سنت کی تعلیمات سے لاعلم و نابلد ہیں۔ علم آدمی میں اعتماد پیدا کرتا ہے پھر اعتماد آدمی میں جرات پیدا کرتا ہے۔ شخصی و موروٹی قیادت کی موجودگی میں نوجوان نسل کی قائدانہ تعلیم و تربیت کا انتظام کیے بغیر اس منظر نامے کو نہ تو ہم بدل سکتے ہیں اور نہ ہی ترقی، خوشحالی اور امن و استحکام کی توقع کر سکتے ہیں۔

تعلیم و تزکیہ کا عدم توازن

فکری تحدیات کا ایک اہم سبب تعلیم و تزکیہ کا عدم توازن ہے۔ انسانوں کو بدلنے کے لیے اس سے بہتر نسخہ آج تک ایجاد نہیں ہوا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے آخری پیغمبر کو لوگوں کو بدلنے کا جو فارمولا دیا، وہ انہی دو نکات پر مشتمل تھا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ إِنَّ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾¹

(وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے ضرور گمراہی میں تھے۔)

اس آیت پر اگر غور کیا جائے تو بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ پیغمبر کے تین فرائض بیان ہوئے ہیں۔ پہلا کام اللہ کی آیات پڑھنا، دوسرا کام تزکیہ کرنا اور تیسرا کام کتاب و حکمت کی تعلیم دینا۔ لیکن اگر ذرا غور سے جائزہ لیا جائے تو اصل کام تزکیہ یعنی پاک کرنا ہی ہے۔

علم کا رشتہ جب تک تزکیہ کے ساتھ استوار و قائم رہے گا، اس علم کے ذریعہ انسان عروج کے اقبال تک پہنچے گا اور جب علم سے تزکیہ کے رشتہ کو کاٹ دیا جائے گا تو یہ علم ضلالت و گمراہی اور انسانیت کی کشتی کو ڈبو دینے کا سبب بھی بن جائے گا اور اس کے ساتھ ہی اللہ کی ناراضگی ہمیشہ کا مقدر بن جائے گی۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کل کے تمام تعلیمی ادارے بالخصوص حکومتی و عصری تعلیمی اداروں کا رشتہ تزکیہ سے کٹا ہوا ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ طالب علم استاذ پر دست درازی، والدین، اساتذہ، بڑوں، دوستوں اور رشتہ داروں کی عزت و تکریم سے تہی دامن ہو چکا ہے اور اسی کا بدیہی و مشاہداتی نتیجہ ہے کہ معاشرہ عدم اطمینان کی کیفیت سے دوچار ہے اور کرپشن، لوٹ مار، چور بازاری، دھوکہ دہی و بددیانتی کا رواج عام جاری و ساری ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ علمی چوری، مالی خیانت جیسے گھناؤنے جرائم کو بھی عزت و منزلت کے حصول کے لیے کر گزرنے میں کوئی حجاب نہیں کرتے۔ آئے روز اخبارات و ٹی وی پر خبریں چلتی ہیں کہ فلاں مقام پر فلاں طالب علم یا فلاں طالبہ نے خودکشی کر لی ہے اور اس کے متعدد اسباب بیان کیے جاتے ہیں کہ محبت میں ناکامی پر یا گھریلو ناچاقی پر، شادی بالجبر کے اندیشے پر خودکشی کی گئی ہے، مگر ایک اہم نکتہ کو ہمیشہ نظروں سے اوجھل رکھا جاتا ہے کہ اس حد تک پہنچنے کا ذریعہ کونسا سبب بنا ہے؟ شاید کبھی کسی نے اس پر غور کرنا مناسب نہیں سمجھا، جبکہ بانجھ و غیر مؤثر اور ناکارہ تعلیم جو تزکیہ و تربیت سے خالی ہوگی کو حاصل کرنے والے طالب علم یا طالبہ سے آپ یہ کیسے امید رکھ سکتے ہیں کہ وہ اخلاقیات سے عاری سرگرمیوں اور یورپ و مغرب کی تقلید میں مشغول ہوتے ہوئے عشق و معاشقہ کی لعنت سے دور رہ سکتے ہیں۔ تعلیم وہ مطلوب ہے جو تزکیہ و تربیت کے ساتھ مربوط ہو اور استاذ صرف کتاب کو رٹوانے یا آزر کروانے اور امتحانات میں کامیابی کے چور راستے بتانے کا مکلف نہیں، بلکہ یہ وہ منصب ہے کہ جس پر فائز ہونے والے کی ابدی کامیابی کا انحصار اور معاشرے کی ترقی و فلاح کا منبع تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ و طالبات ہوتے ہیں۔ اگر ان کی خط مستقیم پر رہنمائی و نگہبانی نہیں کی گئی تو مسلم معاشرہ ہمیشہ کی ذلت و رسوائی میں مبتلا ہو جائے گا، جس کا آغاز بڑی سرعت کے ساتھ¹ ہو چکا ہے، اس کے سامنے بند باندھنے کا واحد ذریعہ تعلیم ہے اور وہ تعلیم جس کا تعلق ورشتہ تزکیہ و تربیت کے ساتھ اٹوٹ ہو۔ سورہ علق کی آیات میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ علم وہی علم ہے جس میں رب کائنات کی رضا کا حصول مضمر ہو۔

﴿اَفْرَأَ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾¹

(اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا۔ انسان کو خون کے لو تھڑے سے بنایا۔)

دنیا کا کوئی علم فی نفسہ مضریا نقصان دہ نہیں ہے، ہاں! جب اس کی ٹہنی کو غیر اللہ کی جانب سے حرکت دی جائے گی، اور اس کو حاصل کرنے کا مقصد دنیا میں خود کو مستعلیٰ کرنا ہو گا یا پھر اسلامی تعلیمات اور اس کی تہذیب و ثقافت کو کمتر جانتے ہوئے غیر اللہ کی اندھی تقلید کی جائے گی تو ایسے میں لازم ہو گا کہ یہ علم فائدہ دینے کی بجائے انسانیت کو ہلاکت کی تہوں میں داخل کرنے کا موجب ہو گا، جیسا کہ عصر حاضر کا مشاہدہ بتاتا ہے کہ انسان نے خود ہی اپنی ہلاکت کا سامان تیار کر لیا ہے۔ پہلی و دوسری جنگیں اس بات کی شہادت ہیں اور اسی طرح ایٹمی مواد کے تیار ہو جانے کے بعد دنیا کا ہر گوشہ غیر محفوظ ہو چکا ہے۔ اسی وجہ سے سورہ علق کی پہلی دو آیات میں علم کے حصول اور اس کے عظیم رب کے ساتھ رشتہ و تعلق کی اہمیت کے ساتھ انسان کو بتا دیا گیا ہے کہ انسان کو تکبر و گھمنڈ کا رویہ اختیار کرنے کی چنداں حاجت نہیں، کیوں کہ انسان کی اصل و اساس پانی کے ایک گندے قطرے کے بعد خون کے لو تھڑے سے زیادہ کچھ بھی نہیں، تاوقتیکہ وہ اپنی بعثت و تخلیق کے مقصد پر اپنی زندگی بسر کرنا شروع نہ کر دے

اسلامی افکار کی روشنی میں اسرار و رموز کائنات پر تدبر و تفکر کرنے اور اسلامی اقدار و اخلاق کی تعلیم و تربیت کے پیش نظر نبی آخر الزماں نے حصول علم ہر مسلمان مرد و عورت کا دینی فریضہ قرار دیا ہے۔

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ وَوَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ أَهْلِهِمْ كَمُقَدِّدِ الْخَنَازِيرِ الْجَوْهَرِ وَاللُّؤْلُؤِ وَالذَّهَبِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ إِلَى قَوْلِهِ مُسْلِمٌ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ مَثْنٌ، مَشْهُورٌ وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ وَقَدْ رَوَى مِنْ أَوْجِهِ كُلِّهَا ضَعِيفٌ))²

(علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور نااہل کو علم سیکھانا ایسا ہی ہے جیسے کوئی آدمی سور کے گلے میں جواہرات، موتیوں اور سونے کا ہار ڈال دے۔)

یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ مسلمان توپ و تفنگ کی لڑائی ہارنے سے پہلے کلاس روم خانقاہ اور تجربہ گاہ میں لڑی جانے والی لڑائی ہار چکے تھے اور یہ سمجھنے کے لیے بہت زیادہ دانش کی ضرورت نہیں کہ مستقبل میں اگر انہیں دشمن سے جنگ جیتنا ہے تو اس کے لیے میدان جنگ سے پہلے کلاس روم خانقاہ اور تجربہ گاہ کی جنگ جیتنا ہوگی۔

نبی کریم ﷺ کی بہت سی احادیث علم کی فضیلت و اہمیت کا احاطہ کرتی ہیں۔

¹ اعلق: 1

² التبریزی، امام ولی الدین محمد ابن عبد اللہ، مشکوٰۃ المصابیح، بیان العلم، حدیث رقم: 212

((إِنَّ أَفْضَلَكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ))
 (تم میں بہترین شخص وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔)

ایک اور حدیث میں تحصیل علم کی فضیلت کچھ یوں بیان ہوا ہے:

((مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَتَّى يَرْجِعَ))¹

"جو شخص تحصیل علم کی غرض سے گھر سے باہر نکل کھڑا ہوتا ہے وہ مجاہد فی سبیل اللہ کا ثواب حاصل کرتا رہتا ہے جب تک کہ وہ واپس اپنے گھر نہ لوٹ آئے۔"

نبی کریم ﷺ کی ایک مقبول دعا ہے:

((أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَ رِزْقًا طَيِّبًا وَ عَمَلًا مُتَقَبَّلًا))²

"اے اللہ میں تجھ سے علم نافع اور رزق طیب اور عمل مقبول کی استدعا کرتا ہوں۔"

حضور اکرم تاریخ انسانی میں منفرد تحریک تعلیم کے شروع کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے تعلیم کو انسان کا بنیادی حق اور مسلمان کا بنیادی فریضہ قرار دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے تعلیم کو عام کرنے کی جو پالیسی اختیار کی تھی، امت مسلمہ نے اسے ایک ادارے کی صورت میں منظم کیا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

"علم کے لیے نبی کریم ﷺ نے جو بنیاد فراہم کی اور جس طرح علوم کی سرپرستی کی، مسلمانوں نے بعد کے زمانے میں جو علمی ترقی کی اور جس کے باعث وہ ساری دنیا کے معلم بنے اور ساری دنیا کے لوگ عربی کتب کو پڑھ کر جدید ترین تحقیقات سے آگاہ ہوئے۔ اس کی اساس ظاہر ہے عہد نبوی کی تیار کردہ بنیاد ہی ہو سکتی ہے۔"

آج پاکستان میں اسلامی تعلیمات کی رُوح تقریباً مفقود دکھائی دیتی ہے۔ تعلیم نفس اور سماجی اصلاح کے بجائے کاروبار کے طور پر لیا جانے لگا ہے اور بچوں کو بڑے اسکولوں میں بھیجنے کے مقاصد میں دنیاوی مفاد شامل رہتا ہے۔ بد قسمتی سے اس ملک میں تعلیم کو منافع بخش کاروبار بنالیا گیا لیکن تربیت کو کوسوں دور چھوڑ دیا گیا۔ ملک میں مغربی تعلیم کے فروغ کے لیے بڑے بڑے اسکول کھول دیے گئے۔ ان بڑے اسکولوں میں بھاری بھر کم فیسیں تو وصول کی جانے لگیں لیکن طلباء کی تربیت کہیں ہوتی نظر نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کی نسل نو سماجی برائیوں اور اخلاقی گراؤ کا شکار ہے۔

¹ترمذی، السنن، کتاب العلم عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء في فضل طلب العلم، حدیث رقم: 2647

²ابن ماجہ، السنن، کتاب إقامة الصلاة والسنة، باب: ما يقال بعد التسليم، حدیث رقم: 92532

محاسبہ و تزکیہ نفس سے چشم پوشی

تزکیہ نفس سے غفلت اکثر اخلاقی تحدیات کو جنم دیتی ہے۔ تزکیہ نفس سے مراد ہے کہ نفس انسانی میں موجود شر کے فطری غلبہ کو دور کرنا اور اسے گناہوں کی ان آلودگیوں اور آلائشوں سے پاک کرنا جو روحانی نشوونما میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہیں۔ ان تمام بدی کی خواہشات پر غلبہ پالینے کا عمل تزکیہ نفس کہلاتا ہے۔

اپنی ذات کو گناہوں سے پاک کرنے کو اصطلاح میں تزکیہ نفس کہا جاتا ہے۔ تزکیہ کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا مطلب گناہوں کو دور کرنا اور ان کی صفائی کرنا ہے۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ صفائی کے بعد نیکیوں اور اچھے اعمال کی بنیاد رکھنا اور انہیں نشوونما دینا ہے۔ نفس سے مراد انسانی ذات یا شخصیت ہے۔ چنانچہ تزکیہ نفس کا مفہوم یہ ہوا کہ انسانی شخصیت میں سے برائیوں کو ختم کرنا اور اچھائیوں کو پروان چڑھانا۔

تزکیہ نفس دیکھنے میں تو ایک سادہ عمل ہے لیکن عملی طور پر دیکھا جائے تو انتہائی مشکل کام ہے۔ لیکن یہی دین کا مقصود ہے اور اسی عمل میں کامیابی کا نتیجہ جنت کی ابدی نعمتوں کی شکل میں نکلے گا۔ جبکہ اس میں ناکامی کا انجام جہنم کے گڑھے ہیں۔ تزکیہ نفس کی اسی اہمیت کی بنا پر قرآن نے اسے براہ راست موضوع بنایا ہے۔

جنت میں داخلے کی شرط تزکیہ ہے۔

جنت میں داخلے کے لیے ضروری ہے کہ انسان نے خود کو ہر طرح کے گناہوں اور لغزشوں سے پاک کرنے کی کوشش کی ہو۔ یعنی جنت کی شہریت کے لیے تزکیہ کا حصول لازمی ہے۔ قرآن میں بیان ہوتا ہے:

﴿جَنَّا تُعَذَّبُ تَجْرِي مِّنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَن تَزَكَّىٰ﴾¹

(ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ اس کی جزا ہے جو گناہ سے پاک ہوا۔)

ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا﴾²

(بے شک وہ کامیاب ہوا جس نے اپنی روح کو پاک کر لیا۔ اور بے شک وہ غارت ہوا جس نے اس کو آلودہ کر لیا۔)

یہی مضمون ایک اور آیت میں بیان ہوا ہے:

¹ طہ: 20

² الشمس: 9

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى﴾¹

(فلاح پاگیا جس نے تزکیہ کیا) (پاکیزگی اختیار کی۔)

تزکیہ میں ناکامی کا انجام جہنم ہے۔ آخرت میں ایک انسان اگر گناہوں کے ساتھ خدا کے حضور پیش ہو لیکن اس کی نیکیاں برائیوں سے سبقت لے جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان گناہوں کو دور کر کے اسے پاک کر دیتے اور جنت میں داخلے کے قابل بنا دیتے ہیں۔ البتہ وہ لوگ جنہوں نے اپنے ظاہری و باطنی وجود کو گناہوں سے آلودہ رکھا اور اسی حالت میں آخرت میں اللہ کے حضور پہنچ گئے ان کی آلودگی کو پاک کرنے سے اللہ نے صاف انکار کیا ہے۔ اس سے علم ہوتا ہے کہ تزکیہ کی ابتدا انسان کا اپنا عمل ہے۔

آج پاکستانی سماج اصلاحِ نفس کے پہلو کو سرے سے نظر انداز کر بیٹھا ہے۔ حلال و حرام، جائز و ناجائز رویے دن بدن پختہ جارہے ہیں، حقوق کی پامالی، ظلم و زیادتی معمول بن چکا ہے جس کا منہا تباہی و بربادی پر منہج ہوتا نظر آتا ہے۔ لہذا افراد کو یہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ اس نے کیا بھلائی کی اور کون سی برائی کا مرتکب ہوا ہے۔ وہ اپنے انفرادی اور اجتماعی فرائض کہاں تک ادا کر رہا ہے۔ اس جائزے کا مقصد اپنی آئندہ زندگی کو نکھارنے اور سنوارنے کی جدوجہد کو مزید تیز کرنا ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے محاسبہ نفس کا تصور یوں دیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾²

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اُس نے کل کے لیے کیا سامان کیا ہے۔)

امام ابن کثیر کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنا محاسبہ کیے جانے سے پہلے پہلے خود ہی اپنا محاسبہ کر لو اور دیکھو کہ تم نے قیامت کے روز اپنے رب کے سامنے پیش کرنے کے لیے کیا اعمالِ صالحہ جمع کیے ہیں اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تمہارے تمام احوال و اعمال کو خوب جانتا ہے۔ اس سے تمہاری کوئی شے مخفی نہیں“ حدیث رسول معظم ﷺ سے بھی اس ضمن میں رہنمائی ملتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

((الْقَيْسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ اتَّبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَ تَمَتَّى

عَلَى اللَّهِ الْإِمَانِيَّ))³

¹ الا علی: 14

² الحجر: 18

³ ابن ماجہ، السنن، کتاب الزہد، حدیث رقم: 4260

(سمجھ دار وہ ہے جس نے اپنے نفس کو مطیع کر لیا اور بعد الموت کے لیے عمل کیا۔ اور بے بس وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اس کی خواہشات کے پیچھے لگا دیا اور اللہ سے آرزوئیں کرتا رہا)

امام ابن قیم کے نزدیک غفلت، محاسبہ نہ کرنا، اصلاح کے کام کو موخر کرتے رہنا، اور معاملات کو معمولی خیال کرنا، یہ سب رویے تباہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور یہ دھوکے میں مبتلا لوگوں کی حالت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ نتائج و عواقب سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور پیش نظر صورت حال ہی کو دیکھتے اور معافی کے تصور پر انحصار کیے رہتے ہیں۔ وہ محاسبہ نفس اور انجام پر نظر رکھنے کو اہمیت نہیں دیتے۔ جب انسان ایسی روش اختیار کرنے لگے تو اس کے لیے ارتکاب گناہ کے مواقع آسان ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ گناہوں سے اس کو پیار ہونے لگتا ہے اور ان سے کنارہ کش ہونا اس کے لیے مشکل ہوتا ہے۔¹

اندھی تقلید

فکری اور اخلاقی تحدیات کا ایک اہم سبب اندھی تقلید اور شخصیت پرستی بھی ہے۔ یہ ایک ایسی سماجی و معاشرتی بیماری ہے جس نے پاکستانی سماج کو بُری طرح اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے۔ ایسی معاشرتی بیماریاں اس قدر متعدی ہوتی ہیں کہ وہ ایک صحت مند معاشرے کو بیمار کرتی ہیں اور اجتماعی تباہی اور بربادی کا باعث بنتی ہیں اس لیے قرآنی تعلیمات کا ایک بڑا حصہ معاشرتی مسائل اور خصوصاً معاشرتی بیماریوں کے علاج سے متعلق ہے۔

شخصیت پرستی ایک ناسور ہے۔ یہ جس معاشرے میں موجود رہے وہاں صحیح غلط کا تصور ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ صحیح و غلط کے جو تسلیم شدہ پیمانے ہوتے ہیں وہ پس پشت ڈال دیئے جاتے ہیں۔ اور اپنی اپنی من پسند شخصیتوں کے افکار، اور عادات و اطوار کو معیار بنایا جاتا ہے۔ اب اگر تسلیم شدہ کسوٹیاں من پسند شخصیتوں کے معیار کے مطابق نہ ہو۔ تو انکو رد کیا جاتا ہے یا تاویلات کا سہارا لیا جاتا ہے مگر کسی بھی صورت من پسند شخصیت کے معیار کو رد کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ قرآن ایسے رویوں کی بھرپور مذمت کرتے ہوئے کہتا ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَّلُ لَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ﴾²

(اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف آؤ جو خدا نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہمیں وہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا، اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ علم رکھتے ہوں نہ انہوں نے ہدایت پائی ہو)

¹ ابن قیم الجوزیہ، اغاویہ اللہفان فی مصائد الشیطان (جدۃ: مجمع الفقہ الاسلامی سعودی عرب، 1432ھ) ج 1، ص: 132

² المائدہ: 104

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُّهْتَدُونَ﴾¹

(ہم تو انہی کے نقش قدم پر چلیں گے، ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا)

اس کا مطلب ہے کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایک خاص ملت یا جماعت کے پیروکار پایا ہے۔ یہاں "اُمّۃ" سے مراد وہ طریقہ کار، مذہب یا عقیدہ ہے جس پر ان کے آباچل رہے تھے، یعنی مشرکانہ عقائد و رسومات جو اس وقت معاشرے میں رائج تھے۔ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالُوا أَجِئْنَا لِنُعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾²

(وہ کہنے لگے جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں انکو چھوڑ دیں؟ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم اکیلے خدا کی عبادت کریں تو اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اسے لے آؤ)

ان مذکورہ آیات مبارکہ میں اعتقادی موضوعات میں آباء و اجداد کی تقلید کی مذمت اور فتنہ اعمال و افعال میں سابقہ لوگوں کی پیروی ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا ہے قرآن اس قسم کی تقلید کو مسترد کرتا ہے۔

﴿وَإِذَا قُلُّوا فَاحْشَۃً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَیْهَا آِبَاءَنَا وَاللّٰهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلُّوا إِنَّ اللّٰهَ لَا یَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾³

(اور جب کوئی برا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اسی طرح اپنے باپ دادا کو کرتے دیکھا ہے اور خدا نے بھی ہمیں یہ حکم دیا ہے، کہہ دو بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں کرتا، اللہ کے ذمہ وہ باتیں کیوں لگاتے ہو جو تمہیں معلوم نہیں)

ان آیات کے مفہوم سے یہ واضح ہے کہ عقل کے مخالف امور میں تقلید نہیں کی جاسکتی بلکہ ایسی امور میں عقل کی پیروی کرنی چاہیے جو بیرونی ثقافت و تہذیب کے عنوان سے مسلم سماج پر مسلط کئے جاتے ہیں ان کی پیروی کسی صورت درست نہیں۔ لہذا یہ کہنا کہ شراب اور زنا جیسے مسائل چونکہ مغربی معاشرے میں رائج ہیں مسلم سماج میں بھی ان کو پنپنے کا موقع ملنا چاہیے چونکہ یہ ان کے مذہب میں جائز ہے اور اہل کتاب ہونے کی وجہ سے قابل اقتداء ہے تو یہ خدا کی طرف ایسی بات منسوب کرنا ہے جس کا انسان کو علم ہی نہیں ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

¹ الزخرف: 22

² الاعراف: 70

³ الاعراف: 28

﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُّهْتَدُونَ﴾¹

(ہم تو انہی کے نقش قدم پر چلیں گے، ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا)

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالُوا أَجِئْنَا لِلْعِبَادَةِ لَلَّهِ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾²

(وہ کہنے لگے جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں انکو چھوڑ دیں؟ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم اکیلے خدا کی عبادت کریں تو اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اسے لے آؤ)

مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کی وجہ سے نصاب تعلیم سے اسلامی تعلیمات کو یکے بعد دیگر نکالا گیا تا کہ نوجوان نسل کی تربیت آفاقی علوم سے عاری ہو۔ اس لئے ایک خاص ایجنڈے کے تحت ایسی سرگرمیوں کو نصاب کا حصہ بنادیا گیا جس کی وجہ سے اسلامی اقدار اور اخلاقیات کی دھجیاں ہانڈنے لگیں اب سماجی تعلقات میں وہ احترام و تکریم باقی نہیں رہا جو کہ اسلامی سماج کی عزت ہوا کرتا تھا استاد و شاگرد چھوٹے اور بزرگ شہری، باپ اور بیٹے کا تعلق، بہن بھائیوں کا آپس میں تعلق یہ سب ایک خواب کی صورت اختیار کرنے لگے۔ اس اندھا اندھی تقلید کی وجہ سے عائلی نظام کی بنیادیں بھی ہل کر رہ گئی ہیں۔ آج کے معاشرے میں والدین کا وہ مقام نہیں رہا جو اسلام و آیات میں ان کے لئے متعین تھا موجودہ دور میں والدین کو گھروں سے نکال کر اولڈ ہاؤسز میں ڈال دیا جاتا ہے اسی طرح استاد شاگرد کا متبرک تعلق بھی تار تار ہو چکا ہے۔ اس تعلق میں معاشقانہ اور جنسی عناصر سرایت کرنے کی وجہ سے احترام کا تصور باقی نہیں رہ سکا۔

مغربی تہذیب کی اندھی تقلید نے مسلم سماج کے جس پہلو کو زیادہ متاثر کیا ہے وہ اسلام کا عائلی نظام ہے جس کو نصاب تعلیم کے ذریعے تباہ کیا گیا۔ مخلوط تعلیم کے ذریعے جنسی بے راہ روی کو عام کیا گیا اور غیر اخلاقی جرائم میں اضافہ ہونے لگا کیونکہ اس سطح پر ایک نابالغ ذہین اس قدر مستقر نہیں ہو سکتا ہے کہ مستقبل کے پلاننگ حتمی شکل میں ترتیب دیا جاسکے۔ عمر کا وہ حصہ جسمیں فکری بلوغت کا آغاز ہوتا ہے بنیاد سے ہی جنسیات کا شکار ہو کر فکری صلاحیات سے محروم ہو جاتا ہے جس کے اثرات بلا واسطہ آئندہ نسلوں پر پڑتی ہے۔ اسی سلسلے میں نئی نسل کو گھٹن ماحول سے آزاد کرانا ہو گا۔ ان کو اپنی مرضی سے سوچنے اور فکر کرنے کی آزادی دینی ہوگی چونکہ اکثر بچوں کو قائل کیا جاتا ہے کہ مذہب کے بارے میں سوال نہیں کیا جاتا بلکہ صرف مانا جاتا ہے اس کے بعد بچوں کے پاس کوئی طریقہ نہیں بچتا کہ تقلید کے علاوہ کسی ذریعے سے علمی و فکری پیاس

¹ الزخرف: 22

² الأعراف: 70

بجائے۔ اس سے بعض اوقات الحاد کو فروغ ملتا ہے کیونکہ فکری پیاس بجھانے کے سارے راستے ان کے پاس محدود ہوتے ہیں۔ اندھی تقلید کی وجہ سے آج کا معاشرہ فرقہ واریت کا شکار ہے کیونکہ جو جس مسلک میں پیدا ہوا وہ اسی کو برحق سمجھتا ہے اور اس کی نظر میں باقی سب کافر ہیں کیونکہ وہ اس خاندان میں رہتے ہوئے مذہبی افکار میں تجسس کا حق نہیں رکھتا اور نہ سوال کر سکتا ہے مگر یہ کہ وہ اندھی تقلید کر لے دوسرے مساجد میں جا کر نماز پڑھے اور نہ دوسرے کو اپنی مسجد میں نماز پڑھائیں۔ حالانکہ عبادت کا محور ایک ہی خدا ہے جو سب میں مشترک ہے۔¹

فطرت اور مشاہدات میں عدم دلچسپی

فکری تحدیات کا ایک اہم سبب فطرت اور مشاہدات میں دلچسپی کا نہ ہونا ہے۔ قرآن نے جہاں فطرت کو دل و دماغ کو جلا بخشنے کا ذریعہ قرار دیا ہے وہی اس کے اصولوں کی رہنمائی میں بہت سے مسائل کا حل نکالا جاسکتا ہے۔ یعنی ان اصولوں اور قواعد پر عمل پیرا ہو کر مختلف مسائل میں نظریات قائم کئے جاتے ہیں بلکہ نئی اختراعات اور سائنسی تجربات و نتائج اخذ کرنا ممکن ہو جاتا ہے بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں فطرت اور ان کے اصولوں کو دیکھ کر انسان نے مختلف اشیاء ایجاد کیے ہیں۔ جیسے پرندوں کی حرکات و سکنات سے جہازوں اور ہوابازی کے شعبے کو فروغ ملا ہے اسی طرح فطری اصولوں کی پیروی میں سمندری جہاز وغیرہ بنایا گیا ہے گو کہ فطرت و کائنات افکار اور جدید نظریات قائم کرنے کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ قرآن نے فطری مظاہر پر غور کرنے والوں کو صاحبان اہل خرد قرار دیتے ہوئے مظاہر کو عظیم نشانیوں میں سے قرار دیا ہے:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَع النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَخْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾²

(آسمانوں اور زمین کی پیدائش، رات دن کا ہیر پھیر، کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لئے ہوئے سمندروں میں چلنا آسمان سے پانی اتار کر، مردہ زمین کو زندہ کر دینا اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا، ہواؤں کے رخ بدلنا، اور بادل، جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر ہیں، ان میں عقلمندوں کے لئے قدرت الہی کی نشانیاں ہیں۔)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوْ السَّمَاءِ مَا يُمَسِّكُهُنَّ إِلَّا اللَّهَانَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾¹

(کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو آسمان کی فضا میں حکم کے پابند (اڑتے رہتے) ہیں، انھیں کوئی نہیں تھامتا سوائے اللہ تعالیٰ کے، بے شک اس میں ایمان رکھنے والے لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔)
ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ﴾²

(کیا وہ لوگ نہیں دیکھتے اونٹ کی طرف کہ وہ کیسے (عجیب طور پر) پیدا کیا گیا ہے؟)

اس آیت میں اونٹ کو دیکھنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس کی خلقت پر غور کر کے دلیل برہان قائم کرنا ہے۔

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾³

(عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ حق یہی ہے کیا آپ کے رب کا ہر چیز سے واقف و آگاہ ہونا کافی نہیں)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّا خَلَقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ﴾⁴

(پس انسان کو چاہیے کہ (خود ہی) دیکھے وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ اسے پیدا کیا گیا ہے اس اچھلتے ہوئے پانی سے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے)

فطرت و کائنات کی سیر کرنے اور اس میں غور و فکر کرنے والوں کو وعید سنائی گئی ہے کہ اللہ انہیں وہ دل اور کان دیں گے جن کے ذریعے وہ سنیں گے اور سمجھ لیں گے۔ یہی وہ عمل ہے جس سے افکار اور جدید نظریات کو قوام ملتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا

تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾⁵

¹ النحل: 79

² الغاشية: 17

³ لخم السجدة: 41

⁴ الطارق: 5

⁵ الحج: 46

(تو کیا یہ لوگ زمین میں نہ چلے کہ ان کے دل ہوں جن سے یہ سمجھیں یا کان ہوں جن سے سنیں پس بیشک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔)

یہ آیت کہتی ہے کہ یہ معنوی اور روحانی سیاحت اور زمین کی سیر انسان کے دل کو دانائی، آنکھوں کو بینائی اور کان کو سماعت عطا کرتی ہے اور اسے سکوت و جمود سے خلاصی دلاتی ہے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ اسلامی حکم و قانون بہت سے دیگر قوانین کی طرح طاق نسیاں کی نذر کر دیا گیا ہے۔ اب مسلمان اسے بھی نظر التفات سے نہیں دیکھتے یہاں تک کہ بعض علماء نے اپنی فکر کا دائرہ صرف گرد و پیش تک محدود رکھا ہے۔ وہ گویا اس عالم کے علاوہ کسی اور عالم میں زندگی بسر کرتے ہیں اور دنیا کے اجتماعی انقلابات و وسائل سے بے خبر ہیں اور ان جزوی اور کم اثر کاموں میں اپنے آپ کو مشغول رکھا ہے جو اصولی اور بنیادی کاموں کے مقابلہ میں خاص قدرت و قیمت نہیں رکھتے۔ اس دنیا میں پوپ اور عیسائیوں کے بڑے بڑے پادری صدیوں کی گوشہ نشینی اور علیحدگی کے بعد زمین کی سیر و سیاحت کے لئے نکلتے ہیں تاکہ وہ ضروریات زمانہ کو سمجھیں۔ تو اس صورت میں کیا مسلمانوں کو قرآن کے اس حکم پر عمل پیرا نہیں ہونا چاہیے اور اپنے محدود فکری تنگ دائرہ سے نہیں نکلنا چاہیے تاکہ علم اسلام اور مسلمانوں میں ایک انقلاب و حرکت کار فرما ہو۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْقَلَبُوهُمْ ۚ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۚ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَلُهَا ۚ﴾¹

(کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی کہ وہ دیکھتے ان کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے، اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا اور منکروں کے لیے ایسی ہی (سزائیں) ہیں۔)

زمین کے مختلف خطوں میں گزشتہ لوگوں کے جو نشانات قدیم ادوار سے باقی ہیں، وہ زندہ اسناد اور بولنے والی تاریخ ہیں۔ یہاں تک کہ ہم ان کے متعلق لکھی ہوئی تاریخ کی نسبت ان سے زیادہ بہرہ ور ہو سکتے ہیں کیونکہ ان نشانات سے ہم ان اقوام کی جسمانی ساخت، ان کا زاویہ فکر اور ان کی قدرت و عظمت کو باسانی جان سکتے ہیں جبکہ صفحات تاریخ صرف وقوع پذیر واقعات کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ ستنگروں کے محلات کی ویرانی، اہرام مصر کی تعجب خیز عمارتیں، بابل کے برج، کسریٰ کے محل، قوم سبا کے آثار تمدن اور اس طرح کی بیسیوں نشانیاں جو اس عالم کے گزشتہ و کنار میں بکھری پڑی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نشانی زبان حال سے ان لوگوں کی تاریخ بیان کرتی ہے اور بے زبانی کی زبان میں باتیں کرتی ہے۔ ان

مطالب سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ فطرت اور کائنات فکر کے بنیادی ماخذ میں سے ایک ہے جس میں سوچ و بچار سے نئے تصورات اور نظریات جنم لینے کے ساتھ فکر انسانی مافوق الفطرت وجود سے منسلک ہو جاتی ہے

احساس کمتری

احساس کمتری کا مطلب ہے کہ اپنے آپ کو دوسروں سے کمتر سمجھنا۔ گویا احساس کمتری سے مراد خود کو کسی سے کم تر سمجھنے، کسی محرومی کا شکار ہونے، اور خود ترسی میں مبتلا ہونے کا نام ہے۔ یہ کیفیت زندگی میں پیش آنے والے مختلف حالات سے تعلق رکھتی ہے۔ احساس کمتری کا مرض عموماً کسی کام میں ناکامی کی باعث پیدا ہوتا ہے یا اپنے سے کسی برتری کی طرف دیکھنے سے، چاہے وہ برتری دینی ہو یا دنیوی۔ دینی و دنیوی برتری والوں میں سے کس کی طرف دیکھنا چاہیے اور کس کی طرف نہیں۔

پاکستانی معاشرے میں احساس کمتری دیگر سماجی بیماریوں کی نسبت بہت سے اثرات چھوڑے ہوئے ہیں کیونکہ انہیں اپنی علمی و اخلاقی میراث کی اہمیت کا اندازہ نہیں یہ اپنے رہن سہن، بد و باش، وضع قطع میں اہل مغرب کی تقلید کو اپنی بقاء کا معیار سمجھتے ہیں۔ ان کی شخصیت اس وقت تک سنجیدہ نظر نہیں آتی جب تک انگریزی کے ٹوٹے پھوٹے جملے بولے نہ جائیں گویا زندگی کے ہر شعبے میں اپنے آپ کو کمتر محسوس کر کے غیروں کی جعلی زندگی کو نمونہ عمل سمجھا جاتا ہے۔

دین اسلام ہمیں غرور و تکبر کے مقابلے میں عجز و انکسار اور احساس کمتری کے مقابلے میں عزت نفس کا تصور دیتا ہے۔ عجز و انکسار کا مطلب احساس کمتری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی کم حیثیتی کا اعتراف کرنا ہے۔ ایک عاجز انسان اپنی ہر کامیابی کو اپنی صلاحیتوں کا نتیجہ نہیں بلکہ اپنے رب کا فضل سمجھتا ہے اور اس کے سامنے سر بسجود ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کو وہی مقام دیتا ہے جو خود اسے حاصل ہے۔

دین اسلام ہمیں ایک دوسرے کی عزت کرنے کا حکم دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں ایک انسان کی عزت کو حرم کعبہ کی طرح محترم بتایا ہے۔ احساس کمتری کے شکار انسان کو سوچنا چاہئے کہ اگر اسے ایک مرتبہ ناکامی کا سامنا کرنا بھی پڑا ہے لیکن زندگی میں اسے بارہا کامیابیاں بھی ملی ہیں۔ یہ جو دنیا میں وہ چلا پھر رہا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا اس پر فضل ہی تو ہے۔ شیخ سعدی نے کیا خوب درس دیا ہے کہ جس کے پاس جوتے نہ ہوں، وہ جوتے پہننے والوں کو نہ دیکھے بلکہ اسے دیکھے جس کے پاس پاؤں ہی نہیں ہیں۔¹ حدیث پاک میں اس کی رہنمائی فرمائی گئی ہے، سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

¹ ترمذی، السنن، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث رقم: 2512

((حَصْلَتَانِ مَنْ كَانَتْ فِيهِ كُتْبَةُ اللَّهِ شَاكِرًا صَابِرًا، وَمَنْ لَمْ تَكُنْ فِيهِ لَمْ يَكُنْ فِيهِ اللَّهُ شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا، مَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَافْتَدَى بِهِ، وَمَنْ نَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلَى مَنْ هُوَ دُونَهُ فَحَمَدَ اللَّهَ عَلَى مَا فَضَّلَهُ بِهِ عَلَيْهِ، كُتِبَ اللَّهُ شَاكِرًا صَابِرًا، وَمَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلَى مَنْ هُوَ دُونَهُ وَنَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَاسْفَ عَلَى مَا فَاتَهُ مِنْهُ لَمْ يَكُنْ فِيهِ اللَّهُ شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا))¹

"دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص کے اندر وہ موجود ہوں گی اسے اللہ تعالیٰ صابر و شاکر لکھے گا اور جس کے اندر وہ موجود نہ ہوں گی اسے اللہ تعالیٰ صابر اور شاکر نہیں لکھے گا، پہلی خصلت یہ ہے کہ جس شخص نے دین کے اعتبار سے اپنے سے زیادہ دین پر عمل کرنے والے کو دیکھا اور اس کی پیروی کی اور دنیا کے اعتبار سے اپنے سے کم حیثیت والے کو دیکھا پھر اس فضل و احسان کا شکر ادا کیا جو اللہ نے اس پر کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے صابر اور شاکر لکھے گا۔ اور دوسری خصلت یہ ہے کہ جس نے دین کے اعتبار سے اپنے سے کم اور دنیا کے اعتبار سے اپنے سے زیادہ پر نظر کی پھر جس سے وہ محروم رہ گیا ہے اس پر اس نے افسوس کیا، تو اللہ تعالیٰ اسے صابر اور شاکر نہیں لکھے گا۔

معلوم ہوا کہ دینی معاملات میں اپنے سے برتر کی طرف دیکھنا محمود (اچھا) ہے اور دنیوی معاملات میں اپنے سے برتر کی طرف دیکھنا مذموم (برا) ہے۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ وہ دینی معاملات میں اپنے سے اوپر والے کی طرف دیکھے اور اس کی پیروی کرے، اس جیسا بننے کی کوشش کرے اور دنیوی معاملات میں اپنے سے نیچے والے کی طرف دیکھ کر اپنے اوپر اللہ کے فضل و کرم اور احسان کو یاد کر کے شکر بجالائے۔

احساس کمتری کی صورت میں عدل و انصاف اور معاشرتی مساوات بنیادی اصولوں پر قائم نہیں رہ سکتا جس سے معاشرے میں انتشار اور افتراق کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ احساس کمتری سے فکر انسانی پر قدغن لگ جاتی ہے اور منصف مزاجی جو کہ عدل کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہوتی ہے، مذاق لگنے لگتا ہے۔ موجودہ دور میں اسی احساس کمتری کی وجہ سے فکر مسلم مکمل طور پر جمود کا شکار ہے۔ مسلمان جو اہل مغرب اور ہندو اکثریت کے رحم و کرم پر تھے۔ ان کے پاس اقتصادی، سماجی، معاشی اور معاشرتی ترقیاتی ادارے موجود تھے۔ کسی نئی تحقیقاتی فکر کا تعارف قصہ پارینہ بن چکا ہے۔

اسلام احساس کمتری کے ان تباہ کاریوں اور نفسیاتی بیماری کی بیخ کنی کے لئے تعلیمات پر عمل درآمد کی ضرورت کو اجاگر کرتا ہے تاکہ معاشرہ اس قسم کی بیماریوں سے محفوظ رہ سکے۔ لہذا اس کے خاتمے کے لئے آنحضرت ﷺ نے خصوصی تعلیمات ارشاد فرمائی: جیسا کہ ابوسعید الخدری سے حدیث مبارکہ مروی ہے بنی اکرم ﷺ نے فرمایا:

¹ترمذی، السنن، کتاب ابواب طب، باب: اذا دخلتم علی المريض فنفسوا له فی اجله، حدیث رقم: 2087

((إِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيضِ فَنَفَسُوا لِلَّهِ إِلَّا أَجَلٌ))¹

(جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس مریض کو امید دلاؤ اور حوصلہ دو)

سماج پر فرض ہے کہ ہر قسم کے مریضوں کو امید دلاتے ہوئے احساس کمتری کی بیخ کنی کی جائے یعنی اسلام اس تصور کو باطل قرار دیتا ہے جس سے ناامیدی پھیلتی ہے مایوسی کفر ہے اور خدا کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ ان مذکورہ تمام مطالب سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ احساس کمتری وہ نفسانی کیفیت ہے جو فکر انسانی کو تمام تر صلاحیت کیساتھ عمل کرنے سے روک دیتی ہے جس سے جدید مسائل کا مقابلہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ جس سماج میں احساس کمتری پائی جائے وہاں محرومی اور مایوسی مقدر بن جاتی ہے۔ شیخ سعدی نے احساس کمتری سے معاشرے کو بچانے کے لئے کیا ہی مفید مشورہ دیا ہے کہ جس کے پاس جوتے نہ ہوں وہ جوتے پہننے والے کو نہ دیکھے بلکہ وہ افراد منظور نظر ہونی چاہیں جن کے پاؤں ہی نہیں ہے۔ انسان اگر اپنے اوپر عطا کردہ نعمت کی طرف متوجہ نہ ہو تو وہ کبھی اس نفسیاتی بیماری کا شکار نہ ہو لیکن اکثر لوگ بد قسمتی سے اپنی خلقت بھولنے کی بدولت اس تباہ کن بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔

قرآنی تعلیمات سے دوری

قرآن رُوئے زمین پر کامیاب زندگی گزارنے کا الوہی لائحہ عمل اور آخری ہدایت نامہ ہے۔ یہ کتاب ہدایت و رحمت ہے۔ ہمارے زوال و انحطاط کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ ہم نے قرآن مقدس کو طاق پر رکھا ہوا ہے۔ قرآن سے بے رغبتی کی وجہ یہ ہے کہ ہم اس کی اہمیت و فضیلت سے بے خبر ہیں۔ جو بھی اسے مضبوطی سے تھام لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند کر دیتا ہے۔ وہ دنیا میں بھی عزت حاصل کرتا ہے اور آخرت میں جنت۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَثِيرًا (9) وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَغْتَنَّا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾²

(بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور خوشی سناتا ہے ایمان والوں کو جو اچھے کام کریں کہ ان کے لیے بڑا ثواب ہے اور یہ کہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

² بنی اسرائیل: 10-9

﴿وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾¹ (64)

(اور ہم نے تم پر یہ کتاب نہ اتاری مگر اس لیے کہ تم لوگوں پر روشن کر دو جس بات میں اختلاف کریں اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لیے)

ان آیات کریمہ سے واضح ہے کہ قرآنی تعلیمات انسانی ہدایت کا سرچشمہ ہے جو انسان کو ہر مسئلے سے نکالنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہیں۔ اور جو قرآن پر ایمان لائے اور اس کا حق ادا کرے وہ انسان کبھی نامراد اور ناکام نہیں ہوتا مگر وہ لوگ جو اس کا انکار کرتے ہیں وہ سراسر نقصان میں ہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾²

(وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے پڑھتے ہیں جیسا اس کے پڑھنے کا حق ہے، وہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں، جو اس سے انکار کرتے ہیں وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔)

آنحضرت ﷺ نے قرآن سے تمسک کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تک اس سے تمسک رکھو گے قیامت تک گمراہ نہیں ہونگے حتیٰ کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کرو گے:

((يا ايها الناس، إنما انا بشر يوشك ان ياتيني رسول ربي، فاجيبه، واني تارك فيكم الثقلين: اولهما كتاب الله فيه الهدى والنور، فتمسكوا بكتاب الله، وخذوا به "فحث عليه ورغب فيه، ثم قال: "واهل بيتي، اذكركم الله في اهل بيتي، ثلاث مرات.))³

(اے لوگو! میں بشر آدمی (ہوں، قریب ہے میرے پروردگار کا بھیجا ہوا) موت کا فرشتہ (آوے اور میں) اس کی بات (قبول کر لوں، میں تمہارے پاس دو بڑی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، پہلی تو اللہ کی کتاب، اس میں ہدایت ہے اور نور ہے، پس تم اللہ کی کتاب کو تھامے رہو اور اسے مضبوطی سے پکڑے رہو، "غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ کی طرف ابھارا اور رغبت دلائی پھر فرمایا: "اور میرے اہل بیت، میں تم کو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں، "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار یہ فرمایا۔)

¹ النحل: 24

² البقرة: 121

³ الدارمی، السنن، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن، (لاہور: مکتبہ انصار السنہ پبلیکیشنز، 1996)، حدیث رقم: 3348

پاکستانی معاشرے پر نظر دوڑانے سے ان تعلیمات کی رمت کہیں نظر نہیں آتی بلکہ اس کے برعکس قرآن سے ہدایت لینے کے بجائے قرآن کو اس منصب سے معزول کر کے الفاظ کے ذریعے آخرت کی نیکیاں ذخیرہ کرنے کا ذریعہ قرار دیا جاتا ہے۔ قرآن جس علم کی دعوت دیتا ہے اور جس عقل و دانش کے استعمال کی تاکید کرتا ہے اسے پس و پشت ڈالنے کے لیے ایک جدید فلسفہ قرآنی متعارف کروایا گیا حفظ و تلاوت قرآن اس وجہ سے باعث اجر و ثواب رکھے گئے تاکہ متن قرآن کی حفاظت ہوتی رہے اور ہر دور ہر زمانے کے لوگ فہم متن کے لیے اصل ماخذ کی طرف مراجعت کر سکے جبکہ ہمارے دور میں قرآن پڑھا ہوا ہونے کا مطلب بلا استثنیٰ یہ لیا جاتا ہے کہ بے سمجھے ناظرہ قرآن پڑھا ہوا ہو ایک کتاب جو انسانوں کی زندگی کے لیے راہ ہدایت ہے قوموں کے عروج و زوال کے اسباب کی تاریخ ہے زندگی کے ہر چیلنج کا جواب ہے تسخیر کائنات کے لیے تیار کرتی ہے، زندگی کے ہر شعبے میں اعلیٰ درجے کی قیادت تیار کرنے کی ضامن ہے، محض اس کی تلاوت کافی سمجھ کر مطلوبہ نتائج کی توقع رکھنا کہاں کی دانش مندی ہے پھر اس تلاوت کو جب ہماری دنیاوی رہنمائی کے لیے نہیں بلکہ آخرت کے درجات کی بلندی کا ضامن بنا دیا گیا ہے تو اسے ایک ایسی شکل دے دی گئی ہے کہ کوئی بھی شخص خواہ کتنا ہی ظلم و جور اور فسق و فجور کی زندگی گزارے اس کے مرنے کے بعد قرآن خوانی کے ایصالِ ثواب کے ذریعے اسے آخرت کی باز پرس سے بھی بچایا جاسکتا ہے سو ناقص رائے کے مطابق ترک قرآن فکری تحدیات کے جواب دینے کے اہل نہ ہونے کی دوسری بڑی وجہ ہے۔

عصر حاضر میں دنیا کا کوئی قانون امن و امان، عدل و مساوات کی ضمانت نہیں دے سکتا اور نہ ہی اس قانون سے کائناتی ماحول کی پر اگندگیاں ختم کی جاسکتی ہیں۔ خوشحالی و ترقی، چین و سکون اور امن عالم کو حاصل کرنے اور موجودہ خوفناک حالات سے نمٹنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ عصر حاضر میں بین الاقوامی طریقہ پر ہر ملک میں قرآن کے قانون کو نافذ کر دیا جائے۔

اس موقع پر حضرت مولانا محمود الحسن گاہ اقتباس قابل توجہ ہے جو انہوں نے مالٹا کے جیل سے رہائی کے بعد کہا تھا:

” مالٹا جیل کی خلوتوں میں ہمیشہ یہ مسئلہ سامنے آیا کہ آج کل پوری دنیا میں مسلمانوں کی ذلت و پستی اور ہر جگہ مصائب و آفات میں مبتلاء ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ مسلسل غور و فکر کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اس کے اسباب دو ہیں،

اول مسلمانوں کا قرآن کو چھوڑ دینا، دوم آپس میں لڑنا۔“¹

قرآن کی اسی اہمیت کے پیش نظر آغاز اسلام سے اب تک ہر دور کے علمائے امت نے خدمت قرآن پر غیر معمولی توجہ دی ہے۔ اس کی ہر زاویہ سے خدمت کی گئی ہے اور اسکے ایک ایک گوشہ کو تحقیق کا موضوع بنایا گیا ہے، چنانچہ آج اسلامی کتب خانے اور لائبریریاں علوم قرآن اور اس کے متعلقہ علوم و فنون سے بھری ہوئی ہیں۔

¹ اقبال حسن خان، شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات اور علمی کارنامے، (علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، 1973) ص: 242

لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن کے معنی و مفہوم کو خود سمجھیں اور دوسروں کو بھی اس کے سمجھنے کی دعوت دیں۔ اجتماعی، انفرادی، سماجی، معاشی اور معاشرتی، جیسے بھی مسائل ہوں عصر حاضر میں یہ کتاب رہنمائی کیلئے کافی ہے اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن ہر دور کے لحاظ سے عصری کتاب ہے۔ اس میں وہ تاثیر ہے جو انسانی زندگی میں انقلاب برپا کر سکتی ہے بلکہ اس کا ظاہری ادب بھی انسان کو اعلیٰ مقام تک لے جاتا ہے۔

فصل دوم: پاکستانی معاشرے میں اخلاقی تحدیات کے اسباب و عوامل

اخلاق ایسی قوت ہے جو بدترین دشمن کو بھی دوستی کے قالب میں ڈھال دیتا ہے۔ ایک نرم شیریں اور میٹھا بول سرکش آدمی سے اس کی سرکشی چھین سکتا ہے۔ ایک ہمدردانہ برتاؤ ایک ایسے جھگڑے کو ختم کر سکتا ہے کہ جس کو ختم کرنے کے لیے لڑائی اور گولی کی طاقت ناکام ہو جاتی ہے۔ یایوں کہا جائے کہ یہ ایک ایسی طاقت ہے جو دشمن کو اندر سے زیر کر سکتی ہے اور جو دشمن کو حقیقی دوست میں تب 0 مل کر دیتی ہے۔ اخلاقی طاقت حریف کو کچھ اس طرح سے مغلوب کر لیتی ہے کہ وہ اس سے یہ حوصلہ چھین لیتی ہے کہ وہ غالب کے خلاف اپنی تخریبی سرگرمیاں جاری رکھ سکے۔ بہت سے قومیں اخلاقی گراؤ کی وجہ سے صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ چکی ہیں۔ قوموں کے عروج و زوال کا دار و مدار اسی اخلاق کو قرار دیا جاتا ہے دیگر شعبہائے زندگی کا اس نظام اخلاق سے گہرا ربط پایا جاتا ہے آنحضرت کی سیرت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اخلاق کے اعلیٰ نمونہ تھے چالیس سال کی مشقت میں آپ ﷺ نے یہ اخلاق عالیہ کو ثابت کیا کہ آپ صادق اور امین تھے آپ اسے مقصد بعثت قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

((إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ))¹

(مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا)

عصر حاضر میں مادی نظریات اور مغربی تہذیب غالب آنے کی وجہ سے مسلم معاشرہ اپنی روایات کھو کر زبوں حالی کا شکار ہو چکا ہے آج دنیا میں مسلمانوں کا کوئی وقار باقی نہیں رہا ہے تحقیقی عمل کی اس فصل میں اخلاقی تحدیات کے ان عوامل اور اسباب کا جائزہ لیا جائے گا جن کی وجہ سے پاکستانی سماج مختلف الجہات سے اخلاقی گراؤ کا شکار ہے۔

¹ ابوداؤد، السنن، کتاب الاخلاق والبر والصلۃ، رقم حدیث: 2399

علوم کی اسلامی تشکیل نو سے عدم توجہی

اُمت مسلمہ موجودہ دور میں بے بسی اور بے چارگی کے دور سے گزر رہی ہے اور مصائب نے لوگوں کے حوصلے پست کر دیے ہیں۔ دیگر نظام کی بالادستی نے بے اعتمادی کی فضا پیدا کر دی ہے، اجنبی تہذیبوں کی دوڑ ہر میدان میں دکھائی دے رہی ہے، انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کی مقبولیت تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے، مختلف پروگراموں اور معاشی و سیاسی سرگرمیوں میں اس کا اثر دیکھنے کو مل رہا ہے۔ اگر ان حالات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو ہماری نگاہ تعلیمی نظام پر جا کر ٹھہر جاتی ہے جو دو متضاد رویوں کا شکار ہے۔ جس کے نتیجے میں دیگر تہذیبوں کے اثرات نے مسلم معاشرے کا رخ اپنی جانب بہت تیزی سے موڑا اور پوری طرح اپنا تسلط قائم کرنے کی کوشش کی اور مسلم معاشرہ اسلام سے دُور ہوتا چلا گیا۔ اسلامی فکر و عمل پر غیر اسلامی افکار و خیالات کا غلبہ نظر آنے لگا اور یوں اُمت مسلمہ اندرونی کرب و بے چینی کا شکار ہو گئی۔ مغربی تہذیب سے پڑنے والے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"انہوں نے اپنی تعلیم ہم پر مسلط کی اور اس طرح مسلط کی کہ رزق کی کنجیاں ہی لیکر اپنی تعلیم گاہوں کے دروازے پر لٹکا دیں جس کے معنی یہ تھے کہ اب یہاں رزق وہی پائے گا جو یہ تعلیم حاصل کرے گا۔ اس دباؤ میں آکر ہماری ہر نسل کے بعد دوسری نسل پہلے سے بڑھ چڑھ کر ان تعلیم گاہوں کی طرف گئی اور وہاں وہ سارے ہی نظریات اور عملیات سیکھے جن کی روح اور شکل بالکل ہماری تہذیب کی ضد تھی اگرچہ کھلا کافر تو وہ ہم میں سے فی لاکھ ایک بھی نہیں بنا سکے مگر فکر و نظر اور زوق و جدان اور سیرت و کردار میں سست مسلمان انہوں نے شاید دو فیصد کو بھی رہنے نہیں دیا۔"¹

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اس تہذیبی تباہی کو لانے اور حالات کا رخ مغربی اقوام کی طرف موڑنے میں جو چیز سب سے زیادہ موثر ثابت ہوئی، وہ تعلیمی نظام تھا، جو دو حصوں پر منقسم تھا: ایک حصہ اسلامی علوم پر مشتمل تھا اور دوسرا جدید علوم پر مشتمل۔ ابتدائی مدارس کے ماحول کی وجہ سے دل تو اسلام کی جانب مائل رہتا، مگر دماغ اور شعور بہ تدریج اعلیٰ جدید تعلیم کے ذریعے متاثر ہو جاتا، جس کا مقصد مغربی افکار و نظریات کو پروان چڑھانا اور محض مادی خواہشات کی تکمیل تھا۔

¹ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، ص: 235

اسماعیل راجی الفاروقی نے تعلیم کی اسی تقسیم کو مسلمانوں کے زوال کا سب سے بڑا سبب قرار دیا کیوں کہ علوم کا دو خانوں میں بٹوارہ کسی بھی صورت میں امت کی تشکیل نو کے لیے کارگر ثابت نہیں ہو سکتا اور اس نظام کے تحت امت اپنے فرض کو پورا کرنے پر قادر نہیں ہو سکتی۔

مسلم امت کے زوال کے اسباب کو جاننے اور سمجھنے کی سعی دیگر مسلم مفکرین سرسید احمد خاں اور محمد عبدہ وغیرہ نے بھی کی اور انھوں نے یہ حل نکالا کہ تعلیمی نظام میں تجدید کی آمیزش سے نظام تعلیم کی اصلاح ہو سکتی ہے اور مسلم قوم ترقی کی منازل طے کر سکتی ہے۔ راجی الفاروقی نے مذکورہ حضرات کی تجدیدی فکر اور ان کی کاوشوں پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

”ماضی میں کچھ مسلمان دانشوروں نے اسلامی نظام تعلیم کی اصلاح کی یہ صورت نکالی کہ اس کے نصاب میں اجنبی افکار سے مستعار لی ہوئی چیزوں کی پیوند کاری کر دی جائے۔ سرسید احمد خاں اور محمد عبدہ اسی طرز فکر کی حامل شخصیتیں ہیں۔ اسی انداز فکر پر عمل کرتے ہوئے جمال عبدالناصر نے مضبوط اسلامی قلعہ جامعۃ الازہر کو ۱۹۶۱ء میں ایک جدید یونیورسٹی میں تبدیل کر دیا۔ اس تجدیدی فکر کی پوری عمارت اس مفروضے پر قائم کی گئی تھی کہ نام نہاد جدید علوم بے ضرر ہیں۔ اس نکتے پر کم ہی توجہ دی گئی کہ اجنبی ادبیات، معاشرتی علوم اور سائنسی علوم وغیرہ زندگی، کائنات اور تاریخ کے ایک منضبط نظریے کے مختلف پہلو ہیں، جو اسلام کے لیے قطعاً بیگانہ ہیں۔ یہ لوگ اس لطیف مگر لازمی تعلق کو شاید ہی سمجھ سکے ہوں جو ان علوم کے طریقہ ہائے تنظیم اور نظریہ ہائے صداقت اور علم کو اجنبی دنیا کے نظام اقدار کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔ اسی سبب سے ان کے اقدامات کچھ مثبت نتائج پیدا نہ کر سکے“¹

بعض مسلمان ماہرین تعلیم نے مسلمانوں کی ابتر حالت کو تبدیل کرنے کے لئے نصاب کی اسلامی تشکیل کو انتہائی اہم قرار دیا ہے درحقیقت اس تحریک کا آغاز علامہ اقبال کے نظریہ تعلیم سے ہوتا ہے جو ہر وقت نصاب تعلیم سے پر شکوہ اور مضطرب رہے۔ آپ کا دور بھی دو مختلف نصاب ہائے تعلیم سے لبریز تھا ایک طرف لارڈ میکے کا نصاب تعلیم جو اسلامی فنون سے بالکل عاری تھا تو دوسری طرف مدارس کا نظام تعلیم جو قرآن و حدیث اور فقہ جیسے مضامین پر مشتمل تھا۔ علامہ اقبال کی یہ شدید خواہش تھی کہ ہمارا نظام تعلیم ایسے اصولوں پر قائم ہو جو نئی نسل کو اسلامی نصب العین کے مطابق زندگی گزارنے کا فن سیکھائے تاکہ جو انوں کی ایسی تربیت ہو سکے معاشرے کی امامت اور پیشوائی کر سکے۔ اس لئے تمام علوم میں ہمارا نقطہ نظر اسلامی ہو۔ آپ نے محمدن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ دہلی 1911ء میں صدارتی تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

¹ 9 Imtiyaz Yusuf, et al. Islam and Knowledge: Al Faruqi,s Concept of Religion in Islamic Thought,(Newyark:IB,Touris,2012)p:26

"میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اسلام مغربی تہذیب کے تمام اصولوں کا سرچشمہ ہے۔ پندرہویں صدی عیسوی میں جب سے یورپ کی ترقی کا آغاز ہوا یورپ میں علم کا چرچا مسلمانوں ہی کی یونیورسٹیوں سے ہوا تھا۔۔۔ کسی یورپین کا کہنا تھا کہ اسلام اور علوم جدیدہ یکجا نہیں ہو سکتے سراسر ناواقفیت پر مبنی ہے اور مجھے تعجب ہے کہ علوم اسلام اور تاریخ اسلام کے موجود ہونے کے باوجود کیونکر کہہ سکتا ہے کہ علوم جدیدہ اور اسلام ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے" ¹

اس اقتباس سے واضح ہے کہ علامہ اقبال اسلامی نظریہ تعلیم کے اس قدر قائل ہے کہ اس کے بغیر مسلمانوں کے مرض کا علاج ممکن نہیں ان کے نزدیک وہ تعلیم جو انسان کو مذہب اور اخلاق سے بعید کر دے زہر ہلا حل سے کم نہیں ضرب کلیم میں مغربی نظام تعلیم سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف ---- اور یہ اہل کلیساء کا نظام تعلیم ²

ان کے نزدیک علم کی غیر اسلامی تشکیل در حقیقت دین کے خلاف ایک سازش ہے تاکہ آنے والی نسلیں اپنے رب سے غافل رہے حالانکہ اقبال کا خیال یہ تھا کہ نوجوان صحابہ کرام کی عملی تصویر بنے اور ان کا ہر فعل مصطفوی کردار کی عکاس ہو اور ان کا کوئی عمل شریعت مقدسہ کے مخالف نہ ہو اس لئے مسلمانوں کو علم کی غیر اسلامی تشکیل سے انتباہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

خوش تو ہم بھی ہیں جو انوں کی ترقی سے مگر --- لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم ---- کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ ³

علم کی غیر اسلامی تشکیل کی وجہ سے آج پاکستان جیسے اسلامی ممالک میں الحاد جیسی نظریات سرایت کر چکی ہے اس لئے اقبال ایسی تعلیم سے نالاں تھے جسے حاصل کرنے کے بعد انسان نہ صرف بے راہ رو ہو جائے بلکہ صداقت، دیانت، شجاعت اور امامت کا درس تک فراموش کر بیٹھے۔ علامہ اقبال کے نزدیک مغربی تعلیم کی بنیاد مادہ پرستی پر استوار کی گئی ہے اس میں اسلام اور روحانیت کا کوئی پہلو موجود نہیں علم کی اس غیر اسلامی تشکیل نے ہمیں غلامی پر قانع کیا اور انگریزی تہذیب و تمدن پر ناز کرنا سکھایا۔ اس نے مسلمانوں کو مذہب سے بیگانہ کرنے کے ساتھ یہ باور کرانے میں کامیاب ہوا کہ

¹ محمد انیسو کیشنل کانفرنس منعقدہ دہلی 27 دسمبر 1911

² علامہ اقبال، بال جبریل، (لاہور: اقبال اکادمی 1986) ص: 122

³ علامہ اقبال، ضرب کلیم، (لاہور: کپور آرٹس پرنٹنگ ورکس 1944) ص: 80

دولت ہی سب کچھ ہے اقبال اس تعلیم کے خلاف تھے جو غیر اسلامی تشکیل کی وجہ سے مذہب سے بیگانہ کر دے۔ وہ چاہتے تھے علوم جدیدہ مذہبی تصورات میں پرو کر پیش کیا جائے تاکہ آنے والی نسلیں مغربی یلغار سے محفوظ رہ سکے۔ مسلمانوں کے اس عظیم مقدمے کو ایک فلسطینی مفکر ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی نے بھی علامہ اقبال کے شانہ بشانہ لڑا۔ بیسویں صدی میں پورے آب و تاب کے ساتھ اجاگر کیا اور اس کی ضرورت کو شدت کے ساتھ محسوس کیا اور اسلامائزیشن آف نالج کے عنوان سے اس پر دلجمعی کے ساتھ کام کا آغاز کیا۔ ویکیپیڈیا ان کے تعارف میں لکھتا ہے:

“He was also one of those who proposed the idea of Islamization of knowledge and founded the International Insititute of Islamic Thought (IIIT) together with TahJabir Alwani, Abdul Hamid, Abu suleman, Formar Reactor of international Islamic Universit Malaysia and Anwer Ibrahim in 1980”¹

"یہ پہلا مسلمان مفکر ہے جس نے مغربی دنیا کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں اسلامک سٹڈیز کا شعبہ متعارف کرایا اور بین المذاہب ہم آہنگی کے لئے بنیادی کردار ادا کیا اور اسلام کی حقیقی تعلیمات کو دوسرے مذاہب کے سامنے روشناس کرانے میں بھرپور نمائندگی کی۔ اسلامائزیشن آف نالج کو زندگی کا ہدف قرار دیکر ایک وسیع البنیاد ادارے کی بنیاد ڈالی جو انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ آف اسلامک تھٹ سے دنیا میں جانا جانے لگا۔"

ان اداروں کے ذریعے آپ نے اسلام کی حقیقی ترجمانی کا عزم لئے علم کی اسلامی تشکیل پر زور دیا جیسا کہ ادارہ اس موضوع کی وضاحت میں لکھتا ہے:

“The Islamization of knowledge is of fundamental importance and occupies foremost priorty in actualizing Islamization. It is concered with thought, ideology and a narrative and ideational human pattern its constituents, and its roots in reason, psyche, and concince may be built.”²

"علم کی اسلامائزیشن بنیادی اہمیت کی حامل ہے اور اسلامائزیشن کو عملی جامہ پہنانے میں اولین ترجیح رکھتی ہے اس کا تعلق فکر، نظریہ اور ایک معیاری اور نظریاتی انسانی کو نمونہ سے ہے اور اس طرح کا نمونہ اس کے اجراء اس کی جڑیں، عقل، نفسیات اور ضمیر کیسے بن سکتی ہے یہ علم کی اسلامائزیشن کو ایک ہی شرط بناتا ہے۔"

¹Islamization of Knowledge, General Principle and Work Plan, Second edition, International Insititute of Islamic Thought, Hirenden, Verginia, USA, P:83

²Islamization of Knowledge, General Principle and Work Plan, Second edition, International Insititute of Islamic Thought, Hirenden, Verginia, USA, P:83

مفکرین کے ادراک کے مطابق یہ وہ بنیادی مسئلہ ہے جس کی بدولت نئی نسل اسلامی اصولوں کو پامال کر رہی ہے۔ کیونکہ علم کی غیر اسلامی تشکیل کے نتیجے میں بننے والی فکر اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ نہیں ہوتی اور نہ ہی اخلاقی اصولوں کی پاسداری کرتی ہے ایسے میں انسان سماجی حدود کو عبور کرتے ہوئے جھجک محسوس نہیں کرتا۔ اس کی عقل، نفسیات اور ضمیر مردگی اختیار کرتے ہوئے ملامت کرنے سے عاجز آجاتی ہے اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ علم کو جدید علوم اور پھر ان علوم کو اسلامی طرز تفکر سے ہم آہنگ کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ لہذا تمام سائنسی اکتشافات کو قرآن و حدیث سے ہم آہنگ بنا کر نئی نسل کی فکری تربیت کی جائے تو آنے والی نسلیں اس بات پر قائل و قانع ہو گئی کہ ان ضروریات اور مسائل کا حل قرآن و حدیث سے ہی ممکن ہے لیکن اہل کلیساء کی نظام تعلیم سے نوجوان نسل مقصد تعلیم کھونے کے ساتھ اخلاقی و فکری بے راہ روی کا شکار ہیں۔ بلکہ نوجوان نسل کے عقائد تک متزلزل کیا ہے اس لئے مفکرین و حکماء و علم کی اسلامی تشکیل کو سماج کے لئے بنیادی ضرورت سمجھتے ہیں تاکہ تعلیم کے ساتھ تربیت و تزکیہ کا عمل جاری رکھ سکے جس سے نوجوان نسل اپنی ابتدائی خلقت کی طرف متوجہ ہونے کے ساتھ اسلامی تعلیمات پر کاربند رہ سکے۔

حلال و حرام کا امتزاج

اخلاقی تحدیات کے اسباب میں سے ایک اہم سبب حلال و حرام کا امتزاج اور اختلاط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بالعموم اور مسلمان کو بالخصوص رزق حلال و حرام میں تمیز کرنے کا حکم دیا ہے، رزق حلال کمانا اور رزق حرام سے اجتناب کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ نماز، روزہ و دیگر فرائض پر عمل پیرا ہونا۔ مگر قابلِ تعجب ہے یہ بات کہ پاکستانی مسلم معاشرے میں بھی کم ہی لوگ ہیں جو حلال و حرام کی تمیز کرتے ہیں، بلکہ اس حیرت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے جب مسلم سوسائٹی کے نوجوان یہ سوال کرتے ہیں کہ یہ چیز حرام کیوں ہے؟ اس کے استعمال میں حرج کیا ہے؟ حالانکہ یہ بات مسلمان کی شان سے بعید ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کو ماننے کے بعد ایسے سوالات اٹھائے۔ قرآن مجید میں رزق حلال کے بارے میں خصوصی تاکید کی گئی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾¹

(اے رسولو! ستھری چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو، بے شک میں جانتا ہوں جو تم کرتے ہو۔)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنَّ كُنتُمْ لِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾²

¹ المومنون: 51

² البقرة: 172

(اے ایمان والو پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی اور اللہ کا شکر کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔)

مذکورہ بالا آیات مبارکہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رزق حلال و طیب کھانے سے نیکیوں اور عمل صالح کی توفیق ملتی ہے، گویا کہ رزق حرام سے بچنے والے انسان کیلئے نیک اعمال کرنے آسان ہو جاتے ہیں، رزق حلال سے تقویٰ و طہارت کا حصول ہوتا ہے اور رزق حلال وہ عظیم دولت ہے کہ جس کو یہ حاصل ہو جائے اُسے اور کچھ نہ ملے تو کوئی پروا نہیں، یعنی انسان رزق حلال کی برکت سے نقصان سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

((إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: أَرْبَعٌ إِذَا كُنَّ فِيكَ فَلَا عَلَيْكَ مَا فَاتَكَ مِنَ

الدُّنْيَا: حِفْظُ أَمَانَةٍ، وَصِدْقُ حَدِيثٍ، وَحُسْنُ خَلِيقَةٍ، وَعِفَّةٌ فِي طُعْمَةٍ))¹

"اگر تیرے اندر یہ چار باتیں ہوں تو دنیا تجھ سے فوت بھی ہو جائے تو تجھے کوئی نقصان نہیں، ایک امانت کی حفاظت،

دوسری بات میں سچائی، تیسری اچھے اخلاق اور چوتھی کھانے میں پاکیزگی (یعنی رزق حلال)"

دوسری روایت میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس آدمی نے حلال مال کمایا، پھر اس کو اپنی ذات پر (خرچ کیا) یا دوسری اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو کھلایا، یا (اس مال میں سے) کپڑا پہنایا تو اُس کیلئے یہ چیز پاکیزگی و طہارت کا ذریعہ بنے گی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی کے لیے بھی اس کے ہاتھ کی کمائی کے کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہے اور یہ کہ اللہ کے نبی (حضرت) داؤد (علیہ السلام) اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔²

اسی طرح یہ واقعہ بھی حدیث میں ملتا ہے کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت اُم عبداللہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں افطاری کے وقت دودھ کا ایک پیالہ بھیجا، اس دن آپ ﷺ روزے سے تھے، سخت گرمی کا موسم اور طویل دن تھا، آپ ﷺ نے دودھ قاصد کو دیکر واپس بھیج دیا، کہ یہ پوچھ کر آؤ کہ یہ دودھ تمہیں کہاں سے آیا ہے؟ حضرت اُم عبداللہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ یہ دودھ میری بکری سے حاصل ہوا ہے، قاصد نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بتایا، تو آپ ﷺ نے قاصد کو دوبارہ واپس بھیجا کہ یہ معلوم کرو کہ وہ بکری تجھے کہاں سے ملی ہے۔؟ حضرت اُم عبداللہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ وہ بکری میں نے خریدی ہے۔ تب آپ ﷺ نے وہ دودھ پی لیا۔ دوسرے دن حضرت اُم عبداللہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ

¹ احمد بن حنبل، المسند، مسند المکثرین من الصحابة، حدیث رقم: 6652

² بخاری، الصحيح، کتاب البیوع، باب: کسب الرجل، حدیث رقم: 2072

یا رسول اللہ ﷺ! میں نے سخت گرمی اور لمبے دن کی وجہ سے آپ کی خدمت میں دودھ بھیجا تھا مگر آپ ﷺ نے واپس کر دیا۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رسولوں (علیہم السلام) کو یہی حکم ہے کہ سوائے پاکیزہ چیز کے کچھ نہ کھاؤ اور سوائے نیک عمل کے کچھ نہ کرو¹

ناپاک چیز میں اس کے خبث (گندگی) سے منفعت اور برکت اٹھالی جاتی ہے جبکہ طیب یعنی پاک چیز میں منفعت اور برکت دونوں موجود ہوتی ہیں رزقِ حلال میں منفعت اور برکت سے مراد یہ ہے کہ وہ رزق ایسا ہو کہ اس میں مطلوبہ فائدہ بھی ہو اور نعمت کی فراوانی بھی ہو چنانچہ اس تناظر میں کلام اللہ کی درج ذیل آیت نہایت اہمیت کی حامل ہے ارشادِ باری ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أَحَلَّ لَهُمْ كُلَّ أَهْلٍ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ ۖ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ ۖ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝۲﴾

(تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا چیز حلال ہے، کہہ دو تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں، اور جو شکاری جانور جسے شکار پر دوڑنے کی تعلیم دو کہ انہیں سکھاتے ہو اس میں سے جو اللہ نے تمہیں سکھایا ہے، سو اس میں سے کھاؤ جو وہ تمہارے لیے پکڑ رکھیں اور اس پر اللہ کا نام لو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔)

متذکرہ بالا آیت میں باری تعالیٰ اعلان فرما رہے ہیں کہ اے حبیبِ مکرم ﷺ، آپ انہیں بتا دیجیے کہ طیبات ہی حلال ہیں یعنی کھانے کی وہ تمام چیزیں جو پاک و پاکیزہ ہیں اور ان میں فوائد اور برکات بھی موجود ہیں، وہ حلال ہیں اور انسان کی طبعِ سلیم اور فطرتِ سلیمہ ان غذاؤں کو قبول کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتی سلیم فطرت لوگوں کی غذا کی مثال اصحابِ کہف کے واقعے سے سمجھی جاسکتی ہے جب تین سو سال سونے کے بعد جب یہ حضرات اللہ کے حکم سے بیدار ہوئے اور بھوک محسوس ہوئی تو اس بات کا خاص خیال رکھا کہ جو کھانا لینے شہر جائے وہ حلال اور طیب چیزوں میں سے نہایت پاکیزہ، نفیس، عمدہ اور لذیذ غذا (کھانا) تلاش کر کے لائے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ ۖ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِئْتُمْ ۖ قَالُوا لَبِئْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِئْتُمْ ۖ فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْتَظِرْ أَتَيْهَا أَزْكَىٰ طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ۝۳﴾

¹ البانی، سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، الاضاحی، والزباج، والطعمیہ، حلال اشیاء، حدیث رقم: 1866

² المائدہ: 4

³ الکہف: 19

(اور اسی طرح ہم نے انہیں جگا دیا تاکہ ایک دوسرے سے پوچھیں، ان میں سے ایک نے کہا تم کتنی دیر ٹھہرے ہو، انہوں نے کہا ہم ایک دن یا دن سے کم ٹھہرے ہیں، کہا تمہارا رب خوب جانتا ہے جتنی دیر تم ٹھہرے ہو، اب اپنے میں سے ایک کو یہ اپنا روپیہ دے کر اس شہر میں بھیجو پھر دیکھے کون سا کھانا سستا ہے پھر تمہارے پاس اس میں سے کھانا لائے اور نرمی سے جائے اور تمہارے متعلق کسی کو نہ بتائے۔)

۱۔ سیت مذکورہ میں غذا کے لیے ازکی طعام کے الفاظ قابل غور ہیں یعنی حلال اور طیب کھانوں میں سب سے زیادہ نفیس اور پاکیزہ رزق کی تلاش اہل توحید اور اہل حق کا ہمیشہ شعار رہا ہے کہ جب بھی وہ اپنے لیے رزق کا انتخاب کرتے ہیں تو حلال اور طیب ہی کو تلاش کرتے ہیں، کیوں کہ رزق جس قدر حلال ہوگی اتنی ہی اعمالِ صالحہ کی توفیق ہوگی۔

مذکورہ مفہیم سے یہ واضح ہے کہ طیبات سے مراد پاکیزہ، لذت بخش اور عمدہ چیزیں ہیں جو اپنے اثرات و نتائج کے اعتبار سے بھی نہایت پاکیزہ ہوتی جبکہ خباثت اور مشکوک کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے حرام قرار دیا ہے کہ وہ اپنے نتائج و مابعد اثرات کے اعتبار سے نہ صرف نجس اور ناپاک بلکہ زہریلی اور مہلک بھی ہوتی ہیں بلکہ خطرناک اور لاعلاج امراض کا موجب بھی ہوتی ہیں۔ جدید تحقیق کی رو سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ غذائیں جو قرآن و سنت میں حلال اور طیب قرار دی گئی ہیں وہ انسانی صحت کے لیے انتہائی مناسب اور مفید ہیں اور خباثت حرام، ناجائز، مشکوک، ناپاک، نجس، زہریلی، سہمی اور پلید چیزیں یا غذائیں جن کے استعمال پر قرآن و سنت میں سخت ممانعت اور شدید تنبیہ کی گئی ہے ان کے مضر اثرات اور نقصانات آج تحقیق جدید سے روز روشن کی طرح عیاں ہو چکے ہیں۔ آج انسان نے اپنے خالق و مالک حقیقی کی حرام کردہ اشیاء کا اعلانیہ استعمال شروع کیا تو وہ کن موذی روحانی اور جسمانی خطرناک، لاعلاج اور مہلک امراض کا شکار ہو رہا ہے۔

ان مذکورہ گذارشات سے واضح ہے کہ الحاد اور سیکولر نظریات نے مسلم سماج کو کسی قدر مذہبی تعلیمات سے دور کر کے فاسد تصورات کو مسلمانوں پر مسلط کیا اور اخلاقیات کی دھجیان اڑادی اور ان تصورات ہی کی بدولت آج پاکستانی سماج مختلف اخلاقی تحدیات کا شکار ہے۔

یکساں نصاب تعلیم کا فقدان

کسی بھی قوم کی ترقی کا راز اس کے نوجوانوں کے تعلیمی استعداد پر مبنی ہوتا ہے۔ بہترین تعلیم نسل نو کی شخصیت و کردار کی تعمیر کی ضامن ہوتی ہے، تعلیم ہی انسان کو تہذیب و تمدن کی اعلیٰ اقدار سے روشناس کرانے کے ساتھ ساتھ افراد کی ذہنی تطہیر کا کام بھی کرتی ہے۔ اس سے اخلاقی و معاشرتی نظام سنورتا ہے، جس قوم کا تعلیمی نظام اور نوجوانوں کی تعلیمی کیفیت اعلیٰ ہو وہ قوم ترقی کی منازل طے کر کے اوج ثریا پر اپنا علم بلند کر جاتی ہے۔

1940 میں قرار داد پاکستان منظور ہونے کے ساتھ ہی قائد اعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کے ماہرین پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی، جس کی ذمہ داری تھی کہ پاکستان کے لئے تعلیم و ثقافت کا ایک ایسا نظام وضع کرے، جس کے ذریعے نئی ریاست اور اس کے نظام تعلیم کو اسلامی تقاضوں کے مطابق مرتب کیا جاسکے، اس کمیٹی کے ذمے تین کام تھے (1) نظام تعلیم (2) نظام معیشت (3) نظام سیاست

پاکستان بننے کے فوری بعد اکتوبر 1947ء میں پہلی قومی تعلیمی کانفرنس بلائی گئی، جس میں پورے ملک سے ماہرین تعلیم کو دعوت دی گئی تھی۔ اس کانفرنس کے نام ایک پیغام میں قائد اعظم محمد علی جناح نے لکھا کہ، موجودہ نظام تعلیم ہماری ضروریات کی تکمیل نہیں کر سکتا اور ہمیں مکمل صحیح خطوط پر استوار نظام تعلیم کی ضرورت ہے۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ پاکستان میں نظام تعلیم زوال پزیر ہے لیکن حقیقتاً یہ مسئلہ زوال پزیر ہونے سے بھی زیادہ گھمبیر ہو چکا ہے۔ پاکستان میں نظام تعلیم کا زوال پزیر ہونا اصل مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کا غیر منظم و بے مقصد ہونا اصل مسئلہ ہے۔ اس وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت پاکستان نے نظام تعلیم پر سے اپنا کنٹرول دانستہ طور پر نہ صرف ختم کر دیا ہے بلکہ اسے مارکیٹ فورسز کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔ اس کے بنیادی طور پر دو ناقابل تلافی نقصانات ہوئے ہیں۔

اول یہ کہ نظام تعلیم سے قومی تربیت کا عنصر ختم ہو گیا ہے اور دوم یہ کہ تعلیم اس قدر مہنگی ہو گئی ہے کہ متوسط طبقے کی پہنچ سے بھی باہر ہو گئی ہے۔ ایک واضح اور بامقصد قومی پالیسی کے تحت ہر سطح پر بچوں اور نوجوانوں کی فکری تربیت کسی بھی بیدار قوم کے لئے آگے بڑھنے میں محدود و معاون ثابت ہوتی ہے۔ قوموں کی ترقی کے لئے تعلیم و تربیت جسم میں دوڑتے ¹خون کی طرح ہوتی ہے۔ لیکن پاکستان کا المیہ ہے کہ اس جانب عملی طور پر کسی بھی حکومت نے سنجیدگی سے توجہ نہیں دی۔ تعلیم کے لئے ہمارے بجٹ کا حجم ثبوت کے طور پر کافی ہے۔ دوسرے ملکوں کے سیکولر اور اسلام دشمن نصاب کو اپنا کر ہم اپنی نسلوں کو بے مقصد اور لادین بنا رہے ہیں اور ایسی نسل سے یہ توقع رکھنا کہ ان میں نظم و ضبط پیدا ہو گا یا یہ کہ وہ قومی مسائل کا ادراک اور قومی خدمت کا شعور رکھیں گے ایک خواب عبث ہے۔

پاکستان میں جب تک ہمارے مذہب اور ثقافت کے مطابق نصاب اور اپنا تیار کیا ہوا یکساں نظام تعلیم نافذ نہیں ہو گا، ہمارا ایک مربوط اور منظم طریقے سے ترقی کرنا ناممکن ہے۔ پاکستان کے تمام بورڈز کو توڑ کر نیا بورڈ بنانے اور مرکزی نظام تعلیم نافذ کرنے کی ضرورت ہے۔ انٹر تک تعلیم مفت ہونی چاہیے اور نصاب ایک ہونا چاہئے۔ غیر ملکی سلیبس پڑھنے والوں کے

لئے ملک کی تمام جامعات میں داخلے کو ممنوع قرار دیا جائے۔ اگر حکومت عوام کے لئے مفت صحت اور مفت تعلیم کا انتظام کر دے تو پاکستان میں گھٹتے ہوئے مڈل کلاس کی تعداد میں ایک مرتبہ پھر اضافہ ہو سکتا ہے جو کہ کسی بھی ملک کی ترقی کے لئے کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔

محاسبہ و تزکیہ نفس سے چشم پوشی

تزکیہ نفس سے غفلت اکثر اخلاقی تحدیات کو جنم دیتی ہے۔ تزکیہ نفس سے مراد ہے کہ نفس انسانی میں موجود شر کے فطری غلبہ کو دور کرنا اور اسے گناہوں کی ان آلودگیوں اور آلائشوں سے پاک کرنا جو روحانی نشو و نما میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہیں۔ ان تمام بدی کی خواہشات پر غلبہ پالینے کا عمل تزکیہ نفس کہلاتا ہے۔

اپنی ذات کو گناہوں سے پاک کرنے کو اصطلاح میں تزکیہ نفس کہا جاتا ہے۔ تزکیہ کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا مطلب گناہوں کو دور کرنا اور ان کی صفائی کرنا ہے۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ صفائی کے بعد نیکیوں اور اچھے اعمال کی بنیاد رکھنا اور انہیں نشو و نما دینا ہے۔ نفس سے مراد انسانی ذات یا شخصیت ہے۔ چنانچہ تزکیہ نفس کا مفہوم یہ ہوا کہ انسانی شخصیت میں سے برائیوں کو ختم کرنا اور اچھائیوں کو پروان چڑھانا۔

تزکیہ نفس دیکھنے میں تو ایک سادہ عمل ہے لیکن عملی طور پر دیکھا جائے تو انتہائی مشکل کام ہے۔ لیکن یہی دین کا مقصود ہے اور اسی عمل میں کامیابی کا نتیجہ جنت کی ابدی نعمتوں کی شکل میں نکلے گا۔ جبکہ اس میں ناکامی کا انجام جہنم کے گڑھے ہیں۔ تزکیہ نفس کی اسی اہمیت کی بنا پر قرآن نے اسے براہ راست موضوع بنایا ہے۔

جنت میں داخلے کی شرط تزکیہ ہے۔ جنت میں داخلے کے لیے ضروری ہے کہ انسان نے خود کو ہر طرح کے گناہوں اور لغزشوں سے پاک کرنے کی کوشش کی ہو۔ یعنی جنت کی شہریت کے لیے تزکیہ کا حصول لازمی ہے۔ قرآن میں بیان ہوتا ہے:

﴿جَنَّا تُعَذِّبُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّى﴾¹

(ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ اس کی جزا ہے جو گناہ سے پاک ہوا۔)

ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا﴾²

¹ طہ: 20

² الشمس: 9

(بے شک وہ کامیاب ہوا جس نے اپنی روح کو پاک کر لیا۔ اور بے شک وہ غارت ہوا جس نے اس کو آلودہ کر لیا۔)

یہی مضمون ایک اور آیت میں بیان ہوا ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى﴾¹

(فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کیا) (پاکیزگی اختیار کی۔)

تزکیہ میں ناکامی کا انجام جہنم ہے

آخرت میں ایک انسان اگر گناہوں کے ساتھ خدا کے حضور پیش ہو لیکن اس کی نیکیاں برائیوں سے سبقت لے جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان گناہوں کو دور کر کے اسے پاک کر دیتے اور جنت میں داخلے کے قابل بنا دیتے ہیں۔ البتہ وہ لوگ جنہوں نے اپنے ظاہری و باطنی وجود کو گناہوں سے آلودہ رکھا اور اسی حالت میں آخرت میں اللہ کے حضور پہنچ گئے ان کی آلودگی کو پاک کرنے سے اللہ نے صاف انکار کیا ہے۔ اس سے علم ہوتا ہے کہ تزکیہ کی ابتدا انسان کا اپنا عمل ہے۔

آج پاکستانی سماج اصلاح نفس کے پہلو کو سرے سے نظر انداز کر بیٹھا ہے۔ حلال و حرام، جائز و ناجائز رویے دن بدن پختہ جارہے ہیں، حقوق کی پامالی، ظلم و زیادتی معمول بن چکا ہے جس کا منہا تباہی و بربادی پر منہج ہوتا نظر آتا ہے۔ لہذا افراد کو یہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ اس نے کیا بھلائی کی اور کون سی برائی کا مرتکب ہوا ہے۔ وہ اپنے انفرادی اور اجتماعی فرائض کہاں تک ادا کر رہا ہے۔ اس جائزے کا مقصد اپنی آئندہ زندگی کو نکھارنے اور سنوارنے کی جدوجہد کو مزید تیز کرنا ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے محاسبہ نفس کا تصوریوں دیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾²

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اُس نے کل کے لیے کیا سامان کیا ہے۔)

امام ابن کثیر کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنا محاسبہ کیے جانے سے پہلے پہلے خود ہی اپنا محاسبہ کر لو اور دیکھو کہ تم نے قیامت کے روز اپنے رب کے سامنے پیش کرنے کے لیے کیا اعمالِ صالحہ جمع کیے ہیں اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تمہارے تمام احوال و اعمال کو خوب جانتا ہے۔ اس سے تمہاری کوئی شے مخفی نہیں“ حدیث رسول معظم ﷺ سے بھی اس ضمن میں رہنمائی ملتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

((الْقَاسِ مِنْ دَانَ نَفْسَهُ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ اتَّبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَ تَمَتَّى

عَلَى اللَّهِ الْإِمَانِيَّ))³

¹ الا علی: 14

² الحشر: 18

³ ابن ماجہ، السنن، کتاب الزہد، حدیث رقم: 4260

(سمجھ دار وہ ہے جس نے اپنے نفس کو مطیع کر لیا اور بعد الموت کے لیے عمل کیا۔ اور بے بس وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اس کی خواہشات کے پیچھے لگا دیا اور اللہ سے آرزوئیں کرتا رہا)

امام ابن قیم کے نزدیک غفلت، محاسبہ نہ کرنا، اصلاح کے کام کو موخر کرتے رہنا، اور معاملات کو معمولی خیال کرنا، یہ سب رویے تباہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور یہ دھوکے میں مبتلا لوگوں کی حالت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ نتائج و عواقب سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور پیش نظر صورت حال ہی کو دیکھتے اور معافی کے تصور پر انحصار کیے رہتے ہیں۔ وہ محاسبہ نفس اور انجام پر نظر رکھنے کو اہمیت نہیں دیتے۔ جب انسان ایسی روش اختیار کرنے لگے تو اس کے لیے ارتکاب گناہ کے مواقع آسان ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ گناہوں سے اس کو پیار ہونے لگتا ہے اور ان سے کنارہ کش ہونا اس کے لیے مشکل ہوتا ہے۔¹

خواہشات نفسانی کی پیروی

فکری تحدیات کا سب سے اہم سبب خواہشات نفسانی کی پیروی کرنا ہے۔ خواہشات ایسی بے بہا سمندر ہیں جس کے حدود تک رسائی جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ یہ انسان کی حرکت و فعالیت کا سب سے اہم اور طاقتور ذریعہ ہیں اور ان میں پائی جانے والی قوت متحرکہ ہی تنہا وہ سبب ہے جو مختلف جغرافیائی حدود میں جاہلانہ تہذیب اور تمدن کو پروان چڑھانے کا باعث بنتی ہے۔ اگر یہ خواہشات نفسانی عقل پر غالب آجائے تو کسی قسم کی فطری اور اخلاقی حدود کی پاسداری نہیں کرتیں۔ پاکستانی سماج میں انسانی رویوں سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ دنیاوی تمائل کی وجہ سے عقلی قضایا انسانی رویوں میں کہیں نظر نہیں آتے بلکہ حریص آنکھیں تمام تر قوانین سے ماوراء نظر رکھتی ہیں۔ یقیناً ایسے افراد خدا کی نظر میں گمراہ اور بھڑکے ہوئے ہیں جن کو خدا کے علاوہ کوئی ہدایت نہیں دے سکتا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہیں:

﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾²

¹ ابن قیم الجوزیہ، اناعیم اللہفان فی مصائد الشیطان، ج ۱، ص: 132

² ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج 4، ص: 660

(کیا آپ نے اسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا ہے اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے۔)

ایک مرتبہ حضرت زید بن صوحان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا:
"ای سلطان اغلب واقوی؟ قال الهوی"

"کس بادشاہ کا کنٹرول اور غلبہ سب سے زیادہ بہتر ہوتا ہے تو آپ نے جواب میں فرمایا الهوی خواہشات نفسانی کا"
"الخطایا: الشهوات خیل شمس حمل علیہا اهلها و خلقت لجمها فنقمهت بهم فی النار
الا وان التقوی مطایا ذلل حمل علیہا اهلها و أعطوا اذمتها فاوردتهم الجنه" ¹

"خطائیں اور خواہشات وہ سرکش گھوڑے ہیں جن پر کسی کو سوار کر کے ان کی لگام اتار دی جائے اور وہ اپنے سوار کو لیکر جہنم میں پھانڈ پڑیں لیکن تقوی وہ رام کی ہوئی سواریاں ہیں جن پر صاحبان تقوی کو سوار کر کے ان کے لگام ان کے ہاتھ میں دے دئے جائے اور وہ ان کو جنت میں پہنچادیں۔"

شمس دراصل شمس کی جمع ہے اور شمس اس سرکش اور اڑیل گھوڑے کو کہتے ہیں جو کسی کو اپنے اوپر سوار ہونے نہیں دیتا اور نہ ہی سوار کا تابع رہتا ہے۔ گویا سوار اسے لگام لگائے بغیر اس پر سوار ہو گیا تو وہ اس کے قابو میں نہیں رہتا اور وہ سوار کو لے اڑتا ہے اور سوار بھی اسے اپنے کنٹرول میں نہیں رکھ پاتا۔ یہی حال خواہشات کا بھی ہوتا ہے جو اپنے اسیر انسان کو ہر طرف لئے پھرتی ہیں اور وہ ان خواہشات کو صحیح جہت نہیں دے پاتا اور ان پر اپنا قابو اس طرح کھو بیٹھتا ہے جس طرح ایک سرکش گھوڑا بے قابو رہتا ہے۔ ²

انسانی زندگی میں جہاں اس کی تباہ کاریاں شہرہ آفاق ہے وہی اس کے مثبت کردار کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اگر خواہشات کو انسانی زندگی سے علیحدہ کیا جاتے تو حیات کی بقاء کو خطرہ لاحق ہونا ایک یقینی امر ہے ان کے مثبت اور اہم ثمرات کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

- اللہ تعالیٰ نے حیات انسانی کے اہم پہلو کو خواہشات سے منسلک کیا ہے یہی خواہشات لوازمات زندگی فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں جیسے تولید نسل زندگی کی بنیادی ضرورت ہے اس کے بغیر

¹ ابن ابی حدید، شرح صغیر، خطبہ: 15

² ابن منظور، لسان العرب، ص: 270

نسلوں کا وجود خطرے میں ہے۔ اگر جنسی خواہش ہی سرے سے نہ ہو تو نسل کیسے آگے بڑھے۔ اس لئے خواہش ہی وہ بنیادی محرک جو نسلوں کی وسعت کا سبب ہے۔

• کھانا پینا لوازمات زندگی فراہم کرنے کا اہم ذریعہ ہے اگر آب و دانہ کیسے خواہش مفقود ہو تو انسانی جسم نمو نہیں پاسکتا اور جہد مسلسل کے بغیر اس کے بدن میں پیدا ہونے والی کمزوری کا جبران ممکن نہیں ہوتا اور مردہ خلیوں کی جگہ زندہ خلیوں کا حصول مشکل ہو سکتا ہے۔

• سماج میں رہنے کی خواہش نفس انسانی کا اہم خاصہ ہے اگر یہ خواہش اور جذبہ نہ ہو تو سماجی زندگی انتشار کا شکار ہو کر انسانی تہذیب اور تمدن تار تار ہو جائے۔

• ملکیت اور مالکیت کی خواہش اور جذبہ جو انسان کو معاشی وسعت اور استحکام کی طرف رغبت دلاتا ہے۔ او اس کے حصول کے لئے انسان تن من دھن کی بازی لگاتا ہے۔ ظاہر سی بات ہے اگر یہ جذبہ نہ ہو تو اقتصادی نظام برباد ہو کر رہ جائے۔¹

اللہ تعالیٰ نے ان خواہشات کے ضمن میں نفس انسانی کے اندر علم و معرفت، یقین اور بندگی کے خزانے بھی ودیعت فرمائے ہیں اگر انسانی فطرت میں کمال مطلق کی چاہت ودیعت نہ ہوتی تو کبھی انسان اس کو پانے کی سعی نہ کرتا۔ خواہشات کی حقیقت کا تجزیہ کرتے ہوئے آیت اللہ مہدی آصفی لکھتے ہیں:

"نفسانی خواہشات در حقیقت حیوانی وجود کا مقدمہ ہے اور خواہشات کا اکثر حصہ حیوانات کے اندر پایا جاتا ہے۔ صرف انسانی مخلوق ہے جسکو خداوند عالم نے ارادہ کے ذریعے ان خواہشات پر غلبہ حاصل کرنے انہیں روکنے یا محدود رکھنے کی صلاحیت بھی عنایت فرمائی ہے اور اسی ارادہ کے ماتحت ہو جانے کے بعد یہ اڑیل اور خود سر حیوانی خصلتیں بھی بہترین روحانی اور اخلاقی فضائل و اقدار، بصیرت و یقین، عزم و استقلال اور تقویٰ و پرہیزگاری جیسی حسین شکل اختیار کر لیتی ہیں۔"²

اس اقتباس سے بھیدہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ خواہشات ایک بے بہا سمندر ہے، جس کا کردار ایسے حالات میں ہمیشہ مثبت رہتا ہے جب خواہشات عقل و ارادے کے تابع ہو۔ کیونکہ ارادہ ہی وہ صلاحیت اور طاقت ہے جو انہیں محدود رکھنے یا روکنے کی قوت رکھتا ہے اسی صلاحیت کی بدولت انسانی کی حیوانی خصلتیں اخلاقی فضائل میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور اگر خواہشات ارادے پر غالب آجائے تو یہ بے لگام قوت شیطان اور طاغوت سے بھی زیادہ تباہی مچانے پر قدرت رکھتی ہے

¹ مہدی آصفی، آیۃ اللہ، خواہشیں، (سرگودھا: حیدر بک ڈپو خوشاب روڈ پاکستان)، ص: 23

² ایضاً

اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کا کوئی راستہ باقی نہیں بچتا۔ اس لئے خداوند عالم نے خواہشات کی پیروی کرنے سے بار بار روکا گیا ہے اور اس کی مخالفت کی تاکید فرمائی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا﴾¹
(سو تم انصاف کرنے میں دل کی خواہش کی پیروی نہ کرو)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾²
(اور خواہشات کا اتباع نہ کرو وہ راہ خدا سے منحرف کر دیں)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾³
(اور نہ چلو ان کی خواہشات کے پیچھے اور ان سے بچتے رہو کہ کہیں وہ تمہیں اس کے بعض احکام سے روک نہ دیں جو خدا نے تمہاری طرف نازل کیا ہے)

ان آیات مبارکہ میں خواہشات نفسانی سے احتراز کرنے کی تاکید کی گئی ہے تاکہ ان کی تباہ کاریوں سے بچا جاسکے۔ خواہشات دو مرحلوں میں انسانی خصائل کو تباہ کر دیتے ہیں۔ پہلے مرحلے میں جب خواہشات میں طغیانی آجاتی ہے جس کے نتیجے میں انسان میں مخفی دوسرے محرکات بالکل معطل اور ناکارہ ہو جاتے ہیں جس سے عقل، ضمیر، فطرت اور ارادہ کی حیثیت بالکل ختم ہو جاتی ہے یوں علم و عمل کی تمام خداداد صلاحیتیں معطل ہو جاتی ہے۔ اس پہلے مرحلے کی طرف حضرت علی کے بہت سے اقوال سے اشارہ ملتا ہے:

"من لم يهلك شهوته لم يملك عقله"⁴

"جس کو اپنی خواہشوں پر اختیار نہیں رہتا وہ اپنی عقل کا اختیار کھو بیٹھتا ہے"

ایک اور مقام پر فرمایا:

"زوال العقل بين دواعي الشهوة والغضب"

"عقل دو چیزوں میں ذائل ہو جاتی ہے۔ شہوت اور غضب"

¹ النساء: 135

² الص: 26

³ المائدہ: 49

⁴ الطبرسی، میرزہ نوری، مستدرک الوسائل، (کراچی: محفوظ بک ایجنسی) ج 2، ص: 287

ان اقوال سے خواہشات کی حقیقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جب ان میں طغیانی پیدا ہوتی ہے تو مفید اور کار آمد عناصر اور دوسرے بنیادی منابع و محرکات کی بربادی کا سبب بن جاتا ہے یوں خواہشات کی تباہ کاریوں کا پہلا مرحلہ عقل اور ضمیر کے تعطل پر اختتام پذیر ہوتا ہے اور اسے قرآن سے اغفال قلب سے تعبیر کیا ہے۔ دوسرے مرحلے کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب تمام محرکات نابود ہو جاتی ہیں اور انسان کو ہر لحاظ سے اپنی گرفت میں لے کر اس پر غلبہ اور تسلط حاصل کر لیتا ہے اور پھر انسانی خواہشات کا تابع اور فرمانبردار ہو کر رہ جاتا ہے۔

ان دونوں مرحلوں کو قرآن نے وضاحت سے بیان فرمایا ہے اور اس دوسرے مرحلے کو ابتائے ہویٰ سے تعبیر کیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

﴿وَلَا تُطِيعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنِ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا﴾¹

(اور جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے محروم کر دیا ہے ہرگز اس کی اطاعت نہ کرنا وہ اپنے خواہشات کا پیروکار ہے اور اس کا کام سر اسر زیادتی کرنا ہے)

ان آیات و روایات سے یہ بات واضح ہے کہ انسان کی فکر، سوچ اور ارادے کو کمزور کرنے والی طاقت کا نام خواہشات ہے یہ انسانی بلند و بالا ارادوں کو زمین بوس کر دیتی ہے قوموں کی تباہی کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ خواہشات کی اتباع کرنا شروع کر دے۔ پاکستانی مسلم سماج اس وقت خواہشات کے گرداب میں بری طرح پھنس چکا ہے صرف ان کی تکمیل کے خاطر تمام سماجی اور معاشرتی اقدار پامال ہوتے دکھائی دے رہے ہیں خونی رشتے اجنبی ہونے کے ساتھ مادیات کی اہمیت بڑھتی جا رہی ہے اسی خواہش نے آج انسان کو خدا سے اجنبی بنا دیا ہے قیامت اور روز جزا و سزا کا تصور دیومالائی کہانیاں اور سابقہ امت کی واقعات قرار دے کر اسے اسی امت کے ساتھ خاص کر دیا ہے اس تصور کے بعد اب حلال و حرام مخلوط ہو چکے ہیں محرم اور نامحرم ایک دوسرے میں مدغم ہو چکے ہیں۔

خواہشات ہمیشہ عقل کو دبوچ لیتی ہے اور فیصلہ سازی میں اسے بے موثر کر دیتی ہے جس کی وجہ سے تحدیات سے مقابلہ کرنے کی سکت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ عقل ہی وہ واحد شئی ہے جو ممکنہ خطرات سے انسان کو آگاہ رکھتی ہے اور اس خطرے سے نمٹنے کی تراکیب کر کے بیرونی حملوں کو بے بس بنا دیتی ہے لیکن جب عقل کام کرنا چھوڑ دے تو ہر طلوع ہونے والا سورج نیا چیلنج لے کر نمودار ہوتا ہے جس کے سامنے بے بسی کے ماتم کے سواء کوئی حل کارگر نہیں ہوتا۔

¹ الطبری، جامع البیان عن تفسیر آی القرآن، ج 15، ص: 236

دین و دنیا میں توازن کا فقدان

اخلاقی تحدیات کی ایک اہم وجہ دین اور دنیا کو اعتدال پر نہ رکھنا ہے۔ ایک بنیادی اور اہم مسئلہ جس کی طرف آسمانی کتب نے ہمیں متوجہ کیا ہے دونوں زندگیوں میں پیوستگی اور ربط ہے۔ یہ دونوں زندگیاں ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ اخروی زندگی کا بیج انسان دنیا میں خود کاشت کرتا ہے۔ حیات اخروی کی تقدیر خود انسان کے وسیلہ سے دنیوی زندگی میں متعین ہو جاتی ہے اور یہی اعمال کل قیامت کے دن مجسم شکل میں انسان کے سامنے حاضر کئے جائیں گے:

﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ﴾¹

(جس دن ہر شخص موجود پائے گا اپنے سامنے اس نیکی کو جو اس نے کی تھی، اور جو کچھ کہ اس نے برائی کی تھی، اس دن چاہے گا کہ کاش درمیان اس کے اور درمیان اس کی برائی کے مسافت دور کی ہو، اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے، اور اللہ بندوں پر شفقت کرنے والا ہے۔)

جب ہم پاکستانی سماج پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اس توازن کے فقدان کی وجہ سے معاشرہ اخلاقی طور پر افراتفری کا شکار ہے یا تو دین کو نظر انداز کر کے دنیا کو اہمیت دی جاتی ہے یا پھر دنیا سے چشم پوشی کرتے ہوئے غاروں کی زندگی کو ترجیح دی جاتی ہے حالانکہ دونوں زندگیاں ایک دوسرے پر موقوف ہے۔ دنیا وہ کھیتی ہے جس کی فصل آخرت میں کاشت کی جانی ہے جو کچھ اس دنیا میں بویا جائے گا وہی آخرت میں انسان بطور ثمرہ وصول کرے گا اس سے واضح ہے کہ دین اور دنیا دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں اس لئے مسنون دعاؤں میں وارد ہے:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾²

(اور کوئی یوں کہتا ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور ہمیں آخرت میں (بھی) بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ ان لوگوں کے لئے ان کے کمائے ہوئے اعمال سے حصہ ہے اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔)

حضرت انس بن مالک رَضِيَ اللہُ سے روایت ہے، نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے:

¹ آل عمران: 30

² البقرہ: 201

((اللَّهُمَّ رَبَّنَا اتَّبْنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ))¹

اسلامی تعلیمات کے برخلاف دیگر مذاہب میں دین و دنیا کی یہ تقسیم اب بھی موجود ہے۔ آج بھی مذہبی طبقہ قدیم روایات کو زندہ کرنے کے درپے ہے جس میں انسان کا رہن سہن، بود و باش، معاشرتی اقدار کو قدیم خطوط پر استوار کرنا چاہتا ہے۔ ان کے نزدیک حدیث باعث عتاب جرم سمجھا جاتا ہے۔ دوسرا طبقہ فکری تحدیات سے اس قدر مغلوب ہوا کہ وہ مذہب کو ایفون اور نشہ آور شئی سمجھ کر دینی اقدار سے احتراز کرنے لگے۔ اور اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑانے لگے یوں دونوں طبقات نے ایک کنارے کا سہارا لیکر دوسرے کو نظر انداز کیا۔ ترک دنیا اس کی ایک خفیف مثال ہے جس کی اسلام نے بھرپور مذمت کی ہے ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ﴾²

(اور ترک دنیا جو انہوں نے خود ایجاد کی ہم نے وہ ان پر فرض نہیں کی تھی مگر انہوں نے رضائے الہی حاصل کرنے کے لیے ایسا کیا پس اسے نباہ نہ سکے جیسے نباہنا چاہیے تھا، تو ہم نے انہیں جو ان میں سے ایمان لائے ان کا اجر دے دیا، اور بہت سے تو ان میں بدکار ہی ہیں۔)

اسلام اس طرح کی فرسودہ روایات و تصورات کے برخلاف نظریات پیش کرتے ہوئے دنیا کو اہمیت کی نظر سے دیکھتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ أَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ ضِلَّ اللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾³

(اور جو مال تجھے اللہ نے دیا ہے اس کے ذریعے آخرت کا گھر طلب کر اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول اور احسان کر جیسا اللہ نے تجھ پر احسان کیا اور زمین میں فساد نہ کر، بے شک اللہ فساد یوں کو پسند نہیں کرتا۔) ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

¹ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الدعوات، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ربنا آتانی الدنیا، ج 4، ص: 214، حدیث

رقم: 6389

² سورۃ الحدید: 27

³ لقصص: 77

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرَمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾¹

(اے ایمان والو! ان سٹھری چیزوں کو حرام نہ کرو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔)

یہ آیات در حقیقت اس سوچ کی نفی کرتی ہے جو مغربی تصورات کی اندھی تقلید سے جنم لیتی ہے کہ جس میں انسان مادیات اور مادی آسائش سے مترشح ہونے والے رویوں سے دلبرداشتہ ہو کر تنہائی کی زندگی بسر کرنے کو قلبی سکون کا ذریعہ سمجھتا ہے اور اسی کو دیگر مذاہب نے اپنی تعلیمات کا حصہ بنا دیا ہے اس وسیع دنیا سے انسان کا حصہ سدر مق کھانا اور دو گز کپڑا ہے۔ یعنی صرف زندگی کی رمق کو بحال رکھنے کے لئے صرف ضرورت کی حد تک اشیاء کو استعمال میں ملایا ہے۔ اس لئے دو گز کپڑے سے انسانی بدن کو ڈھانکا جاسکتا ہے اور قلیل غذا کے ذریعے ساعتوں کو بحال رکھا جاسکتا ہے علامہ شبلی نعمانی رہبانیت کا تجربہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ابو نصر فارابی کی زندگی بالکل جوگیوں کی طرز زندگی سے مشابہ تھی۔ خوب غور سے دیکھو یہ خیال تمام دنیا پر کس قدر چھایا ہوا ہے ہم جب کسی شخصیت کی نسبت سنتے ہیں کہ دنیا اس کی نظر میں ہچ ہے وہ فرش خاک پر پڑا رہتا ہے نان و نمک پر بسر کر لیتا ہے تو خود ہمارے دل میں اس وقعت قائم ہو جاتی ہے اور ہم اس سے کچھ بحث نہیں کرتے کہ ان باتوں کے سواء اس میں کوئی اور کمال بھی ہے یا نہیں۔"²

یہ اقتباس صرف ماضی ہی نہیں بلکہ موجودہ سماجی افکار کی عکاسی بھی کرتا ہے لوگ جوگی زدہ ہو کر جعلی ترک دنیا کے آڑ میں کاروبار کرنے والوں کے ہتھے چڑھ کر اپنا مال و متاع اور عزت و آبرو کھو چکے ہیں اور ان سے وہ آسراء رکھتے نظر آتے ہیں جو کسی غیبی طاقت پر عموماً رکھا جاتا ہے تعجب کی بات یہ ہے کہ حب دنیا کے مشتاق بھی گنبد ترک دنیا کے گرد پرواز کرتے نظر آتے ہیں حالانکہ وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے کہ موصوف خود اپنی دنیا ٹھیک کرنے سے دلبرداشتہ ہو کر غاروں کی زندگی کو فوقیت دینے پر مجبور ہوا وہ کیسے ان کی زندگی کی ضمانت دے سکتا ہے۔ ایسے میں اسلام رہبانی اور جوگی زدہ زندگی پر مہر تصدیق لگانے کے بجائے تسخیر کائنات کی ترغیب دیتے ہوئے دنیا میں جو کچھ ہے زمین، دریا، درخت، دشت کوہ، لعل و جواہر و خوا کہ و روائح سے لطف اٹھانے کا حکم دیتے ہوئے کہتا ہے:

¹ المائدہ: 87

² شبلی نعمانی، کلام اور علم کلام، (کراچی: نفیس اکیڈمی اردو بازار)، ص: 336

﴿أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ
ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنبِئٍ﴾¹
(کیا تم نے نہیں دیکھا جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اللہ نے تمہارے کام پر لگا رکھا ہے اور تم پر
اپنی ظاہر یا اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں، اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ کے معاملے میں جھگڑتے ہیں نہ
انہیں علم ہے اور نہ ہدایت ہے اور نہ روشنی بخشنے والی کتاب ہے۔)

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً
تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاجِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾²
(اور وہ وہی ہے جس نے دریا کو کام میں لگا دیا کہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اسی سے زیور نکالو جسے تم پہنتے ہو،
اور تو اس میں جہازوں کو دیکھتا ہے کہ پانی کو چیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور تاکہ تم اُس کے فضل کو تلاش کرو اور
تاکہ تم شکر کرو۔)

ان تمام مذکورہ آیات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ انسان کو ترک دنیا کے لئے خلق نہیں کیا گیا بلکہ تسخیر کائنات اس کا
ہدف اولیٰ ہے جس کے ذریعے وہ خدا تک پہنچتا ہے اور اس کی توحید پر ایمان کو پختہ کرنے میں فطری مناظر اہم کردار کے
حامل ہیں۔ لہذا قرآن کی نظر دنیا اور آخرت دونوں اہمیت کے حامل ہیں ایسا ممکن نہیں دنیا کے لئے آخرت کو چھوڑا جائے
اور آخرت کے حصول کے لئے ان دنیاوی اعمال اور معاملات کو ترک کیا جائے جن پر ثواب و عقاب کا دار و مدار
ہے۔ قرآن نے جہاں آخروی زندگی کو اہمیت دیتا ہے وہاں دنیاوی زندگی سے چشم پوشی کو نامناسب سمجھتا ہے۔ قرآن مجید
نے بہت سے انبیاء کی طلب دنیا میں مانگی جانے والی دعائوں کا تذکرہ فرمایا ہے:

﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾³
(کہا اے میرے رب! مجھے معاف کر اور مجھے ایسی حکومت عنایت فرما کہ کسی کو میرے بعد شایاں نہ ہو، بے شک تو بہت بڑا
عنایت کرنے والا ہے۔)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

¹ لقمان: 20

² النحل: 14

³ الص: 35

﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا﴾¹

(یا لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا تو ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں بڑا ملک دیا)

ان آیات کریمہ سے واضح ہے کہ دنیاوی اہمیت کے پیش نظر ملک و سلطنت کو یا تو پیغمبر نے اللہ کے دربار سے مانگا ہے یا پھر بن مانگے اعزازی طور پر نبی کو نوازا گیا ہے یہ الہی عطا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ دنیا کو کسی صورت نظر انداز کرنا مناسب نہیں بلکہ اسی دنیا سے ہی آخرت کے لئے توشہ آخرت تیار کیا جاسکتا ہے یہ دنیا انبیائے رام کی سجدہ گاہ ہے یہ وہ کھیتی ہے جس کی فصل کی کاشت آخرت میں کی جاتی ہے یہاں انسان جو بوتاہے وہی آخرت میں فصل کاشت کر لیتا ہے لہذا یہ ممکن نہیں کہ اس دنیاوی کھیت کو کوئی آگ لگا دے اور پھر آخرت میں اچھی فصل کی امید لگا بیٹھے۔

ان مذکورہ مطالب سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ انسانی فلاح اور نجات کے لئے دین اور دنیا میں توازن کو برقرار رکھنا ضروری ہے ان میں ہر ایک اپنی جگہ خاص اہمیت کا حامل ہے لہذا مذہب کے لبادے میں گوشہ نشینی اختیار کرنا جسے رہبانیت کہا جاتا ہے اسلام کی نظر میں مذموم ہے اور اسی طرح دینی تعلیمات کو یکسر نظر انداز کر کے صرف دنیاوی بندہ بن جانا بھی مذموم ہے بد قسمتی سے پاکستانی مسلم سماج میں مغربی فکری و اخلاقی تحدیات کی وجہ سے مسلمانوں نے ان دونوں انتہائی اقدامات کو اٹھایا جس سے مسلم معاشرے کو کلی طور پر نقصان اٹھانا پڑا اور آج تک اس کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے سیکولر ذہنیت کے لوگ آج کے دور میں مذہبی شخصیات پر تابڑ توڑ حملے کر رہے ہیں تو دوسری مذہبی شخصیات سیکولر ذہنیت کے حامل افراد کو شدید تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں۔

ثقافتی مرعوبیت

خدائے رحیم و کریم نے اپنے محبوب نبی ﷺ کی محبوب امت کے لئے ساری نعمتوں کو تمام کر دیا ہے۔ علم و حکمت، بے نظیر نظام حیات، معاشرت کے بہترین اصول، سیاست و حکومت کے عمدہ قوانین، روحانیت و معنویت۔ غرض کسی بھی نعمت سے امت کو محروم نہیں رکھا۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کی سیرت کو قیامت تک انسانوں کے لئے نمونہ عمل قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَ ذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾¹

(بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لیے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے)

مگر افسوس ہماری بد عملی اور قرآن کی تعلیمات سے دوری نے ہمیں کہیں نہ چھوڑا۔ اس وقت قوم کی حالت یہ ہے کہ ہمارا تعلق دین اور دینی تعلیمات سے بس کچھ رسموں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ ہم نے طے کر لیا ہے کہ ہم سب کچھ کریں گے بس وہ نہیں کریں گے جو دین ہم سے چاہتا ہے۔ اللہ نے ہمیں بہترین اصول زندگی عطا کئے، بے نظیر کلچر اور ثقافت سے نوازا مگر ہم اپنی مالا مال تہذیب سے بیزار مغربی تہذیب کو گلے لگانے کو تیار ہے۔ مغرب سے درآمد شدہ رسموں کو ہم خود اہل مغرب سے زیادہ شوق و زوق کے ساتھ انجام دینے کی ہوڑ میں لگے ہیں۔ اس ڈر سے کہ کہیں ہمیں کلچرل پس ماندہ نہ کہہ دیا جائے۔ برتھ ڈے کے نام پر کیک کاٹنا اور مع دیگر لوازمات یہ کونسا اسلامی کلچر ہے؟ مغربی تہذیب سے مرعوبیت ہی تو ہے۔ اور تو اور اب تو ہم نے اسے انبیاء علیہم السلام کے نام پر بھی انجام دینا شروع کر دیا۔ سننے میں آ رہا ہے کہ محفلوں میں عظیم شخصیات کے یوم ولادت کی مناسبت سے کیک کاٹے جا رہے ہیں۔ اسی طرح ماہ محرم میں کلاوے پہننا، نوروز کے نام پر رنگ کھیلنا کیا صریحاً ہندو تہذیب کی تقلید نہیں ہے؟

انبیاء علیہم السلام سے منقول ایسی ایسی عظیم دعائیں اور اذکار و اوراد موجود ہیں۔ مگر ہم انہیں چھوڑ کر تعویذ گنڈوں کے لئے غیر شیعہ مسلم تو دور غیر مسلموں تک کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ یہ کونسا اسلام ہے؟ کیا اللہ پر بھروسہ نہیں ہے؟

اللہ نے ہمیں قرآن اور منظوم دعاؤں کا ذخیرہ جیسے علمی خزانے عطا کئے ہیں۔ مگر ہم قرآن پڑھنے پر تیار نہیں۔ اس کے بجائے ہم اوشو، ڈیل کارنگی جیسے غیر مسلم دانشوروں کے سامنے دست ادب جوڑ کر کھڑے ہوتے ہیں کہ صاحب ہمیں گیان دے دو۔ ہم دیگر اقوام و مذاہب کے دانشوروں سے علمی استفادہ کے مخالف نہیں لیکن اپنے علمی خزانوں کو پس پشت ڈال کر اغیار کے پاس علم لینے جانا احساس کمتری ہے جسے کسی طرح درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔

نوجوانوں کی حالت زار کو دیکھا جائے تو اسلام نے ہمیں انبیاء، ان کے اصحاب باوفا اور اکابر علماء عطا کئے ہیں جن سے بہتر آئیڈیل دنیا پیش نہیں کر سکتی۔ انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کو تو جانے دیجئے کہ وہ معصوم ہستیاں ہیں ان کے اصحاب اور شاگرد اور ان کے خرمین علم سے فیضیاب ہو کر آسمان علم پر ضو فشاں علما و تابندہ ستارے ہیں جن کی نظیر کسی اور مذہب یا تہذیب میں نہیں مل سکتی مگر افسوس ہمارے نوجوانوں کو آئیڈیل کے نام پر یا تو کوئی کرکٹر ملتا ہے یا فلم اداکار۔ کوئی سچن جیسا بننا چاہتا ہے تو کوئی ایم ایس دھونی جیسا۔ شاید ہی کوئی جوان ہو جو یہ کہتا ہو املے کہ ہمیں اصحاب کرام رضی اللہ کے غلام جیسا بننا ہے۔ ظاہر ہے جسے انسان اپنا آئیڈیل مانتا ہے اس کی شخصیت کا عکس انسان کی شخصیت پر پڑنا لازمی ہے۔ اب

کر کٹڑ ہوں یا فلمی ایکٹریز یہ سب مادہ پرست طرز زندگی کے حامل اور مغربی تہذیب کو برتر ماننے والے لوگ ہیں۔ انہیں آئیڈیل ماننے والے ہمارے جوان بھی اگر الحاد و مادہ پرستی اور بے حیائی و بے غیرتی کو اپنالے تو جائے تعجب نہیں۔ یہ والدین اور ارباب قوم کے لئے خطرے کی گھنٹی ہے۔

ان سب باتوں کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ قوم بے خبر بے عمل نہیں۔ ایسی بھی کیا بے خبری! دین کے بنیادی واجبات کا علم کسے نہیں ہے؟ کون نہیں جانتا کہ نماز واجب نہیں ہے پھر ایک بڑی تعداد خاص طور سے جوان نمازوں سے غافل کیوں ہے؟ کون نہیں جانتا ماہ مبارک روزوں کا مہینہ ہے پھر بہت سے لوگ روزے کیوں نہیں رکھتے؟ کون نہیں جانتا خمس و زکات واجب ہے! اس کے باوجود کتنے لوگ ہیں جو ان واجبات کو ادا کر رہے ہیں؟ کون نہیں جانتا جھوٹ اور غیبت حرام ہے، چغیل کھا کے دو لوگوں اور دو خاندانوں کو لڑانا گناہ کبیرہ ہے۔ پھر بھی کیوں ہمارا پورا پورا دن غبت، جھوٹ اور ایک دوسرے کی برائی میں گزر جاتا ہے۔

غلو فی الدین

لفظ «غلو» لغت میں زیادہ روی اور حد سے گزرنے کو کہتے ہیں۔¹ غلو دینی امور میں حد اعتدال سے تجاوز کرنے اور پیغمبران الہی و اولیائے کرام کے فضائل و مناقب میں افراط کرنے کو کہتے ہیں۔ علم ادیان و مذاہب میں غلو کو ایک انحرافی تفکر سمجھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ انسانی تاریخ میں ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔ کسی نبی یا امام کو الوہیت کا مقام دینا، کسی کو خدا کا بیٹا ماننا، یا کسی کو مقام نبوت پر فائز سمجھنا غلو کے چند نمونے ہیں۔ جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تیسرے روح القدس کے نزدیک باپ، بیٹا اور روح القدس تینوں ایک ہیں۔ اس طرح وہ غلو کے مرتکب ہوئے چنانچہ قرآن پاک میں نصاریٰ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ﴾²

(اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کے بارے میں صرف حق بات کہو)

احادیث میں غالیوں کو کافر اور مشرک کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے اور انہیں خدا کے بدترین مخلوق کہا گیا ہے۔ اس قسم کی روایات پر عمل کرتے ہوئے شیعہ علماء نے ہمیشہ غالیوں اور ان کے غلو آمیز نظریات و عقائد کے خلاف مبارزہ کیا ہے۔ مختلف علوم مثلاً علم کلام، علم الہیات، علم رجال اور علم ادیان و مذاہب میں غلو کی بابت بحث و تحقیق ہوتی ہے۔

¹ طریقی، الشیخ فخر الدین، مجمع البحرین، مادہ غلا، (تہران: مرتضوی چاپ سوم، 1375)، ج 2، ص: 45

² النساء: 171

نیز فقہاء نے غلو اور غلو آمیز افکار کے حامل افراد کے بارے میں احکام بیان کیے ہیں۔ فقہاء کے فتاویٰ کے مطابق کوئی بھی غلو آمیز عقیدہ جو دین کی ضروریات میں سے کسی ایک کے انکار پر منتج ہو وہ کفر کے حکم میں ہے اور اس کے ماننے والے کافر ہیں اور ان پر کفار کے احکام نافذ ہونگے۔

اعتماد کا راستہ افراط و تفریط دونوں کے بیچ کا راستہ ہے سیاسی اہداف و محرکات، فکری پسماندگی، محبت و مودت میں افراط، اندھے تعصبات اور مسلمانوں کے درمیان فکری انحراف پیدا کرنے کے لیے اغیار کی دخل اندازی وغیرہ غلو کی پیدائش کے اسباب و عوامل میں سے شمار کیے جاتے ہیں۔

پاکستانی مسلم سماج غلو کے باعث بہت سے فکری و اخلاقی مسائل کا سامنا کر رہا ہے جیسے عقائد اور دیگر معمولات زندگی میں غیر یقینی صورت حال سے دوچار ہے۔ قرآن و سنت میں ہمیں جن عقائد کی تعلیم دی گئی ہے ان کو چھوڑ کر ہم خود ساختہ عقائد کو اختیار کر رہے ہیں۔ خود ساختہ یا انسانوں کے بنائے ہوئے عقائد پر کتنا ہی خوشنمائی کیوں نہ لگا دیا جائے، دین و شریعت کے نقطہ نظر سے وہ عقائد بہر حال باطل ہیں۔ فکری پسماندگی اور محبت و مودت میں افراط کے باعث مزارات کو خدائی درجہ دے کر حاجت روائی اور مشکل کشائی کا محور قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ مشکل کشا اور حاجت روا صرف اللہ کی ذات ہے، نفع و نقصان صرف اسی کے قبضہ اختیار میں ہے۔ دعائیں اور فریادیں صرف وہی سنتا ہے اولاد دینا یا نہ دینا صرف اسی کی مرضی و مشیت پر منحصر ہے۔ الغرض یہ تمام صفات جو اللہ کی ذات پاک سے مخصوص ہیں انہیں غیر اللہ میں تسلیم کیا جائے تو یہ دین میں غلو کی بدترین شکل ہے، جسے شرک کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے اور شرک اللہ تعالیٰ کے ہاں ناقابل معافی گناہ ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا﴾¹

(اللہ اس گناہ کو نہیں بخشنے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے اور

جس نے اللہ کا شریک مقرر کیا اس نے بڑا بہتان باندھا)

غلو کے بہت سی محرکات اور اسباب ہیں جن کے ذریعے اہداف کا حصول ممکن بنایا جاتا ہے اور آج کے سماج میں اس کے بہت سے نمونے پائے جاتے ہیں:

¹ النساء: 48

سیاسی اہداف:

غلو کے اہم عوامل میں سے ایک عامل سیاسی ہیرا پھیری اور سیاسی مقاصد کا حصول ہے اس سلسلے میں توہین مذہب کا الزام لگا کر سیاسی مخالف کو سماج سے الگ تھلگ کیا جاتا ہے اور لوگوں میں ان کی حیثیت کو کم کر کے لوگوں کو ان سے دور رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس مفاد کے پیش نظر حکمران بھی تفکر غلو کی بھرپور حمایت کرتے تھے اور کچھ غالیوں کی حمایت اور ان کو سہولیات فراہم کر کے ان کو مسلمانوں کی صفوں میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے اور غلو کے فروغ کے لیے میدان

فکری پسماندگی:

فکری پسماندگی بھی غلو کا ایک اہم سبب اور محرک ہے جس میں جعلی پیروں کے نرنے میں آکر لوگ اپنی اخلاقیات تباہ کر دیتے ہیں حالانکہ اس بات کے ادراک سے وہ عاجز ہیں کہ جعلی پیر کی اپنی دنیا کوئی مثالی نہیں ہوتی، اس کی اپنی اولاد نہیں ہوتی مگر لوگ ان سے اولاد کی توقع رکھتے ہیں، اس کی اپنی شادی نہیں ہوتی لیکن مریدوں کو یقین ہے کہ اس کی منتر سے جلد شادی کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس کا اپنا گھرا بڑا ہوا ہے لیکن مرید اپنے گھروں کو جوڑنے کے لئے ان سے رجوع کرتے ہیں۔ ان مسائل سے چھٹکارہ پانے کے لئے بعض اوقات اپنی عزت سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ جو کہ سماج میں معمول بن چکا ہے۔

دنیاوی محرکات:

مذہبی شخصیات کا استعمال معمول کا ایک وسیع کاروبار بن چکا ہے اور وہاں ایسا ماحول بنایا جاتا ہے جس سے لوگوں کو لگے کہ یہ اسلامی تعلیمات کی عین عکاس ہے۔ مگر اس کا اسلام سے دور دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ ایسے میں لوگ بھی ایسے ماحول کی تلاش میں ہوتے ہیں جس میں گناہوں کے ارتکاب کے لیے کوئی شرعی جواز نکل آئے جس کے مطابق واجبات کو ترک کر دیں اور محرمات کو انجام دیں تاکہ ان کی عیش و عشرت کو شرعی جواز حاصل ہو۔

افسانہ سازی کا احساس:

افسانہ سازی اور ہیر و پرستی ان عوامل میں سے ایک ہے جس کی وجہ سے کچھ مذہبی اور قومی ہیر و ز کے بارے میں غلو آمیز کہانیاں گھڑی جاتی ہیں۔¹

اندھے تعصبات:

اس طرح کے تعصبات مختلف معاشروں خصوصاً مسلمانوں میں غلو آمیز افکار کی پیدائش کا ایک اہم سبب رہے ہیں۔

مصلحت پسندی

فکریو اخلاقی تحدیات کا ایک اہم سبب مصلحت پسندی بھی ہے کیونکہ اس کے ذریعے حقائق مسخ ہونے کے ساتھ جھوٹ اور باطل کو پروان چڑھنے کا موقع فراہم ہوتا ہے۔ فطری طور پر انسان حق پرست اور سچائی کے اصولوں کا محافظ ہوتا ہے لیکن مادی رجحانات کے باعث انسانی فطرت گزرتے وقت کے ساتھ مصلحت پسندی کا شکار ہو جاتی ہے۔ خوف اور لالچ اس کے بنیادی عناصر ہیں جن کی وجہ سے مصلحت پسندی غالب آ جاتی ہے۔ خوف کی وجہ سے بعض اوقات جواز مل جاتا ہے لیکن لالچ کے زیر اثر مصلحت پسندی کسی جواز کا حامل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَاءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبْنَيْهِ لَا اسْتَغْفِرَ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ رَبَّنَا عَلَيْنِكَ تَوَكَّلْنَا وَالْيَنَّا أَنْبَأْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ﴾¹

(بے شک تمہارے لیے ابراہیم میں اچھا نمونہ ہے اور ان لوگوں میں جو اس کے ہمراہ تھے، جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا بے شک ہم تم سے بیزار ہیں اور ان سے جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، ہم نے تمہارا انکار کر دیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور بیرہمیشہ کے لیے ظاہر ہو گیا یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لاؤ مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے کہنا کہ میں تمہارے لیے معافی مانگوں گا اور میں اللہ کی طرف سے تمہارے لیے کسی بات کا مالک بھی نہیں ہوں، اے ہمارے رب ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف ہم رجوع ہوئے اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔)

اس آیہ کریمہ سے واضح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے جانثاروں نے انتہائی قربت کے باوجود مصلحت پسندی سے اپنے آپ کو دور رکھا اور آخری حد تک حق گوئی سے ڈٹے اور کھڑے رہیں۔ لیکن موجودہ سماج میں ان اصولوں کی پاسداری نہیں ہوتی مثلاً لوگ ناراض نہ ہو جائیں۔ دوسروں کے دل میں ان کے لئے نفرت کے جذبات نہ پیدا ہو جائیں! اسی لئے زیادہ تر لوگ ہاں میں ہاں ملانے اور تعریفی کلمات کہنے کو آسان سمجھتے ہیں۔ کوئی بھی کسی کو دشمن بنانا نہیں پسند کرتا اور یہ اچھی بات ہے۔ لیکن یہی لوگ جو ہمیشہ تعریف کے عادی ہو چکے ہوتے ہیں، ان کے خلاف کوئی بات ہو جائے تو اس وقت سچائی کے علمبردار بن جاتے ہیں۔ مصلحت پسندی صرف اسی وقت تک ہے جب تک ان کی ذات محفوظ ہے اور لوگ ان سے چاپلوسی کر رہے ہیں۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ جب کوئی آپ کو پسند کرتا ہے تو وہ آپ کی

برائیاں بھی بھول جاتا ہے اور جب ناپسند کرنے لگتا ہے تو اچھائیاں بھول جاتا ہے۔ قرآن نے ہمیشہ حق اور سچ کے ساتھ دینے کی تلقین کرتا ہے:

(فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ)¹

(سو تو یکساں جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا ہے اور جنہوں نے تیرے ساتھ توبہ کی ہے اور حد سے نہ بڑھو، بے شک وہ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔)

آج ہمارے معاشرے میں بہت سی برائیاں اسی لیے بھی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی ہیں کہ ہم نے اصولی راستہ اپنانے کے بجائے مصلحت پسندی کی راہ اپنا رکھی ہے آج بھی میکیاوی کی سیاست کو اپنے لئے نمونہ عمل قرار دے رہے ہیں۔ جس میں وہ کہتے ہیں کہ عوام کے بارے میں ہمیشہ بدگمان رہنا، اعلیٰ اخلاق اور راست بازی کو ترک کرنا، کسی بھی غلط کام کی پرواہ نہ کرنا، ظلم خیانت قتل خون ریزی کرنا اور آزادی کو سلب کرنا سب جائز ہے، نفاق کو ہمیشہ اپنے اندر رکھنا اس لیے کہ حکومت کو برقرار رکھنے کے لیے منافقت ضروری ہے، وعدہ خلافی، حکمران کو چاہیے کہ اگر کوئی وعدہ یا معاہدہ اس کی مصلحت اور فائدے سے معارض ہیں تو اس کو توڑنے میں دیر نہ کرے، خیانت بخل و کنجوسی یہ دونوں صفات حکمران کے لیے ضروری ہے، حکمران کو چاہیے کہ کچھ لوگوں کو سامنے رکھے اور عوام کو جو کام پسند نہ ہو وہ ان کے ذمے لگائے ان لوگوں سے اگر کبھی اچھا کام سرزد ہو جسے عوام پسند کرتے ہو تو اس کی نسبت اپنی طرف کرے اور جو کام عوام کے ناپسندیدہ ہو وہ ان افراد کی طرف منسوب کرے۔²

ان لوگوں کو مالی فوائد بھی پہنچاتا رہے، ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ بھی کرے اور اگر ان میں سے کوئی اس کے لیے خطرہ بنے تو اس کو ہٹانے میں تاخیر نہ کرے یہ اعلیٰ درجے کی ذہانت ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس میں حکمران کبھی بھی اہداف مکمل کرنے کی توجہ نہ دے چاہے کتنا ہی اہم ہدف ہو اس لیے کہ جب تک وہ ان کی تکمیل میں مصروف رہے گا تو اس کی تعریف ہوتی رہے گی اور جب تک ہدف مکمل نہ ہو گا لوگ اس حکمران کو برسرِ اقتدار دیکھنا چاہیں گے حکمران نے وقت اپنے اہداف کے حصول کے لیے جو بھی طریقہ اختیار کرے وہ جائز ہو گا اگرچہ حقیقت میں وہ کتنا ہی گھٹیا کیوں نہ ہو اسی کو کہتے ہیں مقصد ذرائے کو جائز بنادیتا ہے میں کیا ولی مر گیا مگر وہ اپنی کتاب چھوڑ گیا جس کے اصول و قواعد قابل نفرت اور اخلاق سے عاری ہے مگر یہ کتاب حکمرانوں اور سیاست دانوں کی پسندیدہ ترین کتاب بن گئی ہے ہمارے دور کی سیاست اور طرز حکمرانی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جن لوگوں کے پاس کوئی دین نہ ہو ان کے لیے مکاوی کی کتاب کی پیروی

¹ ہود: 112

² المقدسی، ابو محمد عاصم، القول النفس فی تحریر عن خدیجہ البلیس "مصلیہ عودہ"، (مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان) ص: 4-3

کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لیے ان کے پاس کوئی اخلاقی ذابتہ یا دینی حدود و قیود نہیں ہوتے مگر افسوس و تعجب کی بات تب ہوتی ہے جب مسلمان کہلانے والے بھی کافر میں کاوی کی کتاب کی پیروی کریں بلکہ اوروں کو بھی اس کی طرف دعوت دے دیے جانے یا انجانے میں اس کے نفاذ کی کوشش کرے اب ایسا دور مسلمانوں پر بھی اچکا ہے کہ مسلمان بھی اپنے مقاصد کے حصول کے لیے جائز اور ناجائز کی پرواہ کیے بغیر ایسے ذرائع استعمال کرتے ہیں جن سے اللہ نے منع کیا ہے اور ان سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے وہ اس بارے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ کوئی بھی غلط یا صحیح ذریعہ اختیار کیا جائے اپنے اس طرز عمل کو دعوت کی مصلحت یا دین اور مسلمانوں کی مسلمات کا نام دیتے ہیں حالانکہ وہ یہ نہیں سوچتے کہ اس طرح یہ لوگ طاغوت کے مددگار اور اس کا لشکر بن رہے ہیں جبکہ اللہ نے طاغوت سے اجتناب کا حکم دیا ہے مگر ان کے خیال میں یہ دعوت کی مصلحت ہے¹

حق پرستی کے حوالے سے میدان کربلا کا واقعہ ایک مشعل راہ ہے اور حق پرستی اور باطل پرستی کو سمجھنے کے لئے آسان وسیلہ بھی ہے۔ محرم کی 7 تاریخ کو کربلا والوں پر پانی بند کر دیا گیا۔ روایت ہے کہ جب یزیدی فوج کے اس حکم پر کہ حسینیوں کو ایک قطرہ پانی نہ ملنے پائے تو نو اسہ رسولؐ نے یزیدی لشکر کے کمانڈر عمرو بن سعد کو طلب کر کے اتمام حجت کی خاطر تلقین کی کہ بے گناہوں کا خون بہانے سے وہ باز رہے اور یزیدی فوج اور حسینی قافلہ دونوں کو یہیں کربلا چھوڑ کر صرف ان کو تنہا یزید کے پاس لے کر چلے تو یقین ہے کہ یزید توبہ کر لے گا اور بے جاسد ترک کر دے گا۔ مگر عمرو نے کہا کہ مجھے صرف یہ حکم ملا ہے کہ میں قافلہ حسینی اور فرات کے درمیان مسلح فوجوں کو اس طرح حائل کر دوں کہ ایک قطرہ پانی بھی حسین والوں کو نہ مل سکے اس کے سوا میرا اور کوئی کام نہیں۔ اگر میں آپ کو لے کر دربار یزید گیا تو آخر وقت یزید میرا گھر کھدوا کر تباہ کر دے گا۔

اس پر امام حسینؑ نے کہا کہ میں تمہیں اس کے بدلے نیا اور بڑا گھر بنوادوں گا عمرو نے کہا یا حسینؑ وہ میری سب زمین جائیداد بحق سرکار ضبط کر لے گا۔ تب امام زماںؑ نے کہا کہ میں اس سے زیادہ زمین جائیداد تم کو اپنی جاز کی جائیداد سے دے دوں گا۔ اس پر عمرو بن سعد نے کہا کہ حضور! مصلحت کو سمجھیں یزید کے نام پر بیعت کر کے اس آفت کو ابھی تو ٹالیں جو موت بن کر آپ کے اور آپ کے اہل بیت کے سروں پر منڈلا رہی ہے تب حضرت امام حسینؑ عالی مقامؑ نے اُسے کہا کہ حق کی راہ میں غیر اللہ کے سامنے سرکٹ تو سکتا ہے جھک نہیں سکتا۔ حق پرستی اور مصلحت پرستی دو الگ الگ راہیں ہیں کیونکہ حق حق ہے اور مصلحت باطل پرستی ہے۔

¹ المقدسی، ابو محمد عاصم، القول النفس فی تحریر عن خدیجہ ابلیس "مصلیہ عوہ"، (مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان) ص: 4-3

ان مذکورہ تمام مطالب سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ علم و تحقیق کے معیارات سے بے توجہی، قرآنی تعلیمات سے دُوری، اندھی تقلید، احساس کمتری اور علوم کی غیر اسلامی تشکیل کی بدولت آج نوجوان نسل فکری اور اخلاقی بحران کا شکار ہے انہی کی بدولت غیر اسلامی نظریہ حیات جیسے سیکولر ازم، لبرلائزم، انتھیزم اور ماڈرنیزم جیسے تصورات اسلامی سماج میں غالب آچکے ہیں جن کے دفاع کے لئے بھی کوئی آئیڈیل لیڈر شپ موجود نہیں۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی تعلیمات سے نوجوان نسل کو مزین کرتے ہوئے جدید علوم کو قرآنی تعلیمات سے ہم آہنگ کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

فصل سوئم: پاکستانی معاشرے کی فکری و اخلاقی تحدیات کے اثرات

فکری تحدیات کے اثرات

پاکستانی مسلم معاشرے کو درپیش فکری تحدیات کی وجہ سے بہت سے اجتماعی اثرات مذہبی، سیاسی، معاشی اور سماجی حوالے سے سماج پر مرتب ہوئے ہیں جن میں سے چند اہم انفرادی و اجتماعی اثرات کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے تاکہ قاری اس سماج کے مسائل اور ان کے اثرات کا بخوبی جائزہ لے سکے۔

مذہبی اثرات

پاکستانی معاشرے کی فکری تحدیات کے نتیجے میں پڑنے والے اثرات میں مذہبی اثرات زیادہ نمایاں ہیں کیونکہ سیکولر سیاسی نظریے کی وجہ سے ہمارے دینی تصورات اور نظریات کی جڑیں کھوکھلی ہوئیں اور ان کے ڈیموکریسی اور قوم پرست نظریات نے ان کی جگہ لے لی۔ دین کو مذہب کے تناظر میں دیکھا گیا اور مذہب کو پرائیویٹ اور انفرادی مسئلہ سمجھ کر چشم پوشی کرنے کی وجہ سے دینی اہم فرائض و اقدار آہستہ آہستہ لوگوں کے زبان سے محو ہونے لگے۔

عقائد سے بے اعتنائی

فکری و اخلاقی تحدیات کے پاکستانی سماج پر پڑنے والے اثرات میں زیادہ اہم مذہبی اثرات ہیں۔ اس سلسلے میں الحاد زیادہ نمایاں ہے جو اسلامی معاشرے کو دہن اندر سے دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔ نوجوان نسل خصوصاً یونیورسٹی اور کالجوں کے طلباء¹ اس کے زیر اثر آنے کی وجہ سے یا تو خدا کے وجود کے انکاری نظر آتے ہیں یا پھر افعال کی ادائیگی اور معمولات زندگی میں خدا کے وجود سے چشم پوشی کرتے ہیں اور خدا کو اپنی مرضی و خواہش کے مطابق ماننے کی جسارت کرتے نظر آتے ہیں حضرت مولانا عبد الہادی الاعظمی صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"اب الحاد ادب کے راستے سے آرہا ہے چنانچہ یہ ہمارا مطالعہ ہے کہ اکثر جامعات کے شعبہ ادب وہ انگریزی ہویا

اردو، یہ خاص طور پر عقائد میں تزلزل پیدا کرنے اور الحاد و تجدد اور آزاد خیالی کا مرکز رہے ہیں اور اب بھی بہت سی

یونیورسٹیوں میں یہی حال ہے کہ انگلش ڈیپارٹمنٹ اور خاص طور پر اس میں پڑھنے والے جو طلباء ہیں وہ زیادہ آزاد

خیال ہوتے ہیں اور ان کے اندر بغاوت پیدا ہوتی ہے قدیم اقدار اور دینی اقدار سے۔"²

¹ مولانا عبد الہادی الاعظمی، طالبان علوم نبوت کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں، (کراچی: دارالاشاعت اردو بازار)، ص 19

اس وقت الحادی افکار کا تعلق پڑھے لکھے طبقے سے ہیں جن کی اکثریت یونیورسٹیوں میں آباد ہے اور اس فکر کو پنپنے کا ایک بہترین محور بھی قرار پاتا ہے اس حوالے سے فارینہ الماس اپنے بلاگ "الحاد کا پھیلاؤ اور پاکستان" میں لکھتی ہے کہ پاکستان میں الحاد کی حوصلہ افزائی کرنے میں ایک اہم کردار ہمارے تعلیمی ادارے ادا کر رہے ہیں ملک کے اہم اور مہنگے تعلیمی اداروں نے مذہب بیزاری کی باقاعدہ طور پر ایک مہم چلا رکھی ہے ان میں اساتذہ کو سختی سے پابند کیا جاتا ہے کہ وہ دوران لیکچر طلبہ سے کسی قسم کی کوئی مذہبی بات نہیں کریں گے۔

ان تمام فرسودہ الحادی نظریات میں سب سے زیادہ خطرناک تصور الحاد کی دوسری قسم ہے جیسے دیزم کہا جاتا ہے۔ دیزم (deism) ایک ایسا الحاد ہے جس میں خدا کے وجود کو تو تسلیم کیا جاتا ہے لیکن خدا سے تعلق قائم کرنے کیلئے وحی، خارجی ہدایت اور مذاہب عالم کی تعلیمات کو من گھڑت اور غیر ضروری سمجھ کر یکسر مسترد کر دیا جاتا ہے۔ اس نظریے کے مطابق انسان کا اصل اور خالص مذہب دیزم ہے یعنی یہ کہ خدا پر اپنی عقل اور خواہش کے مطابق ایمان لایا جائے اور خدائی احکامات پر عمل کر کے اسے خوش کرنے کی بجائے از خود اپنی عقل سے کائنات پر غور کر کے خدا کو خوش کیا جانا چاہئے۔ یعنی خدا کو یوں نہ مانا جائے جیسا کہ وہ چاہتا ہے بلکہ یوں مانا جائے جیسا کہ انسان اسے چاہنا چاہتا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو دیزم کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ خدا موجود ہے، اور وجود کائنات کی علت اولیٰ وہی ہے لیکن وہ براہ راست کائناتی امور میں مداخلت نہیں کرتا، اس نے کائنات بنائی تو ضرور ہے لیکن اسے فطری قوانین کے ماتحت کر کے چلا دیا ہے۔ اب یہ کائنات اپنے داخلی قوانین کی مدد سے رواں دواں ہیں، اب خدا کا اس دنیا سے کوئی لنک باقی نہیں رہا۔ اس کا عملی مظاہرہ پاکستانی سماج میں نمایاں نظر آتا ہے جس میں اکثر نوجوان اللہ کے احکام کی پیروی کرنے کے بجائے اسلام کو تابع کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک ہر وہ عمل اسلامی ہیں جو ان کی مزاج سے موافقت رکھتا ہے حقیقت میں اس عمل کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

الحادی نظریات کا محور وجود خدا اور زندگی کا نقطہ آغاز ہے جو ایک نظریہ حیات کو جنم دے رہا ہے یہ نظریات مکمل طور پر قرآنی نظریہ حیات کے بالکل برعکس ہے۔ الحادی نظریے کے مطابق انسان بندر کی نسل ہے جو ارتقاء کے مرحلے سے گزرتے ہوئے انسانی شکل اختیار کر چکا ہے۔ اس کے سامنے صرف وہی چیز حقیقت ہے جو مشاہدے میں آسکتی ہے لہذا اس جسم کے علاوہ روح نام کی کوئی چیز وجود نہیں رکھتی، کوئی قیامت، کوئی ثواب و عقاب نہیں، کوئی جہنم و دوزخ نہیں، بس اگر

کوئی ہے تو وہ فقط یہی دنیاوی زندگی ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو یہ ایسی خطرناک فکر ہے جو انسان کو تمام انسانی اور اخلاقی حدود و اقدار سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

لیکن قرآن کے مطابق انسان کو اللہ نے مختلف اجزاء سے خلق فرمایا ہے اور انسانی حقیقت تخلیق کے بعد بغیر تغیر کے ابھی تک چلی آرہی ہے البتہ اس حقیقت کے اجزاء مختلف ہیں۔ اس سلسلے میں ارشادِ باری ہوتا ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾¹

(اور ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا، پھر ہم نے اس کو ایک مضبوط جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر ہم نے اس نطفے کو علقہ بنایا۔ پھر اس علقہ کو مضغہ بنایا۔ پھر مضغہ کو ہڈی بنایا۔ پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر ہم نے اس کو ایک دوسری ہی مخلوق بنا کر کھڑا کیا۔)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ﴾²

(اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں سڑی ہوئی مٹی کے کھنکھاتے سوکھے گارے سے انسان پیدا کرنے والا ہوں۔ پس جب میں اس کی نوک پلک سنوار دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدے میں گر جانا)

احادیث مبارکہ میں بھی انسان کی مٹی سے تخلیق کی طرف اشارہ ملتا ہے:

((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبِضَتِهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَرْضِ فَجَاءَ بَنُو آدَمَ عَلَى قَدَرِ الْأَرْضِ جَاءَ مِنْهُمْ الْأَحْمَرُ وَالْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدُ وَبَيْنَ ذَلِكَ وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ وَالْحَبِيبُ وَالطَّيِّبُ))³

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو ایک مٹھی بھر سے پیدا کیا جسے اس نے تمام زمین سے لیا، اور بنی آدم زمین کے حجم کے مطابق آئے۔ سرخ اور سفید۔ اور سیاہ اور اس کے درمیان اور سادہ اور اداس اور برے اور اچھے۔“)

¹ المومنون: 12

² الحجر: 28

³ أبوداؤد، السنن، بیان تخلیق آدم، حدیث رقم: 4693

ان تمام آیات کریمہ اور روایات سے واضح ہے کہ انسان کا خالق اللہ ہے اور اس نے انسان کو مختلف اجزاء سے پیدا فرمایا اور پھر انسان کی ایک حقیقت بننے کے بعد دوسری حقیقت میں تبدیل نہیں ہوئی۔ اسی حقیقت پر مباحث کرتے ہوئے ذات ایزدی نے اعلان فرمایا:

﴿وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْنُونَ وَطُورَ سَيْنِينَ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾¹

(انجیر اور زیتون کی قسم ہے۔ اور طور سینا کی۔ اور اس شہر (مکہ) کی جو امن والا ہے۔ بے شک ہم نے انسان کو بڑے عمدہ انداز میں پیدا کیا ہے۔)

اسلامی تعلیمات سے دوری کی وجہ سے وطن عزیز پاکستان میں الحاد جس تیزی سے پھیل رہا ہے ماضی میں اس کی نظیر نہیں ملتی، ایک منظم طریقے سے مذہب بیزاری پیدا کی جا رہی ہے، الحاد کے ایجنٹ جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہیں کالج اور یونیورسٹیاں بھری پڑی ہیں، بات مولوی سے شروع ہوتی ہے اور رب العالمین کی گستاخی پر جا پہنچتی ہے، آئے دن کوئی نہ کوئی عجیب بکواس سننے کو ملتی ہے، ہم لوگ چند روز چیخ و پکار کر کے چپ ہو جاتے ہیں اور ہم کر بھی کیا سکتے ہیں کہ اصل ذمہ داری جن کی ہے وہ تو خواب غفلت میں اپنی کرسی کے علاوہ نہ کچھ نظر آتا ہے اور نہ سنائی دیتا ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے بے اعتنائی

امر بالمعروف ونہی عن المنکر اسلام کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہے۔ یہ اسلامی سماج کی روح ہے جو دیگر فرائض کو زندہ رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ لیکن پاکستانی سماج میں فکری و اخلاقی مسائل کی وجہ سے یہ اہم فریضہ حق ادا کیگی سے محروم دکھائی دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے آئے روز ایسے مسائل سے معاشرہ دوچار ہوتا رہا ہے جس کا خمیازہ صدیوں تک اس قوم کو بھگتنا پڑے گا۔ قرآن کریم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کو بیان کرنے کے لئے ان قوموں کی ہلاکت کو دلیل کے طور پر بیان کیا ہے جنہوں نے اس فریضہ کو فراموش کر دیا تھا اور بعض بنی اسرائیل نے جب اس فریضہ کو چھوڑ دیا تو حضرت عیسیٰ اور حضرت داود نے ان پر لعنت کی تھی۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِيسٌ مَّا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾²

(انہوں نے جو برائی بھی کی ہے اس سے باز نہیں آتے تھے اور بدترین کام کیا کرتے تھے)

¹ التین: 1

² المائدہ: 79

اس فریضہ کی اہمیت جہاد سے زیادہ ہے، اسی کی وجہ سے شریعت کو تقویت ملتی ہے اور اس کو انجام دینے والے زمین کے اوپر خدا کے نمائندہ اور انبیاء کے جانشین ہوتے ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دو ایسے فرائض ہیں جن کو فراموش کر دینے کی وجہ سے بعض گزشتہ قومیں ہلاک ہو گئیں، قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿قُلُوا لَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّتِهِ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ﴾¹

(تو تمہارے پہلے والے زمانوں اور نسلوں میں ایسے صاحبان عقل کیوں نہیں پیدا ہوئے ہیں جو لوگوں کو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے)

قرآن نے اسے امت کا اعزاز سمجھ کر امت محمدی ﷺ کو دیگر امم پر فضیلت دی ہے اور اس امت کو خیر امت کے لقب سے نوازا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ
بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرٌ لَّهُمْ مِمَّا يُمْنُونَ أَكْثَرُ
هُمْ الْفَاسِقُونَ﴾²

(لوگوں کے لئے پیدا کئے جانے کی بدولت تم ایک بہترین امت ہو نیک باتوں کا تم حکم کرتے ہو اور روکتے ہو بری باتوں سے، اور ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ پر، اگر ایمان لاتے اہل کتاب بھی تو ان کے لئے بہتر تھا، ان میں ایمان لانے والے بھی ہیں لیکن اکثر تو فاسق ہیں۔)

امت محمدیہ کی فضیلت کا معیار یہی امر بالمعروف ہے جو کہ ایک دینی فریضہ ہے لیکن مغربی سوچ کے نتیجے میں مذہب کو شخصی استحقاق سمجھ کر مسلم سماج میں امر بالمعروف جیسی عظیم فریضے کو یہ کہہ کر نظر انداز کیا گیا کہ یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے اگر معاشروں میں ان دونوں فرائض یعنی فساد کے مقابلہ میں تمام لوگوں کی ذمہ داریوں کو فراموش کر دیا جائے تو شریعت کی بنیادیں نیست و نابود ہو جائیں گی اور آہستہ آہستہ اصل دین ختم ہو جائے گا اور معاشرہ کے امور تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو زندہ کرنا ایمان کی علامت قرار دیا ہے:

((مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مَنكَرًا فَاسْتَطَاعَ أَنْ يَغْيِرَهُ بِيَدِهِ فَلْيَغْيِرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ
فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ))³

¹ ہود: 116

² آل عمران: 110

³ ابن ماجہ، السنن، کتاب الفتن، باب: الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ، حدیث رقم: 4013

(تم میں سے جو شخص کوئی بات خلاف شرع دیکھے، تو اگر اسے ہاتھ سے روکنے کی طاقت رکھتا ہو تو اسے ہاتھ سے روک دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے روکے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اس کو دل سے برا جانے، اور یہ ایمان کا سب سے معمولی درجہ ہے)

قرآن نے اسے جہاد سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں وارد ہوا ہے:
 ((أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ أَوْ أَمِيرٍ جَائِرٍ))¹
 "سب سے افضل جہاد ظالم بادشاہ یا ظالم حاکم کے پاس انصاف کی بات کہنی ہے۔"
 بعض احادیث میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو راستے کے حقوق میں سے قرار دیا ہے کیونکہ راستے میں چلتے رہ مختلف لوگوں کا گزر ہوتا ہے لہذا اچھی باتوں کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کا عمل انجام دیا جائے۔ جیسا کہ ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((قَالَ: إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ بِالطَّرِيقَاتِ. فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا لَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا بُدُّ نَتَحَدَّثُ فِيهَا. فَقَالَ: إِذَا أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ، فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ. قَالُوا: وَمَا حَقُّ الطَّرِيقِ، يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الْأَذَى، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ))²

"حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: راستوں میں بیٹھنے سے بچتے رہنا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمیں ایسی جگہوں پر بیٹھنے کے سوا چارہ کار نہیں کیونکہ ہم بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں۔ فرمایا: اگر تمہارا راستوں میں بیٹھنا ضروری ہے تو راستے کا حق ادا کر دیا کرو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ! راستے کا حق کیا ہے؟ فرمایا: نظریں نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیز کا (راستہ سے) ہٹا دینا، سلام کا جواب دینا، اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے منع کرنا۔"

آج ظالم و شریر حاکموں کا تسلط اور سیاسی عہدوں و مناصب پر ان کا قبضہ غالباً اسی کا نتیجہ ہے کہ امت کے بیشتر لوگ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اس اہم ترین فریضے کے تارک بنے ہوئے ہیں بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ لوگ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور نہی عن المنکر کی جگہ نہی عن المعروف کر رہے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ہماری دعائیں بھی رد کی جا رہی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

((مُرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ، قَبْلَ أَنْ تَذْعُرُوا فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ))

¹ ابوداؤد، السنن، کتاب الملاحم، باب: الامر والنہی، حدیث رقم: 4344

² بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاستئذان، باب: قول اللہ تعالیٰ: یا ایہا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتا، حدیث رقم: 5875

- مسلم، الصحیح، کتاب اللباس والزینۃ، باب النہی عن الجلوس فی الطرقات وإعطاء الطريق حقہ، حدیث رقم: 2121

"نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو قبل اس کے کہ (ایسا وقت آجائے جب) تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو (مگر تمہاری دعا کو قبول نہ کیا جائے۔"

آج ان فکری اور اخلاقی چیلنجز کی وجہ سے اس اہم فریضے کو یکسر نظر انداز کیا گیا ہے اس کے پیچھے وہ تمام اسباب موجود ہیں جن کی وجہ سے امر بالمعروف مانڈ پڑ چکی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسے دوبارہ زندہ کیا جائے اس کے لئے معاشرہ اور ریاست دونوں کو کردار ادا کرنا ہو گا کیونکہ اسلامی معاشرہ اپنے اقدار کے ذریعے اور ریاست قانون کے ذریعے منکر کا راستہ روکتی ہے، چنانچہ ریاست اگر منکر کے ارتکاب پر مجرم کو سزا دیتی ہے تو معاشرے میں بھی اسے لعنت و ملامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور مجرم گھٹن اور بے چینی محسوس کرتا ہے۔ غرض اسلامی ریاست اور اس کے تمام شعبہ جات کی روح یہی خیر و شر کا فرق اور خیر کا پرچار اور شر کا انکار ہے۔

خدا خونی کا فقدان

فکری اور اخلاقی تحدیات کے اثرات میں سے ایک اہم اثر لوگوں کے دلوں سے خدا خونی کا خاتمہ ہے جس کی وجہ سے انسانی اقدار اور حقوق انسانی مکمل طور پر معطل دکھائی دیتے ہیں۔ تصور توحید و قیامت وہ عنصر ہے جو انسان کو عملی میدان میں آفاقی حدود کا پابند بنادیتا ہے کیونکہ یہ تصور انسان کو ہر عمل کے جواب دہی کا قائل بناتا ہے اسلئے عمل سے پہلے¹ انسان اس کے انجام کے بارے میں سوچتا ہے۔ لیکن مغربی و الحادی خیالات نے انسان کو مذہب سے بے دخل کر دیا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو آج انسانوں کے بیچ بنیادی تنازع خدا کے ماننے والوں اور الحادیوں کے درمیان ہے جیسا کہ ہارون یحییٰ لکھتے ہیں:

"They must know that the basic conflict of ideas in the world is between atheism and faith. It is not a struggle between East and West; in both East and West there are those who believe in God and those who do not. For this reason, faithful Christians, as well as faithful Jews are allies of Muslims²."

"انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا میں نظریات کی بنیادی کشمکش الحاد اور ایمان کے درمیان ہے۔ یہ مشرق اور مغرب کی لڑائی نہیں ہے۔ دونوں مشرق میں کاتنازع نہیں ہے بلکہ دونوں میں وہ لوگ ہیں جو خدا کو مانتے ہیں اور جو نہیں مانتے۔ ان کے درمیان تنازع ہے۔ اس سلسلے میں وفادار عیسائیوں کے ساتھ ساتھ وفادار یہودی بھی مسلمانوں کے اتحادی ہیں۔"

آج کے سماج کو دیکھا جائے تو وہ قرآن سے زیادہ مغرب اور اس کی تہذیب اور طرز تفکر سے اپنی امیدیں وابستہ کئے بیٹھا ہے جبکہ خدا سے ناامیدی کا ناٹھ باندھ بیٹھا ہے حالانکہ قرآن کہتا ہے:

² Haroon Yahya, *The fall of Atheism*, (Lahore: Bazme –i-Iqbal, 1995) p 12

﴿قُلْ يُعْبَادِي الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ﴾¹

(کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ (اور) وہ بخشنے والا مہربان ہے۔)

اگر انسانی رویوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ہمارے خوف کا سارا دار و مدار اس دنیائے فانی کے نفع و نقصان پر ہی ہے۔ دنیا کی ناکامی کا خوف، جان جانے کا خوف، دولت چھین جانے کا خوف اور دشمن کا خوف۔ یہ انسانی ذہن میں کلبلانے والے وہ وسوسے اور اوہام ہیں جو ہماری زندگی میں ایک بے یقینی کی کیفیت پیدا کرتے رہتے ہیں، اور یہ نتیجہ ہے اس امر کا کہ ہمارے دل سے اللہ کا خوف یک سر نکل چکا ہے۔ اس لیے کہ انسان کے دل میں کبھی بھی دو خوف جمع نہیں ہو سکتے۔ دل میں دنیا کا خوف غالب آئے گا تو اللہ کا خوف دل سے نکل جائے گا، اور اگر اللہ کا خوف اور ایک دن اس کے سامنے کھڑے ہو کر جواب دینے کا تصور گہرا ہو تو دنیا اور اس کی ہر شے کا خوف جاتا رہے گا۔ اور اس کا ایک اچھا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ کی خوش نودی بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لئے احادیث میں خدا سے آس لگائے بیٹھنے کی تلقین کی گئی ہے:

((انا عند ظن عبدي بي وانا معه إذا دعاني))² قال ابو عيسى: هذا حديث حسن صحيح.

"میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں جیسا وہ گمان مجھ سے رکھے، اور میں اس کے ساتھ ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے"

آج کا سماج خدا سے ناامیدی اور مجازی خداوں کو شعار بناتے ہوئے مغربی تہذیب کا دلدادہ بن چکا ہے گویا کہ لوگ اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ ان کا جینا مرنا استبدادی قوتوں کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ کس قدر خدا سے بدظنی ہے کہ ایک کمزور طاقت کو خدا تصور کیا جائے اور اس کے سامنے اپنے آپ کو جواب دہ قرار دے۔ انسان اگر خوفِ آخرت اور اللہ کے سامنے جواب دہی کی فکر سے آزاد ہو جائے تو پھر اسے گمراہی سے کوئی نہیں روک سکتا پھر اس کے لیے سرکشی اور گناہ کا ہر دروازہ کھلتا چلا جاتا ہے انسان کی زندگی میں سکون و راحت، ٹھیراؤ اور اطمینان اس کے فکر و عمل میں توازن و اعتدال سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ زندگی کے کسی بھی معاملے اور رویے میں افراط و تفریط اس کی زندگی میں انتشار و اضطراب کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو خوف کے ساتھ رجائے امید کا احساس بھی ذہن میں مستحضر رہے تو زندگی کے گہرے سمندر میں تلاطم برپا نہیں ہوتا، اور زندگی کی ڈور کبھی الجھنے نہیں پاتی۔

¹ الزمر: 53

² بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الظن، باب: الظن باللہ، حدیث رقم: 7405

خدا خونی کے فقدان نے ان الوہی تصورات کو دیمک کی طرح چائنا شروع کیا ہے۔ الحادی نظریات بلا واسطہ انسانی ایمانیات کو اپنی لپیٹ میں لے کر انسان کو صرف محسوسات تک محدود کر چکا ہے یہی وجہ ہے کہ بیسویں صدی کا انسان گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے جھجک تک محسوس نہیں کرتا نہ اس کے اعتقاد میں یہ راز باقی رہ چکی کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ جب تصور آخرت ہی ختم ہو جائے تو پھر انسان جو چاہے کر گزرتا ہے۔ یہ سب مغرب کے ملحدانہ نظریات کی اندھی تقلید کا شاخسانہ ہے جس کو ہمارے مسلم اکثریت نے جوں کے توں قبول کیا۔ مسلمان اس بات کے ادراک سے قاصر رہے کہ مغرب نے مذہب سے نفرت اہل کلیسا کے دوہری معیارات سے تنگ آکر کیا تھا جبکہ مسیحیت کیتعلیمات ایک مکمل ضابطہ حیات کے اصولوں سے عاری تھا۔ دیکھا دیکھی میں مغرب کی اتباع کرتے ہوئے ہمارے کچھ ناعاقبت اندیش لوگوں نے بھی اسلام سے نفرت کرتے ہوئے اسے افیون سے تشبیہ دی۔ حالانکہ دیگر مذاہب کی نسبت اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات رکھتا ہے۔

بے عملیت:

پاکستانی سماج میں فکری تحدیات سے جو اثرات مرتب ہوئی ہیں ان میں بے عملیت اور قول و فعل کا تضاد زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ خصوصاً معاملات اور عبادات میں احکام شرعیہ کی عدم پیروی سماج کا مشغلہ بن چکا ہے۔ ہاتھوں میں تسبیح، پیشانی پر سجدے کے نشان، چہرے پر سنت نبوی اور اسلامی لباس میں ملبوس افراد کی ایسی کثرت موجود ہے جن کے جلوت اور خلوت میں بہت بڑا تضاد پایا جاتا ہے۔ مسجد کے محرابوں میں کھڑے ہونے والے اور منبروں کے فصیح و بلیغ خطیب نیز یونیورسٹی اور کالجز میں انسانیت کے درس دینے والے پروفیسرز اور اساتذہ، اپنی پیشہ وارانہ ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرتے نظر آتے ہیں اسی طرح سیاست دان کا قومی خدمت اور مفاد کے نام پر عوام کا استحصال کرنا معمول بن چکا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رُو سے دیکھا جائے تو قول و عمل کا تضاد ہو یا نفاق ہو حق تعالیٰ کے نزدیک بدترین جرم ہے، شدید غضب الہی کا سبب ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾¹

(اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو، خدا کے نزدیک یہ بہت ناراضی کی بات ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔)

در حقیقت نفاق بھی یہی چیز ہے کہ زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ ہے، منافقوں کے لیے سزا اور وعید بھی قرآن کریم میں شدید آئی ہے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾¹

(بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں جائیں گے۔)

آج مسلمانوں کا بظاہر عام جرم یہی ہے کہ زبان سے اسلام کا دعویٰ ہے، لیکن عمل وہ ہیں جن سے کافر بھی شرمائے اور زبان سے دعوے کچھ کیے جاتے ہیں اور عمل کچھ اور ہوتا ہے خصوصاً معاملات میں عقود کی عدم پاسداری ایک معمولی چیز سمجھی جاتی ہے حالانکہ قرآن نے اس پر عمل کرنے کی خصوصی تاکید کی ہے:

((لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ))²

(اس میں ایمان نہیں جس میں امانتداری نہیں، جس کو اپنے عہد کا پاس نہیں اس میں دین نہیں۔)

عہود کی عدم پاسداری سے سماج کی ذہنیت کا پتہ چلتا ہے کہ انسان کو دین اسلام کی اطاعت و فرمانبرداری کے لیے پیدا نہیں کیا گیا، بلکہ خود اسلام کو انسانی خواہشات کے پیچھے چلنے کے لیے نازل کیا گیا ہے، وہ مسلمانوں پر یہ فرض عائد نہیں کرتے کہ وہ اپنی زندگی اسلام کے ڈھانچے میں ڈھالیں، بلکہ وہ اسلام پر یہ فرض عائد کرتے ہیں کہ وہ انسانی خواہشات کے سانچے میں ڈھلتا رہے، یہ موجودہ دور میں زندگی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آج ہمیں جو ذلت نصیب ہو رہی ہے، درحقیقت اس منافقانہ طرز زندگی کی سزا ہے۔ پاکستان کیوں حاصل کیا گیا اور اب تک کیا ہوا؟ ماضی قریب میں متحدہ ہندوستان میں ہم نے یہی نعرے لگائے کہ مسلمانوں کے لیے ایک مستقل جداگانہ سرزمین کی اس لیے ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے نفاذ کے لیے اسلام کی حکومت قائم ہو اور سر سے پیر تک اسلامی معاشرہ کی تشکیل ہو، لیکن ہماری بے عملی کی وجہ سے یہ خواب ابھی تک شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا۔

سماجی اثرات

فکری و اخلاقی تحدیات نے عقائد کو متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ سماجی میدان میں بھی کافی گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ وہ معاشرہ جس کا ڈھانچہ اسلامی اصولوں اور انسانی اقدار پر مبنی تھا اور اس کے خدوخال اخلاقی اقدار پر استوار تھے مسلمانوں

¹ النساء: 145

² التبریزی، محمد الخطیب، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، حدیث رقم: 35

¹ انکی انفعالی رد عمل کی وجہ سے آہستہ آہستہ مغربی روایات میں کھو چکا ہے اور موجودہ دور میں نوجوان نسل ان روایات کو کامیابی کی کنجی سمجھ کر تقلید کرنے پر مجبور ہے۔ آج فکری زاوئے اسلامی تعلیمات سے کافی حد تک انحراف کر چکے ہیں جس کی وجہ سے بہت سی تبدیلیاں واقع ہوئی ہے جن میں سے چند اہم تبدیلیوں کو ذیل میں تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

عائلی نظام میں عدم استحکام

فکری و اخلاقی تحدیات نے پاکستانی مسلم سماج کے عائلی نظام کو بھی کافی حد تک متاثر کیا ہوا ہے۔ یہ خاندانی سسٹم ہماری ایک بچی کچھی قدر ہے اس کو اس وقت مغرب تباہ کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ یہ فحاشی، بے حیائی اخبارات کے لئے جس طرح رنگین ایڈیشن چھپتے ہیں اور مضامین کے ذریعے سے لوگوں کے اندر شکوک پیدا کئے جاتے ہیں۔ لوگوں کے ہاں غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں حالانکہ اسلام میں خاندان کی بناوٹ دو طرح سے ہے، ایک رشتے داری کا خونی تصور اور دوسرا نظم و نسق کا تصور ہے جو قرآن مجید کی اصطلاح میں لفظ "ولایت" کے اندر موجود ہے۔ رحم اور ولایت، یہ دو لفظ ہیں جو پورے خاندانی سسٹم کو پورے قرآن مجید کے اندر بیان کرتے ہیں۔

﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۚ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَلًا فَخُورًا﴾²

(اور اللہ کی بندگی کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر اور اپنے غلاموں کے ساتھ بھی (نیکی کرو)، بے شک اللہ پسند نہیں کرتا اترانے والے بڑائی کرنے والے شخص کو۔)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا﴾³

(تم قرابت دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو بھی، اور مال کو بے جا نہ اڑاؤ۔)

حدیث مبارکہ میں بھی عزیز و اقارب کی فضیلت اور مقام کو خوب اجاگر کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

² النساء: 36

³ الاسراء: 26

وقال ثابت: عن انس، قال النبي صلى الله عليه وسلم لا ي طلحة ((اجعلها لفقراء اقاربك، فجعلها لحسان، وابي بن كعب))¹

"اور ثابت نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طلحہ سے فرمایا تو یہ باغ اپنے ضرورت مند عزیزوں کو دے ڈال۔ انہوں نے حسان اور ابی بن کعب کو دے دیا۔"

اسی طرح ولایت جس کا معنی سرپرستی کے ہے حفظ نسل کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کا تصور باطل ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ سے مروی ہے:

قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحْتَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهَا، فَكَأَنَّهَا بَاطِلٌ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَالْمَهْرُ لَهَا بِمَا أُصَابَ مِنْهَا، فَإِنْ تَشَاجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَ لَهُ))²

"ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عورت نے بھی اپنے اولیاء کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو وہ نکاح باطل ہے، وہ نکاح باطل ہے، وہ نکاح باطل ہے، اگر ان کا آپس میں ملاپ ہو گیا ہے تو اس کی وجہ سے حق مہر اس عورت کو دیا جائے گا، اگر (اولیاء کا) اختلاف اور جھگڑا ہو تو سلطان وقت ہر اس عورت کا ولی ہو گا جس کا کوئی ولی نہ ہو۔"

اسی طرح ایک اور روایت میں آتا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((لَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةَ الْمَرْأَةَ، وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةَ نَفْسَهَا، فَإِنَّ الزَّانِيَةَ هِيَ الَّتِي تُزَوِّجُ نَفْسَهَا))³

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی عورت، عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے بیشک زانیہ عورت ہی اپنا نکاح از خود کرواتی ہے"

اسلامی تعلیمات میں نکاح عائلی زندگی کی بنیادی جزء ہے۔ وہ نکاح جو شرعی لحاظ سے درست اور جسے چوری چھپے نہ انجام دیا گیا ہو۔ ولی کی رضامندی، گواہوں کی موجودگی، مہر کی تعیین وغیرہ جتنے بنیادی ارکان نکاح ہے ان کی استواری سے ایک جوڑے کو سماج میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

¹ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب: إِذَا وَقَفَ أَوْ أَوْصَى لِأَقْرَبٍ وَمِنْ الْأَقْرَبِ، حدیث رقم: 2752

² ابوداؤد، السنن، کتاب النکاح، باب: نِيَّ الْوَلِيِّ، حدیث رقم: 2083

³ ابن ماجہ، السنن، کتاب النکاح، باب: لَا نِكَاحَ إِلَّا بِالْوَلِيِّ، حدیث رقم: 1882

یہ بات عملاً اسلامی روایات کے منافی ہے کہ کسی بھی مرد اور عورت کے درمیان خفیہ طور پر جنسی تعلق قائم ہو اور ان کے اندر احساس جرم پرورش پاتا رہے اور وہ اپنی ذمہ داریوں سے بچنے کی کوشش کریں لہذا ہدایت کی گئی کہ نکاح کے ذریعے زوجیت کو وجود میں لایا جائے اور معاشرہ اس بات سے واقف ہو کہ وہ دونوں رشتہ ازدواج میں منسلک ہیں تاکہ وقت ضرورت معاشرہ خود بھی ان کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں ان کی مدد کر سکے لہذا اسے کثرت سے کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُمِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾¹

(تم میں سے جو مرد اور عورت بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کر دو اور اپنے نیک بخت غلام لونڈیوں کا بھی۔ اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی بنادے گا اللہ تعالیٰ کثادگی والا اور علم والا ہے)

پاکستانی سماج کو جن تحدیات کا سامنا ہے ان میں ایک جو مغرب سے جنم لینے والی تہذیب جس میں بوئے فریڈ کا تصور پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے نوجوان نسل نکاح کو نظر انداز کر رہے ہوتے ہیں اور زنا کا مرتکب ہوتے ہیں جس کا نتیجہ ماں باپ اور بہن بھائی کی عدم تفریق کی صورت میں نکلتا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو موجودہ پاکستانی سماج میں کچھ معتد بہ لوگ نکاح کو نہیں زنا کو ترجیح دے کر اپنی خواہشات کی تسکین چاہتے ہیں تاکہ خواہش پوری ہونے کے ساتھ ذمہ داریوں سے کنارہ کشی اختیار کر سکے۔ اگر اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو معاشرہ جنسی انتشار اور آوارگی سے محفوظ ہونے کے ساتھ تسکین خواہش کا امکان پیدا ہو سکتا ہے۔ اسلام کے نزدیک جنسی جذبہ ایک فطری جذبہ ہے اور اس کی تسکین جائز طریقے سے حرام اور ناجائز نہیں ہے بلکہ اس جائز عمل کو اہل ایمان کی خصوصیت میں سے قرار دیتا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأُفْزُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ﴾²

(اور جو حفاظت کرنے والے ہیں اپنی شرم گاہوں کی مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں پر اس لیے کہ ان میں کوئی الزام نہیں)

ان آیات میں جنسی تسکین کے جائز ذرائع بیان کئے گئے ہیں جن سے رشتے، کنبے اور برادری کے دوسرے تعلقات پیدا ہوتے ہیں پھر یہ پھلتے پھلتے ایک وسیع معاشرے تک جا پہنچتی ہے۔

¹النور: 32

²المومنون: 5-7

میاں بیوی کے تعلقات کی بنیاد مودت و رحمت پر رکھی گئی ہے۔ قرآنی آیات کے مطابق میاں بیوی دونوں ایک دوسرے

کے لئے لباس ہیں جیسا کہ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾¹

(وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو)

اس کو گہرائی میں جا کر سمجھنے کی ضرورت ہے۔ دو جنسوں میں نکاح کے ذریعے جو محبت پیدا ہوتی ہے ویسی محبت کسی اور ذریعے سے پیدا نہیں کی جاسکتی۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے لباس ہے یعنی جس طرح لباس ایک انسان کے لیے زینت ہے اسے موسمی اثرات سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کی ستر پوشی کے کام آتا ہے اسی طرح زوجین ایک دوسرے کے لیے زینت ہیں زندگی کے سرد و گرم حالات میں دونوں ایک دوسرے کو تحفظ فراہم کرتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کی کمزوریوں کو سمجھتے ہیں اور ان کو نظر انداز کر کے ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کی کوشش کرتے ہیں امام قرطبیؒ اس قرآنی تشبیہ کے ضمن میں فرماتے ہیں:

"لباس کا اطلاق اصلاً کپڑوں پر ہوتا ہے۔ زوجین کے باہمی امتزاج و اقتران کو لباس کی تشبیہ سے بیان کیا گیا ہے

کیونکہ زوجین بھی لباس ہی کی مانند ایک دوسرے سے مربوط اور لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔"²

آج الحادی تصورات کی وجہ سے معیارات بھی تبدیل ہو چکے ہیں اب اس لباس کی حرمت باقی نہیں رہی وہ اپنے شوہر کی مرضی کے بجائے جسم کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتی ہے گھر سے نکلنے کے لئے شوہر کی اجازت کو ناگوار سمجھتی ہے۔ وہ اپنی رضامندی سے ہر حد کر اس کرنے کے لئے آمادہ نظر آتی ہے۔

زوجین کے حقوق و فرائض

اسلام نے عائلی زندگی کو پائیدار اور مستحکم رکھنے کے لیے میاں بیوی کے حقوق بیان کیے ہیں۔ دونوں میں سے کسی کے لیے ہر گز جائز نہیں ہے کہ وہ صرف اپنے حقوق کا مطالبہ دوسرے سے کرتا رہے اور اپنے فرائض سے غافل رہیں یا ان کے سلسلے میں اپنی کوئی ذمہ داری نہ سمجھے نسل کی حفاظت اور شوہر کی وفاداری اس کے مال کی حفاظت اور اس کے آرام و

¹ البقرة: 187

² قرطبیؒ، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر، الجامع لأحكام القرآن (الریاض: دار عالم الکتب، 2003ء)، ج 2، ص: 314

آسائش کا خیال ایک وفا شعار بیوی کی اولین ذمہ داری ہے۔ اس طرح بیوی کی تمام ضروریات کی تکمیل ایک شوہر کا اولین فریضہ ہے لیکن یہ فریضہ بھی ایک خواب بن چکا ہے، اولاد کی تربیت کا ساز و سامان میسر نہیں ہوتا بلکہ مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر اولاد کو چائلڈ ہاوسز کی حوالے کیا جاتا ہے جہاں بچے ممتا کے بغیر پرورش پاتے ہیں یوں بچے یہ باور کرنے لگتے ہیں کہ ان کی زندگی میں ماں باپ کی کوئی خاص ضرورت نہیں اور جب بچے بڑے ہوتے ہیں تو وہ والدین کو اولڈ ہاوسز کے حوالے کر دیتے ہیں۔ جس سے نسلوں کے درمیان بہت بڑی خلاء پیدا ہوتی ہے۔ قرآن ان رویوں کے برخلاف انس و محبت اور ممتا کے بقاء کی تلقین کرتا ہے اور والدین سے احسان کرنے کو اپنی تعلیمات کا محور سمجھتا ہے جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۖ وَخُفِضَ لَهُمَا جَنَاحُ الذِّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا﴾¹

(اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سواء کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائے تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب و احترام سے بات چیت کرنا۔)

قرآن تعلیمات کے مطابق آدمی پر خدا تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا حق اس کے والدین ہی کا ہے۔ وہ والدین جنہوں نے اپنی اولاد کے لئے دن و رات محنت کر کے ان کی ضروریات اور خواہشات کی تکمیل میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ آج وہی اولاد انہیں اپنے ساتھ گھر پر رکھنے کے لئے گوارہ نہیں کرتی حالانکہ ان کی نافرمانی سے دونوں جہانوں میں ناکامی اور نامرادی انسان کا مقدر بن جاتی ہے۔ ان کے ہر مناسب اور نامناسب رویوں کو قبول کرنا اولاد پر ضروری ہے مگر ان کی نافرمانی مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کا شاخسانہ ہے اگر ان کا بروقت تدارک نہ کیا گیا تو انس سے عاری ایک نسل سماج کی اخلاقیات کو بہا کر لے جانے میں کامیاب ہوگا۔

طبقاتی نظام

پاکستانی معاشرے کو درپیش ایک اور فکری چیلنج طبقاتی تقسیم کا ہے۔ امیروں کی دنیا غریبوں سے قدریں مختلف ہے امیر غریبوں کو سہارا دینے سے کتراتے نظر آتے ہیں غریبوں کے لئے امیروں کی دنیا شجرہ ممنوعہ متصور ہوتا ہے۔ تمام لوازمات زندگی میں حد فاصل موجود ہے نظام تعلیم، صحت کے ذرائع، سیر و تفریح کے مقامات یکسر مختلف ہیں غریبوں کے

¹ بنی اسرائیل: 23-24

بچے امیروں کے سکولوں میں، علاج و معالج کے لئے بڑے ہاسپٹل غریبوں کے دسترس سے دور ہیں، صاف پانی کا حصول ایک خواب بن چکا ہے ایک ہی گھاٹ سے جانور اور غریب کے بچے اپنی پیاس بجھاتے نظر آتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات اس طرز زندگی کو یکسر مسترد کرتی ہیں جہاں امیروں و طاقتوروں کے لئے ایک قانون اور غریبوں کے لئے ایک الگ قانون رکھتا ہو، ایک آزاد اور دوسرا غلام متصور ہو، تمام آسائشیں امیروں کے گرد طواف کرے جہاں غریبوں کے ساتھ نا انصافی معمول بن جائے۔ آنحضرت ﷺ نے ان جاہلانہ رویوں کے بھر خلاف انسانیت کا پرچار کرتے ہوئے اعلان فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا عَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدٍ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى (إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَنْفَاكُم) ، أَلَا هَلْ بَلَغْتُ؟ قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: فَيُبْلَغُ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ))¹

(لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، آگاہ ہو جاؤ! کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سرخ رنگ والے کو کالے رنگ والے پر اور کسی سیاہ رنگ والے کو سرخ رنگ والے پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں، مگر تقویٰ کے ساتھ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے وہ شخص سب سے زیادہ معزز ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے“، خبردار! کیا میں نے) اللہ کا پیغام (پہنچا دیا ہے؟ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں۔ پھر فرمایا ”حاضر لوگ یہ باتیں غائب لوگوں تک پہنچا دیں۔)

یہ تفاوت اور تفریق کہ جو انسانی تقاضوں کے خلاف ہے اور تمام انسانی قوانین کی روح کے خلاف ہے کسی مردِ خدا کے لیے قابلِ برداشت نہ تھی اور نہ ہے۔ زمانہ جاہلیت میں شدت سے یہ تفریق موجود تھی۔ یہاں تک کہ وہ لوگ رسولِ اسلام کا سب سے بڑا عیب یہی سمجھتے تھے کہ سلمان و بوذررضی اللہ عنہم جیسے پابراہنہ اور تہی دست لوگوں نے آپ کو گھیر رکھا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں بھی بت پرست اشراف اور بڑے لوگ آپ علیہم السلام پر یہی اعتراض کرتے تھے کہ پست لوگوں (اراذل) نے کیوں تیری پیروی کی ہے؟ کیونکہ دل کے یہ اندھے بڑائی اور پستی کا معیار درہم و دینار کو سمجھتے تھے۔ قرآن میں ارشادِ ربانی ہوتا ہے:

﴿فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ

أَرَادُوا لَنَا²

¹ بیہقی، شعب الایمان، کتاب التوحید والدین والقدرة، (بیروت: مکتبہ الرشید النشر والتوازیع لبنان، 1423ھ)، حدیث رقم: 5137

ہم نے دیکھا ہے کہ ان خود پرست بے ایمان لوگوں کو با ایمان غریبوں کے ساتھ چند لمحے بھی بیٹھنا گوارا نہیں۔ اور تاریخ اسلام شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسے ان خود پرستوں کو ایک طرف کر کے محروم لوگوں کو مواقع فراہم کیے اور ان کے ذریعے ایک حقیقی توحیدی معاشرہ تشکیل دیا۔ وہ معاشرہ کہ جس میں صلاحیتیں بیدار ہوئیں اور معاشرے میں انسانی و قار کا معیار تقویٰ، علم، ایمان، جہاد اور عمل صالح قرار دیا۔ آج بھی ایسے معاشروں کی تشکیل کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ پیغمبر اسلام کے طرز عمل کو نمونہ بنایا جائے۔ تعلیم و تربیت اور صحیح قوانین کی بنیاد پر طبقاتی فکر و نظر کا خاتمہ کر دیا جائے اور ان صحیح قوانین کو پوری طرح سے رائج کیا جائے چاہے عالمی استکبار کو یہ بات پسند آئے یا نہ آئے اور وہ اس کی مخالفت کے لیے ہی کیوں نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ ہمیں جدوجہد کرنا چاہئے کیونکہ اس کے بغیر ایک صحیح و سالم حقیقی انسانی معاشرہ ہرگز تشکیل نہیں پاسکتا۔

اسلام کا نقطہ نظر طبقاتی نہیں ہے، وہ طبقات کی بنیاد پر انسانوں کی تقسیم کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس کے نزدیک انسان انسان ہیں اور ان کے درمیان واحد تقسیم کفر اور ایمان کے نقطہ نظر سے ہے۔ موجودہ طبقات اسلامی اصولوں سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ ان کی پیدائش کے اسباب دوسرے ہیں۔

اسلامی نظام کے قیام کے لیے ہمیں ان طبقات کی حقیقت کو بھی دیکھنا چاہیے اور ان کے بارے میں ایک واضح رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ جاگیردار طبقہ بہ حیثیت طبقے کے بادشاہت کی ضرورت سے وجود میں آیا۔ پھر صورت حال کے بدلنے کے بعد انگریزوں نے اسے ایک دوسری صورت دے دی۔ پہلے بادشاہوں کو فوجوں کی ضرورت ہوتی تھی اور وہ اپنے سرداروں کو فوجیں رکھنے کے لیے جاگیریں دیتے تھے۔ انگریزوں کے زمانے میں جاگیرداروں کے ذریعے فوجیں حاصل کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی لیکن انگریزوں نے اپنے وفاداروں کا ایک مطلوبہ طبقہ پیدا کرنے کے لیے جاگیر داری کو تقویت دی۔ اب جاگیریں فوجیں رکھنے کے بجائے صرف ”کھانوپو اور عیش کرو“ کے کام آنے لگیں۔ ظاہر ہے کہ جاگیر داری کا یہ نظام اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور اسلام کے نقطہ نظر سے اسے برقرار رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ جاگیر داری کی طرح سرمایہ داری کے محرکات بھی اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔

موجودہ سرمایہ دار حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ کا جانشین نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ میں اہل ثروت افراد موجود تھے، لیکن ان کی زندگی کا مقصدِ اولین اسلام تھا۔ ان کی ثروت اور دولت بھی اسلام ہی کو تقویت پہنچانے کا¹ ایک ذریعہ تھی۔ جب کہ موجودہ سرمایہ دار کا دین ایمان اس کا سرمایہ ہے۔ موجودہ سرمایہ دار کے پیش نظر اسلام ہوتا تو وہ

سودی معیشت کا حصہ بن ہی نہیں سکتا تھا۔ صرف یہ بات کہ موجودہ سرمایہ داری کی بنیاد سودی کاروبار ہے، یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ اسلام کے صریحاً منافی ہے۔ ہمارے اس استدلال کا مقصد صرف اتنا ہے کہ ہرچند اسلام میں طبقات نہیں ہیں، لیکن ہمیں موجودہ طبقات کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر سے کوئی نہ کوئی فیصلہ ضرور کرنا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ موجودہ دنیا کا شعور انسانوں کے مسائل کو جس طرح محسوس کر رہا ہے ہمارے مذہبی طبقات اس کا ایسا شعور اور احساس نہیں رکھتے جیسا کہ ہونا چاہیے۔ عقائد، عبادات اور نظام تعزیرات انھی نقطہ نظر سے بہت اہمیت رکھتے ہیں، لیکن معاشرتی اور معاشی تبدیلیاں بھی کچھ کم اہم نہیں ہیں، اور عہد جدید کا شعور ان مسائل کو جتنی اہمیت دیتا ہے وہ دوسرے مسائل کو حاصل نہیں ہے۔

نصاب تعلیم میں یکسانیت کا فقدان

نصاب تعلیم ایسا عنصر ہے جو فکر انسانی کو ایک خاص دھارے میں لے کر آگے چلتی ہے اور ایک قوم کی طرز زندگی کے لئے جہت کا تعین کرتی ہے۔ یہ مسئلہ پاکستانی مسلم معاشرے کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج ہے جس نے بہت سے معاشرتی بیماریوں کو جنم دینے کے ساتھ نوجوان نسل کو اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فاتح قوم ہمیشہ اپنی تہذیب و اقدار کے نفاذ کے لئے مفتوح قوم پر ایسا نصاب رائج کرتی ہے جسے اس کے نوجوان نسل آفاقی تعلیمات سمجھ کر عمل پیرا ہونے لگتی ہیں۔ ایسٹ انڈیاء کمپنی کو اس بات کا مکمل ادراک تھا اس لئے ارادی طور پر انہوں نے مسلمانوں کو نصاب تعلیم سے محروم رکھا جیسا کہ ڈاکٹر احسن اقبال لکھتے ہیں:

”انگریزوں کی پوری کوشش یہ تھی کہ ہندوستانی باشندے زیادہ سے زیادہ جاہل رہیں، ان کا خیال تھا کہ تعلیم حاصل کر کے یہ لوگ ہمارے اقتدار کے لیے خطرہ بن جائیں گے؛ اس لیے اگر تعلیم کا نظم کیا بھی تو وہ محض عیسائیت کے لیے؛ ورنہ اعلیٰ تعلیم کا ہندوستانی باشندوں کے لیے کوئی نظم نہ تھا“¹

دراصل انگریز اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اگر برصغیر میں مغربی طرز کے تعلیمی ادارے کھولے گئے تو اس سے عوام میں بیداری آئے گی اور جس طرح امریکہ وغیرہ میں جدید علوم کی درس گاہیں قائم ہو جانے کے بعد ہمیں امریکیوں کو آزادی دینی پڑ گئی تھی اسی طرح برصغیر جو کہ سونے کی چڑیا سے کم نہیں ہے؛ اگر ہم نے یہاں پر جدید تعلیمی ادارے

¹ اقبال حسن خان، شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات اور علی کارنامے، (انڈیاء: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۷۳) ص: 29

قائم کر دیے تو ایک نہ ایک دن ہمیں یہاں سے لازماً بوریابستر گول کرنا پڑے گا؛ اس لیے بہتر یہی ہے کہ یہاں کے لوگوں کو تعلیمی لحاظ سے پسماندہ رکھا جائے۔¹

انگریزی نصاب تعلیم سے پہلے ہمارا نظام تعلیم قدیم اور جدید درس گاہوں پر چل رہا تھا اور مسلمان اسلامی تعلیمات و قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزار رہے تھے لیکن جب انگریز نے پاکستان اور ہندوستان پر قبضہ کر لیا اور مغلیہ نظام تعلیم کو ختم کر کے سیکولر بنیادوں پر نظام تعلیم کا نفاذ کرنا شروع کیا جو مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کے بالکل برخلاف تھا ایسے میں علماء نے اس نصاب کی مخالفت کی اور اس کا باقاعدہ طور پر بائیکاٹ کیا لیکن وہ اس لادین نصاب کے مقابلے میں کوئی جامع نصاب تعلیم مرتب کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے بلکہ مغربی علمی فنون سے مسلم معاشرے کو پاک و صاف رکھنے کے لئے علیحدہ نصاب کو ترجیح دی لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ مدارس اور مروجہ تعلیم کے نصاب میں بھی افتراق بڑھتا چلا گیا یوں دین اور دنیا میں تقسیم کیا گیا اور آج تک یہ دونوں نظام متوازی طور پر چل رہے ہیں۔

آج بھی پاکستانی معاشرہ ان اثرات کے سحر انگیزی سے چھٹکارہ نہیں پاسکا کیونکہ انگریزوں نے اپنے وفاداروں کو پراپرٹی کی شکل میں اعزازات سے اس قدر نوازا کہ مملکت کے ایک طرف جاگیر دار اور سرمایہ دار کالاو لشکر تیار ہوا تو دوسری طرف بھوکے، ننگے اور محروم لوگوں کی بستی تیار ہوئی۔ صاحب ثروت لوگوں کے مقامات غریبوں کے لئے شجرہ ممنوعہ قرار پائے۔ امیروں نے اپنے بچوں کے لئے جدید طرز کے سکولوں اور کالجوں کا جال بچا دیا دوسری طرف بغیر فرش کے سکولوں میں غریبوں کی تعلیمی لوازمات کا اہتمام وجود میں آیا۔ اس سلسلے کی کڑیاں آج تک مضبوطی سے جڑی ہوئی ہے آج بھی امیروں کے لئے الگ اسکول اور کالج اور ان کا نصاب پایا جاتا ہے اور غریب ان سکولوں کی قد آور دیواروں کے سوا کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ ان لوازمات زندگی کی وجہ سے صاحب ثروت لوگوں کے افکار پورے سماج پر غلبہ پا چکے ہیں۔ جاگیر دار اور امیر طبقہ کی میلانات مغربی تہذیب کی طرف زیادہ تھیں لہذا ان کی طرز زندگی کو آفاقی تعلیمات سمجھ کر قبول کیا گیا اور نوجوان نسل کو یہ باور کرانے میں کافی حد تک کامیاب ہو گئے۔ مولانا مودودی ان حالات کا باریک بینی سے تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انہوں نے اپنی تعلیم ہم پر مسلط کی اور اس طرح مسلط کی کہ رزق کی کنجیاں ہی لیکر اپنی تعلیم گاہوں کے دروازوں پر لٹکا دیں جس کے معنی یہ تھے کہ اب یہاں رزق وہی پائے گا جو یہ تعلیم حاصل کرے گا۔ اس دباو میں آکر ہمارے ہر

¹ منگلوری، طفیل احمد سید، مسلمانوں کا روشن مستقبل، (لاہور: حماد الکتبی شیش محل روڈ) (سن) ص: 162:164

نسل کے بعد دوسری نسل پہلے سے بڑھ چڑھ کر ان تعلیم گاہوں تک گنیا اور وہاں وہ سارے ہی نظریات اور عملیات سیکھے جن کی روح اور شکل بالکل ہماری تہذیب کی ضد تھی۔¹

اس طبقاتی کشمکش میں ابھی تک کوئی ایسا نصاب تعلیم مرتب نہیں کیا جاسکا جس سے قدیم اور جدید علوم کا امتزاج نمایاں ہو ایسے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ جدید دینی درسگاہوں کا قیام عمل میں لا کر نئے اہل علم و فکر پیدا کر کے کردار سازی کے لئے رہنمائی حاصل کرنی ہے۔ جس سے ایسے اہل علم و فکر پیدا ہوں گے جو دین اور دنیا کے علوم و فنون پر حاوی ہوں گے ایسے اساتذہ اور علماء ہی قوم کو صحیح کردار سازی کر سکتے ہیں وہی قوم کی تقدیر جگا سکتے ہیں جو یونیورسٹیوں اور مدارس کے تربیتیافتہ ہوں۔ اگر اس پر توجہ نہ دی گئی اور دونوں نصاب کی پیداوار میں مساوات قائم نہ کیا گیا یعنی مروجہ تعلیم کے لئے سوسائٹی میں روزگار کے مواقع اور دینی نصاب بالکل محروم تو اس کے بھیانک نتائج سے یہ سماج دوچار ہو سکتا ہے جیسا کہ پہلے سے ہو رہا ہے ان نتائج کی مولانا مودودی نے خوب منظر کشی فرمائی ہے:

"اس نظام تعلیم کے تحت اب جو لوگ پڑھ رہے ہیں اور تربیت پا کر نکل رہے ہیں اس کے سواء ان کا کوئی مصر فہم نہیں کہ وہ ہماری مسجدوں کو سنبھال کر بیٹھ جائے یا کچھ مدرسے کھول لیں اور طرح طرح کے مذہبی جھگڑے چھیڑتے رہیں تاکہ ان جھگڑوں کی وجہ سے قوم کو ان کی ضرورت محسوس ہو۔ اس طرح ان کی ذات سے کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچتا ہے یعنی ان کی بدولت ہمارے اندر قرآن و دین کا کچھ نہ کچھ علم پھیلتا ہے۔ دین کے متعلق کچھ نہ کچھ واقفیت لوگوں کو حاصل ہوتی ہے اور ہماری زندگی میں کچھ نہ کچھ حرارت باقی رہ جاتی ہے لیکن اس کے فائدے کے مقابلے میں جو نقصان ہم کو پہنچ رہا ہے وہ زیادہ ہے۔ وہ نہ تو اسلام کی راہنمائی کر سکتے ہیں اور نہ موجودہ زندگی کے مسائل پر اسلام کے اصولوں کو منطبق کر سکتے ہیں"²

علامہ مودودی اس قدیم نصاب تعلیم سے قانع نہیں ہے۔ اس سے مسائل دور کرنے کے بجائے لوگ اسلام سے دور ہو رہے ہیں۔ اور روز بہ روز دین کے وقار میں کمی آرہی ہے ایسے میں اس مسلکی نصاب سے فارغ التحصیل افراد کی مجبوری بنتی ہے کہ وہ ان مذہبی جھگڑوں کو تازہ رکھیں ورنہ ان افراد کی ضرورت ہی ختم ہو جائے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ان حالات میں مدارس کی ذمہ داری دوسرے اداروں کی نسبت زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ مدارس تعلیمات محمدی کے پاسبان ہیں۔ جتنی تفسیر اور تشریح سے یہ لوگ آگاہ ہیں اتنا کوئی اور سنت نبوی سے آگاہ نہیں لیکن حیرت ہوتی ہے کہ ان آفاقی تعلیمات کو پس و پشت ڈال کر ملکی اختلافات کو ہوا دیا جاتا ہے۔

¹ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، ص: 234

² مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تعلیمات، ص: 127

آج بھی پاکستان میں رائج نصاب تعلیم کا جائزہ لیں تو تہذیب مغرب اور اس کی سوچ غالب نظر آتی ہے۔ اس نصاب تعلیم نے ہمارے نوجوان نسل کو اپنے اسلاف سے بیگانہ کر دیا ہے۔ لارڈ میکالے اگر زندہ ہوتے تو یقیناً مسلمانوں کی حالت زار دیکھ کر خوش ہوتے کیونکہ اس نصاب میں سے ایک تھا کہ پاکستان کے تعلیمی ادارے اندھی تقلید میں اس نظام تعلیمی کی پیروی کرے جس کی بنیاد قوم پرستی اور مادی بنیادوں پر قائم کی گئی ہیں۔

سیاسی اثرات

فکریو اخلاقی تحدیات نے پاکستانی سماج میں سیاسی میدان کو بھی کافی حد تک متاثر کیا ہوا ہے۔ ان اثرات کا جائزہ لینے کے لئے چند تصورات کا تجزیہ و تحلیل کرنا ضروری ہے تاکہ قاری کو اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ اسلامی سیاسی تصورات اور مغربی تصورات میں کتنا افتراق پایا جاتا ہے؟ جبکہ اسلامی سیاسی تصورات کی حیثیت پر کس قدر اثر پڑا ہے؟

دین کی سیاست سے جدائی

سیاست دین کا حصہ ہے اور سیاست دین کے تناظر میں معاشرے کی ضرورت بنتی ہے اور اس کی مشکلات کو حل کرتی ہے۔ اگر دین کو سیاست سے جدا کر دیا جائے تو اس کی مثال ایسے درخت کی سی ہے جو سوکھ کر اپنی رونق و تازگی کھو چکا ہو سیاست کا دین کے بغیر تصور استعماری سازشوں میں سے ایک سازش ہے۔ استعمار کئی سالوں کے تجربات کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کے مفادات کے حصول میں سب سے بڑی رکاوٹ الہی آئین اور اس کے اجتماعی قوانین ہیں۔ لہذا استعمار کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ سیاست کو دین سے جدا رکھے تاکہ اپنے مقاصد و عزائم حاصل کر سکے۔ اقبال نے دین اور سیاست کے بارے میں اپنے خطبہ الہ آباد 1930ء میں بیان کیا۔

”کیا واقعی مذہب ایک نجی معاملہ ہے؟ اور آپ بھی یہ چاہتے ہیں کہ ایک اخلاقی اور سیاسی نصب العین کی حیثیت سے اسلام کا بھی وہی حشر ہو جو مغرب میں مسیحیت کا ہوا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اسلام کو بطور ایک اخلاقی تخیل کے تو برقرار رکھیں لیکن اس کے نظام سیاست کی بجائے ان قومی نظامات کو اختیار کریں جس میں مذہب کی مداخلت کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔۔۔ (دین اور سیاست) دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں اگر آپ نے ایک کو ترک کیا تو بالا آخر دوسرے کا ترک بھی لازم آئے گا۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان ایک لمحے کے لیے بھی کسی ایسے نظام سیاست پر غور کرنے کے لیے آمادہ ہو گا جو کسی ایسے وطنی یا قومی اصول پر مبنی ہو جو اسلام کے اصول اتحاد کی نفی کرے“¹

¹ علامہ اقبال، خطبہ الہ آباد 1930ء

اہل مغرب نے اپنے مذہب کو کاروبار سیاست سے بالکل بے دخل کر دیا ہے۔ یہی سیکولر طاقتوں کی طرف سے اسلام پر کاری ضرب تھا کہ مسلمان اسلامی تعلیمات میں سوچ و بچار کئے بغیر الحادی نظام پر ایمان لائیں:

"اور یہی مغربی سیکولرزم ہے کہ اگر کوئی خدا کو مانتا ہے تو اپنی ذاتی اور انفرادی زندگی میں مانتا رہے۔ اجتماعی زندگی سے بہر حال اس خدا کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے گویا نعوذ باللہ یہ انسان طے کرے گا کہ خدا کا دائرہ کار کیا ہے؟ اور کیا نہیں ہے؟ مغرب کے نظریہ ہیومنزم کے مطابق چونکہ انسان اپنا خدا خود ہے اور وہ مختار کل اور قادر مطلق ہے لہذا یہ فیصلہ اسی کو کرنا ہے کہ مذہب کا کردار اس کی زندگی میں کیا ہونا چاہیے اس کے برعکس اسلام نام ہی اللہ کی غیر مشروط اطاعت کا ہے" ¹

اسلام میں حاکم اعلیٰ اللہ جل شانہ کو مانا گیا ہے، کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے؟ کیا حلال ہے کیا حرام ہے؟ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوگا، انسان خود کسی چیز کو حرام یا حلال قرار دینے میں آزاد نہیں ہے۔ زنا حرام ہے یا حلال؟ سود لینا اور دینا حلال ہے یا حرام؟ اس کی تعیین صرف اللہ جل شانہ کریں گے جب کہ اہل مغرب اعلیٰ اتھارٹی انسان کو سونپ دیتے ہیں کہہر چیز کا اختیار انسان کے ہاتھوں میں ہے، وہ جسے درست کہہ دے وہ درست اور جسے غلط کہہ دے وہ غلط، صحت و سقم کا دار و مدار انسان کی عقل پر ہے اور وہ ہر طرح سے آزاد ہے جیسے زنا کرنا درست ہے یا غلط؟ لو اطمع انسانی حق ہے یا قبیح ترین عمل؟ سود لینا جائز ہے یا حرام؟ اس کا فیصلہ انسانی عقل کرے گی۔

اگرچہ جمہوریت بعض پہلوؤں سے اسلام کے مخالف نہیں کیونکہ اسلام میں بھی آزادی رائے اور شوری کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جبکہ بعض پہلوؤں سے اسلام نظریاتی طور پر جمہوریت کے اقتدار اعلیٰ کا شدید مخالف ہے۔ اسلام کے مطابق حاکمیت اعلیٰ جمہور کا حق نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَ الرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَ أَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ ²

(اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔)

¹ محمد امین، اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش، (لاہور: دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی) ص: 150

² النساء: 59

اطاعت اور حق حکمرانی اصالتاً خدا کے پاس ہے اور نیا بتاؤ اس کے رسول اور اس شخص کے پاس ہے جو اولی الامر ہے۔ خدا کے نمائندے پیغمبر اور امام کی صورت میں مخلوق کی ہدایت کے لئے متعین ہوتے ہیں۔ اہل زمین پر ان سے بڑا صاحب تقویٰ و بصیرت نہیں ہوتا اس کا نمائندہ صاحب علم و فضل ہوتا ہے جیسا کہ حضرت آدم کے تعین خلافت میں علم کو معیار قرار دیا گیا۔

قوم پرستی اور ملت کا تصور

اسلامی تعلیمات کی رو سے اجتماعیت کی بنیاد اسلام ہے اور اسلام ہی وہ مقناطیسی قوت ہے جو افراد کو جڑے رکھنے پر قدرت رکھتا ہے اگرچہ افراد کا تعلق مختلف علاقوں سے ہی کیوں نہ ہو وہ سب افراد ایک قوم اور امت کی چھتری نیچے آجاتی ہے یوں دیکھا جائے تو قومیت کی بنیاد اسلامی نظریہ ہے۔ مختلف علاقوں اور ملکوں میں بسنے والی قومیں حکومت کی بنیاد پر الگ الگ ملت نہیں بن جائیں گی بلکہ وہ سب ایک ہی امت کے افراد ہیں۔ لیکن فکری و اخلاقی تحدیات نے ان مفاہیم کو یکسر تبدیل کرتے ہوئے افراد کو مختلف علاقوں کے ساتھ خاص کر دیا ہے اب ایک علاقے کے افراد اپنے آپ دیگر افراد ممتاز سمجھتے ہیں اور یہی مغرب کا نظریہ قومیت ہے جس کی بنیاد وطنیت اور وطنیت کی بنیاد علاقائیت، لسانیت اور رنگ و نسل کا اشتراک ہے۔ جب ہم برصغیر کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہندو اسی مفہوم کے ضمن میں تحریک میں جان ڈالنے کو سعی کرتے نظر آتے ہیں:

"تقسیم سے پہلے ہندوؤں کا موقف یہی تھا کہ ہم ہندو، مسلمان، پارسی۔۔۔ سب بحیثیت ہندوستانی ایک قوم ہیں، انگریز سے آزادی چاہتے ہیں لہذا ہمیں مل کر آزادی کی جدوجہد کرنی چاہیے لیکن علامہ اقبال اور قائد اعظم نے کہا نہیں! ہم اشتراک وطن کی بناء پر ایک قوم نہیں ہو سکتے بلکہ ہم مسلمان ہونے کی بناء پر الگ قوم ہیں۔"¹

وہ قومیت جس کی بنیاد رنگ، نسل، زبان یا وطن پر ہو۔ کیونکہ یہ حد بندیاں ایک وسیع انسانی برادری قائم کرنے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ ان کی قومیت کے اجزائے ترکیبی وحدت مذہب، وحدت تمدن و تاریخ ماضی اور پر امید مستقبل ہیں۔ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے اسلام اسی ملت کی اساس ہے۔ اور اسلام کا سب سے بڑا اور بنیادی اصول توحید خدا علی وحدت کا ضامن ہے۔ اس کا دوسرا رکن رسالت ہے۔ اور یہی دونوں اساس ملت ہیں۔ نہ کہ وطن جو جنگ اور ملک گیری کی ہوس پیدا کرتا ہے۔ قدیم زمانہ میں دین قومی تھا۔ جیسے مصریوں، یونانیوں اور ہندیوں کا۔ بعد میں نسلی قرار پایا جیسے یہودیوں کا۔ مسیحیت نے یہ تعلیم دی کہ دین انفرادی اور پرائیویٹ ہے۔ جس سے انسانوں کی اجتماعی زندگی کی ضامن سیٹھ ہے۔ یہ

¹ محمد امین، اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش، (لاہور: دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی) ص: 152

اسلام ہی تھا جس نے بنی نوع انسان کو سب سے پہلے یہ پیغام دیا کہ دین نہ قومی ہے نہ نسلی ہے، نہ انفرادی اور نہ پرائیویٹ، بلکہ خالصتاً انسانی ہے اور اس کا مقصد باوجود فطری امتیازات کے عالم بشریت کو متحد اور منظم کرنا ہے مگر بد قسمتی سے یہ وحدت قائم نہ رہ سکی اور مسلمان مختلف فرقوں، گروہوں اور جماعتوں میں بٹتے چلے گئے۔

منفعت ایک ہے اسی قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک¹

جمہوریت کے برعکس آمریت و شخصی رجحان

جمہوریت کو سادہ الفاظ میں عوامی حکومت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جمہوری معاشرے میں اس بات کا دعویٰ کیا جاتا ہے اقتدار کی اصل مالک عوام ہے۔ جمہوریت کا خالق تو اگرچہ مغرب ہے لیکن جب یہ نظریہ اسلامی ممالک میں داخل ہوا تو جمہوریت کا ایک نیا ایڈیشن بھی سامنے آیا جسے اصطلاحی معنوں میں اسلامی جمہوریت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اس وقت دنیا کے بیشتر اسلامی ممالک میں یہی رائج ہے۔ ڈاکٹر محمد امین مغربی نظام جمہوریت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"مغرب میں فرد چونکہ مختار کل اور قادر مطلق ہے اور جو چاہے کر سکتا ہے اور جیسے چاہے زندگی بسر کر سکتا ہے، لہذا ایک مغربی نیشن سٹیٹ میں افراد مل کر عوام بنتے ہیں یا افراد اپنے نمائندوں کو ریاست کی پارلیمنٹ میں بھجواتے ہیں تو یہ عوام اور عوامی نمائندے بھی فرد کی طرح معصوم عن الخطاء، مختار کل اور قادر مطلق ہوتے ہیں۔ یہی جمہوریت ہے۔"²

پاکستان میں جمہوری نظام کو چار بنیادی اور اصولی نکات کی بنیاد پر اسلام سے متصادم قرار دیا جاتا ہے۔ ان بنیادی نکات میں پہلا نکتہ یہ ہے کہ مغرب کے جمہوری نظام میں عوامی حاکمیت کو تسلیم کیا جاتا ہے جبکہ خالص اسلامی نظام میں حاکمیت کا اختیار فقط اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔

¹ علامہ اقبال، بانگ درا، ص: 50

² محمد امین، اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش، (لاہور: دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی) ص: 152

"سیاسی روایت میں انسان ہمیشہ اللہ کے عہد رہتے ہیں خواہ وہ ایک عام فرد ہو یا کسی ریاست کا سربراہ۔ گویا ریاست اور اس کا سارا نظام اللہ کے قانون یعنی اسلام کے ماتحت ہوتا ہے اور مسلمان مل کر باہم مشاورت سے ملک کا نظام چلاتے ہیں" ¹

مغربی طرز جمہوریت میں عوام کی حاکمیت سے مراد یہ ہے کہ جس بھی قانون کو عوام کی اکثریت کی تائید حاصل ہو جائے گی وہ اس ملک کا قانون قرار دیا جائے گا چاہے وہ تاریخی، معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی روایت اور تعلیمات سے کتنا ہی متصادم کیوں نہ ہو، جبکہ اسلامی نظام میں ایسا کوئی بھی اختیار نہ کسی فرد کو اور نہ کسی جماعت کو حاصل ہے کہ وہ اپنے انفرادی یا اجتماعی فیصلے سے اللہ کے اٹل قوانین کو تبدیل کر دے۔

جمہوریت اور اسلام میں دوسرا بنیادی فرق یہ ہے کہ ہمارے جمہوری نظام میں مخصوص افراد کے لیے استثنائے قانون موجود ہے جب کہ اسلام میں ایسی کسی استثنائی صورت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام میں قانون کی عملداری کا اندازہ نبی اکرمؐ کے اس فرمان عالی شان سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا۔ اسلام کا نظام عدل و انصاف اور احتساب تو اتنا واضح ہے کہ لاکھوں مربع میل پر حکومت کرنے والے وقت کے خلیفہ سے بھرے مجمع میں محض چند درہم کی چادر کا سوال کیا جا رہا ہے اور سوال کرنے والا کوئی جج، قاضی یا تفتیشی افسر نہیں ہے بلکہ خلیفہ کی رعیت ہی کا ایک عام فرد ہے لیکن خلیفہ وقت بغیر کسی غصے اور غضب کے نہایت اطمینان سے اپنی صفائی بیان کر رہا ہے۔

اسلام اور جمہوریت کو باہم متضاد بنانے والا تیسرا نکتہ یہ ہے کہ ہمارے جمہوری نظام میں صدر ریاست کو یہ خصوصی اختیار حاصل ہے کہ وہ اعلیٰ عدالتوں سے سزا پانے والے مجرم کو بغیر کسی وجہ کے معاف کر سکتا ہے چاہے وہ کسی کا قاتل ہی کیوں نہ ہو جب کہ اسلام میں معافی کا اختیار فقط ورنہ کا حاصل ہے۔ آخری نکتہ یہ ہے کہ جمہوریت میں افراد کی اکثریت کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاتا ہے چنانچہ جمہوریت کے اس اصول کے تحت کوئی شخص کتنی ہی مبنی بر حقیقت بات کیوں نہ کر رہا ہو لیکن اگر اس کے پاس اکثریت نہیں ہے تو وہ اپنی تمام تر صداقت کے باوجود کامیاب نہیں ہو سکتا، جبکہ اس کے برعکس ایک دوسرا شخص جو ایک جھوٹا دعویٰ لے کر سامنے آتا ہے اور محض طاقت، دولت، عہدے اور برادری کی بنیاد پر عوام کو جبری طور پر اپنے ساتھ ملا لیتا ہے تو مروجہ جمہوری اصولوں کے تحت وہ شخص کامیاب قرار پائے گا۔

نمائندگی کا تصور

اسلامی تعلیمات کی رُو سے چونکہ بزرگی اور قیادت کا معیار تقویٰ اور صلاحیت ہے۔ لہذا اس کا تقاضہ ہے کہ مسلمانوں کے جو نمائندے ہوں وہ تقویٰ اور صلاحیت کے لحاظ سے معاشرے کے کریم لوگ ہوں اور خدا بھی ایسے لوگوں کو عزت و تکریم سے نوازتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾¹

(اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قومیں جو بنائی ہیں تاکہ تمہیں آپس میں پہچان ہو، بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔)

اسلامی نمائندوں کا اعزاز یہ ہے کہ وہ تقویٰ کی دولت سے مزین ہوتے ہیں، وہ تقویٰ اور صلاحیت کے لحاظ سے سارے مسلمانوں سے بڑھ کر ہوتے ہیں اور اقتدار کے ہر گز حریص نہ ہوتے بلکہ عوام انہیں مجبور کرتے ہیں کہ وہ ان کی ریاست کا نظام سنبھالے تاکہ معاشرے کا اجتماعی نظام عوام کے عقائد و اقدار کے مطابق چل سکے۔ مسلم معاشرے کے افراد چونکہ عبد ہوتے ہیں یعنی اللہ کی غیر مشروط اطاعت کے اصول پر کام کرتے ہیں۔ لہذا ان کے نمائندے بھی اسی اصول پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی غیر مشروط اطاعت کے اصول پر عمل کرتے ہیں۔

اس کے برعکس مغرب کا اصول نمائندگی اور نظام جمہوریت میں نمائندہ کے لئے تقویٰ اور خدا خونی کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ فرد وہاں مختار کل اور اپنا خدا خود ہوتا ہے لہذا اس کے نمائندے بھی مختار کل اور قادر مطلق ہوتے ہیں اور پارلیمنٹ میں جو قانون چاہے پاس کر سکتے ہیں، وہ چاہے تو شراب کو حلال کر سکتے ہیں، لواطت کو جائز قرار دے سکتے ہیں، نکاح کو غیر ضروری قرار دے سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے سماج میں نمائندگی کا حق بھی وہی رکھتا ہے جو معاشرے کا بد اخلاق، بد معاش اور قاتل مزاج ہو، انہی کو خوف کی وجہ سے نمائندہ چننے پر لوگ مجبور ہو جاتے ہیں۔

ووٹ کی مساوات

مغربی جمہوریت میں چونکہ فرد ہر چیز کا مالک و مختار ہے لہذا ہر فرد کا ووٹ برابر ہے چاہے فرد بد معاش ہو اور چاہے متقی و پرہیزگار ہو۔ اس کے برعکس اسلام کے سیاسی نظام میں بھی ہر فرد مشورے کا اہل اور حقدار ہے لہذا ریاست کا نظام چلانے میں اس کا مشورہ بھی ضروری ہے لیکن یہاں گدھا اور گھوڑا برابر نہیں ہے۔ عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾¹

(کہہ دو کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں، سمجھتے وہی ہیں جو عقل والے ہیں۔)

یہاں خلفائے راشدین اور ایک عام بدو کی رائے برابر نہیں ہوتے اور نہ ہی ہو سکتے ہیں اس لیے اقبال کو کہنا پڑا جمہوریت ایک طرز حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تو لا نہیں کرتے بلاشبہ گننے کے بجائے تولنے کا عمل ضروری ہے اور یہ مسلم مفکرین اور مجتہدین کا کام ہے کہ وہ مشاورت اور اہلیت کے اسلامی اصولوں کے لیے آج کے عصری تقاضوں کے مطابق طریقہ کار تجویز کرے اور مسلمان حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ اخلاص نیت سے اسے نافذ کرے۔

آئین کی حاکمیت و فوقیت

مغرب کی نیشنل اسٹیٹ تھیوری اور فرد کی حاکمیت کی تھیوری کا تقاضہ یہ ہے کہ فرد اور اس کے نمائندے اس ریاست کو چلانے کے لیے جو نظام تجویز کرے اسے وفاداری کا آخری مرکز بنایا جائے اور تقدیس کا اعلیٰ ترین مقام دیا جائے تاکہ کوئی اس کی خلاف ورزی کی جرات نہ کر سکے۔ چنانچہ مغربی جمہوریت میں ریاستی آئین کی بالادستی سے انکار بدترین جرم ہے۔ یہ بغاوت ہے، یہ ریاست کے وجود کے انکار کے مترادف ہے۔ اس کی سزا موت ہے اور اس کو نہ ماننے والا اس ریاست کا شہری نہیں رہ سکتا۔ عدالت آئین کے مطابق فیصلے کرنے کے پابند ہے، مقننہ اس کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں کر سکتی اور انتظامیہ اس کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ غرض مغرب کی سیاسی فکر کے مطابق آئین وہ اعلیٰ ترین دستاویز ہے جس کے خلاف ریاست میں پتہ بھی نہیں مل سکتا اور آئین کو ریاست میں وہ اقتدار حاصل ہے جو (نعوذ باللہ) مسلمانوں میں قرآن مجید کو بھی حاصل نہیں کیونکہ مسلمان قرآن مجید کا عزت و احترام تو واقعا بہت زیادہ کرتے ہیں لیکن اپنے ریاستی نظام میں آج کل اسے عملاً وہ حیثیت نہیں دیتے جو مغربی سیاست میں آئین کو حاصل ہے۔ مغرب کے زیر اثر مسلمان

¹ الزمر: 9

ممالک میں بھی یہی کچھ ہو رہا ہے ہر مسلم ریاست کا ایک آئین ہے اور یہ آئین مغرب ہی کی طرح مقدس سمجھا جاتا ہے 57 مسلم ممالک میں سے صرف چند ممالک کے آئین میں مسلم عوام کو حوصلہ دینے کے لیے لکھا گیا ہے یہاں اللہ کی حاکمیت ہوگی۔ قرآن و سنت ماخذ قانون ہوں گے وغیرہ وغیرہ لیکن عملاً قرآن و سنت کو وہ مقام کہیں بھی حاصل نہیں جو مغرب میں آئین کو حاصل ہے۔

معاشی اثرات

فکری و اخلاقی تحدیات نے پاکستانی معیشت پر بھی گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ پاکستان اسلامی مملکت ہونے کے ناطے اسلامی نظام معیشت کے تابع ہے۔ اسلامی نظام معیشت سے مراد کسی منظم معاشرہ میں رہنے والے افراد کی معاشی احتیاجات کی تسکین کا وہ طریقہ کار ہے جو قرآن و سنت کی ہدایت کے تابع ہو۔ ان ہدایات کے مطابق اس بات کا تعین کیا جاتا ہے کہ صرف دولت، پیدائش دولت اور تقسیم و تبادلہ دولت کا انداز کیا ہو۔ مسلم معاشرہ روحانی، سماجی، سیاسی اور ثقافتی لحاظ سے مغربی معاشرے سے یکسر مختلف ہے۔ اسلامی معیشت میں رزق کے حلال ہونے پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾¹

(اے رسولوں! ستھری چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو، بے شک میں جانتا ہوں جو تم کرتے ہو۔)

حضرت ام عبد اللہ حدیث نقل کرتے ہوئے فرماتی ہے:

أنها بعثت إلى النبي صلى الله عليه وسلم بقدر لبن عند فطره، وذلك في طول النهار وشدة الحر، فرد إليها رسولها: أنى لك هذا اللبن؟ فقالت: لبن من شاة لي، فرد إليها رسولها: أنى لك هذه الشاة؟ قالت: اشتريتها من مالي. فشرب، فلما كان من الغد أتت أم عبد الله رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله بعثت إليك بذلك اللبن مرثية لك من طول النهار وشدة الحر، فرددت إلي فيه الرسول، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكره².

"حضرت ام عبد اللہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں افطاری کے وقت دودھ کا ایک پیالہ بھیجا، اس دن آپ ﷺ روزے سے تھے، سخت گرمی کا موسم اور طویل دن تھا، آپ ﷺ نے دودھ قاصد کو دیکر واپس بھیج دیا، کہ یہ پوچھ کر آؤ کہ یہ دودھ تمہیں کہاں سے آیا ہے؟ حضرت ام عبد اللہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ یہ دودھ میری بکری سے حاصل ہوا ہے، قاصد نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بتایا، تو آپ ﷺ

¹ المومنون: 51

² ابوداؤد، السنن، الاضاحی والزبائح والاطعمة والاشربة والعقبة والرفق بالحيوان، حدیث رقم: 1866

نے قاصد کو دوبارہ واپس بھیجا کہ یہ معلوم کرو کہ وہ بکری تجھے کہاں سے ملی ہے؟ حضرت ام عبد اللہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ وہ بکری میں نے خریدی ہے تب آپ ﷺ نے وہ دودھ پی لیا۔ دوسرے دن حضرت ام عبد اللہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں نے سخت گرمی اور لمبے دن کی وجہ سے آپ کی خدمت میں دودھ بھیجا تھا مگر آپ ﷺ نے واپس کر دیا۔۔۔؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رسولوں (علیہم السلام) کو یہی حکم ہے کہ سوائے پاکیزہ چیز کے کچھ نہ کھاؤ اور سوائے نیک عمل کے کچھ نہ کرو۔

مذکورہ بالا آیت اور حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رزق حلال و طیب کھانے سے نیکیوں اور عمل صالح کی توفیق ملتی ہے، گویا کہ رزق حرام سے بچنے والے انسان کیلئے نیک اعمال کرنے آسان ہو جاتے ہیں، رزق حلال سے تقویٰ و طہارت کا حصول ہوتا ہے۔ لیکن مغربی نظام معیشت کا ان باریک مسائل سے دور دور کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ حلال و حرام اور جائز و ناجائز میں تفریق کئے بغیر اکتساب مال ان کا ہدف ہوتا ہے۔

مغربی معیشت کی بنیاد اخلاقی اقدار پر نہیں ہے بلکہ خود غرضی پر مبنی ہے جب کہ اس کے مقابلے میں مسلمان قربانی کا جذبہ رکھتے ہیں، محبت و اخوت اسلامی تعلیمات کا ایک اہم جزو ہے جس کی مغربی معاشیات میں کوئی جگہ نہیں اسی طرح مغربی معاشرے میں موجود بہت سی اقدار بھی مسلم معاشرے کی اقدار سے مختلف ہیں۔ اسی لئے مغربی معاشی تجزیوں کا اطلاق مسلم معاشروں پر نہیں ہوتا مثلاً اسلامی تعلیمات میں سود حرام ہے جب کہ مغربی معاشیات کا پورا ڈھانچہ سود پر کھڑا ہے۔ جس کو قرآن نے اللہ اور اس کے نبی سے جنگ کے مترادف قرار دیا ہے:

﴿فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَ رَسُولِهِوَ إِنْ تُبْتِغُوا فَلَئِنْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَآتُومُونَ وَلَا تَظْلُمُونَ﴾¹

(پھر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ گاں اگر تو بہ کر لو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔)

الغرض پاکستانی سماج میں مغربی تہذیب کے اثر سے اس نتیجے فعل کو جائز سمجھ کر انجام دیا جاتا ہے۔ یہاں پر ایک صارف کا پورا زور زیادہ سے زیادہ تسکین کے حصول اور آجر کے لئے منافع کے حصول پر ہے حالانکہ ایک مسلمان کے نزدیک آخرت کا تصور اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول اور اللہ کی راہ میں قربانی دینا اس کی زندگی کا محور ہے، جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن یہ بات مغربی معیشت دان کے لئے ناقابل فہم ہے۔

فکری و اخلاقی تحدیات کی اثرات میں سے ایک اثر پاکستانی سماج میں ارتکاز دولت کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔ جو کہ قرآنی تعلیمات کے برخلاف ہے۔ اسلام اجتماع و ارتکاز دولت کا مخالف ہے۔ سرمائے کو گردش میں لانے کا متقاضی ہے لیکن وہ سرمائے کی فطری گردش کے حق میں ہے، سرمائے کی مصنوعی گردش جو سرمایہ دارانہ نظام کا خاصہ ہے، اسلام کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔ اس نے اصولاً یہ بات طے کر دی :

﴿كَفَى لَا يَكُونُ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ﴾¹

(تاکہ دولت تم میں سے سرمایہ داروں کے مابین ہی الٹ پھیر میں نہ رہ جائے۔)

جیسے ایک کروڑ پتی کی بیٹی ایک دوسرے کروڑ پتی کے بیٹے سے بیاہی گئی، لاکھوں کا جہیز اس گھر میں جمع ہو گیا جہاں کروڑوں روپے پہلے سے موجود ہیں۔ سرمایہ تو گردش میں آیا مگر مصنوعی انداز میں اور معاشرے کو اس سے قطعاً کوئی فائدہ نہیں پہنچا اور یہ سرمایہ نچلے طبقات تک منتقل نہیں ہو سکا۔ اسی طرح ایک سرمایہ دار کے بیٹے کی سالگرہ پر لاکھوں روپے کے تحائف جمع ہو گئے۔ سرمایہ کی گردش کا عمل یہاں بھی وقوع پذیر ہوا لیکن (بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ) اسلام کی منشا یہ ہے کہ معاشرے میں جو بھی ذرائع پیداوار پر ان کی منصفانہ تقسیم ہو اور ان کا حاصل پورے معاشرے میں پھیلے۔ ننگی اور عریاں سرمایہ داریت اس دور میں نہیں چل سکتی۔ اس کا کوئی مستقبل نہیں بلکہ وہ تباہی کی طرف لے جا رہی ہے۔ اس لئے ارتکاز دولت اور سود دونوں ایسے سماجی کینسرز ہیں جن کی دنیاوی اور اخروی نقصانات ناقابل فراموش ہیں خصوصاً اخروی اثرات ناقابل بیان ہیں جیسا کہ ارشاد رب العزت ہو رہا ہے:

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُمَا سَلْفٌ وَأَمْرٌ هَآلِيٌّ لِلَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾²

(سود خور لوگ نہ کھڑے ہوں گے مگر اس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر خبطی بنا دے یہ اس لئے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی سود ہی کی طرح ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام، جو شخص اپنے پاس آئی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نصیحت سن کر رک گیا اس کے لئے وہ ہے جو گزرا اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور جو دوبارہ حرام کی طرف لوٹا وہ جہنمی ہے ایسے لوگ ہمیشہ اسی راہ میں رہیں گے۔)

¹ الحشر: 7

² البقرة: 275

ان افکار کی بدولت کافی حد تک وحرام اور جائز و ناجائز اسلامی فروعی تصورات اور معیارا تیکسر بدل گئے ہیں خصوصاً اسلام کے اقتصادی متعین کردہ اصول الحادی نظریات کے زیر اثر آچکے ہیں جس کی وجہ سے مسلم سماج نے انہیں قابل تقلید سمجھ کر خندہ پیشانی سے قبول کیا جو کہ اسلامی تعلیمات سے کھلی بغاوت ہے اس سلسلے میں مغربی الحادی نظام نے تصور حلال و حرام کی خاتمے کی غرض سے فکر اسلامی کو تبدیل کرنے پر زور دیا اور فکر اسلامی کی تبدیلی اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک حلال و حرام کے تصور کو ختم نہ کیا جائے۔ لہذا اس ہدف کے حصول کے لئے سودی نظام کو مسلم معاشرے پر مسلط کیا گیا جس نے فکر اسلامی کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ قرآن کریم نے سودی نظام کو شدت سے ٹھکرایا ہے:

﴿فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَ رَسُولِهِوَ إِنْ تَبُنُّمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلُمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾¹

(پھر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ ہاں اگر توبہ کر لو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔)

خیال رہے کہ دو گنا ہوں پر اعلان جنگ دیا گیا ہے ایک سود لینے پر جیسا کہ اس آیت میں بیان ہوا۔ اور دوسرا اللہ تعالیٰ کے ولی سے عداوت رکھنے پر، جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے، تاجدار رسالت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جو میرے کسی ولی سے عداوت رکھے تو میں نے اس سے جنگ کا اعلان کر دیا۔“² نیز شریعت مطہرہ نے نہ صرف اسے قطعی حرام قرار دیا ہے، بلکہ اسے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ قرار دینے کے ساتھ مختلف وعیدوں کو بھی ذکر کیا، جیسے کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُمَا سَلْفٌ وَأَمْرٌ هَآلِيٌّ إِلَٰهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾³

(سود خور لوگ نہ کھڑے ہوں گے مگر اس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر خبطی بنادے یہ اس لئے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی سود ہی کی طرح ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام، جو شخص اپنے پاس آئی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نصیحت سن کر رک گیا اس کے لئے وہ ہے جو گزر اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور جو دوبارہ حرام کی طرف لوٹا وہ جہنمی ہے ایسے لوگ ہمیشہ اسی راہ میں رہیں گے۔)

¹ البقرة: 279

² بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الرقاق، باب التواضع، ج 4، ص: 248، حدیث رقم: 6502

³ البقرة: 275

آپ ﷺ نے سود کو ہلاکت خیز عمل قرار دیا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے حدیث مروی ہے:

((اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا هُنَّ قَالَ الشِّرْكَ بِاللَّهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَكْلُ الرِّبَا وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ وَالنَّوْلي يَوْمَ الرَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْعَافِلَاتِ))¹

(آپ ﷺ نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والی باتوں سے دور رہو۔ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ وہ کون سی باتیں ہیں؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور جادو کرنا اور اس جان کو ناحق مارنا جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اور سود کھانا اور یتیم کا مال کھانا اور جہاد سے فرار اور پاکدامن بھولی بھالی مومن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا)

ان سب آیات و روایات کا لب لباب یہ ہے کہ سود ہلاک کرنے والا عمل ہے دنیا میں اس کے اثرات یہ ہے کہ اس سے مال نہیں بڑھتا بلکہ گھٹتا ہے اس مال سے برکت کبھی نہیں آتی بلکہ بہت سے بیماریوں کا پیش خیمہ ہونے کے ساتھ گھر سے برکت اٹھ جاتی ہے جبکہ سود کھانے والا کل روز آخرت میں اس حالت میں اٹھے گا کہ جسے کسی نے خطی بنا دیا ہو وہ حیران اور مدہوش ہو گا اور اسے کچھ سمجھ نہیں آئے گا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

ان فکری تحدیات کی وجہ سے پاکستانی معاشرے میں کسب حلال کا تصور ہی ختم ہو چکا ہے یعنی وہ ذرائع جن کو شریعت نے اکتساب کے لئے جائز قرار دیا ہے انہیں مکمل نظر انداز کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے مال پر دن دھاڑے ڈاکہ ڈالا جاتا ہے لوگوں کی زمینوں پر اعلانیہ قبضے کئے جاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا انسان جو اپنے خالق و مالک کی اطاعت کرتا ہے وہ ہمیشہ حلال ذرائع سے اپنی روزی کماتا ہے، کھانے میں پاکیزہ چیزیں استعمال کرتا ہے، دوسروں کے حقوق کی ادائیگی اور اپنی عزت کی حفاظت کرتا ہے۔

اخلاقی تحدیات کے پاکستانی معاشرے پر اجتماعی اثرات

پاکستانی معاشرے پر اخلاقی تحدیات کی کثیر الجہت اثرات مرتب ہوئے ہیں چونکہ ان پر انفرادی اثرات کی بدولت اجتماعی رویوں میں بھی تحول پیدا ہو چکا ہے فرد اجتماع کی اکائی ہے۔ یوں انفرادی رویے ایک دوسرے سے مدغم ہو کر اجتماعی سوچ کو تشکیل دیتے ہیں۔ اخلاقی تحدیات سب سے پہلے فرد کو متاثر کر دیتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ اجتماعی سوچ کو خاص نہج پر ڈال دیتے ہیں جس سے رویوں میں اشتعال اور ارتعاش پیدا ہونے لگتا ہے۔ اجتماعی اثرات کو ذیل میں تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے تاکہ قاری کو تغیر کی کیفیت کا اندازہ ہو سکے۔

¹ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الوصایا، باب: قول اللہ تعالیٰ ان الذین یاکلون الاموال الیتامی، حدیث رقم: 2766

مادیت پرستی

اللہ تعالیٰ نے کائنات اور اس کی تمام چیزیں انسانوں کی سہولت اور ضروریات کے لئے بنائی ہیں مگر انسان اپنے مالک و خالق کو بھول کر وہ تمام کام کرتے ہیں جو ایک طرف اللہ تعالیٰ کے احکامات کے خلاف ہیں اور دوسرا خود اس کے اور انسانیت کے مخالف ہیں۔ قرآن مجید مادہ پرستوں کے خیالات اور نظریات کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

﴿وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ﴾¹

(اور بولے وہ تو نہیں مگر یہی ہماری دنیا کی زندگی مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر زمانہ اور انہیں اس کا علم نہیں وہ تو زبرے گمان دوڑاتے ہیں)

مادہ پرست انسان صرف مادی ترقی، مال و زر اور اسباب کی کثرت کو زندگی کی معراج تصور کرتا ہے بھلے وہ خدائی ضابطوں، انسانی رشتوں اور اخلاقی قدروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ انسان کا زندگی میں توازن، اعتدال اور ہم آہنگی قائم رکھنا دشوار ہو گیا ہے۔ قرآن دنیاوی زندگی کو دھوکے کے سامان سے تعبیر کرتا ہے:

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾²

(اور دنیا کی زندگی سوائے دھوکے کی پونجی کے اور کچھ نہیں۔)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ زِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ﴾³

(اے لوگو! اچھی طرح جان لو کہ دنیا کہ زندگی صرف کھیل تماشائیت اور آپس میں فخر و غرور اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے اپنے آپ کو زیادہ بتلانا ہے۔)

قرآنی تعلیمات کو پڑھنے اور سمجھنے کے باوجود بھی آج انسان دنیا اور متاع دنیا کو اپنے زندگی کا مقصد و محور بنائے ہوئے ہے اسی کے حصول میں ہمہ وقت سرگرم اور حلال و حرام کی تمیز کئے بغیر دنیا کمانے کے لئے تگ و دو اور محنت و مشقت کر رہا ہے دن رات اسی دنیا کے پیچھے بھاگ رہا ہے اور جائیداد و پر اپرٹی نیز بینک بیلنس کرنے کے لئے آخرت کو فراموش

¹ الجاثیہ: 24

² آل عمران: 185

³ الحدید: 20

کر کے اسی دنیا کو اپنا سب کچھ سمجھ بیٹھا ہے، جب کہ یہ دنیا اور اس کی تمام آسائشیں عارضی اور غیر مستقل اور محض چند دنوں کے لئے ہیں اور اس کی تمام مال و متاع آخرت کے مقابلے میں رب العالمین کی نگاہ میں مچھر کے پر سے بھی زیادہ حقیر و بے معنی اور کمتر ہیں، یہ دنیا تو دراصل ایک مسافر خانہ کی مانند ہے کہ جہاں ایک مسافر چند گھنٹوں کے لئے قیام کرتا ہے پھر اپنے منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے۔ اسی دنیا کی حقیقت و حیثیت کو واضح کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ، أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ)) وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ إِذَا امْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرُ الصَّبَاحَ، وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرُ الْمَسَاءَ، وَخُذْ مِنْ صَحَّتِكَ لِمَرْضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ¹

"دنیا میں اس طرح ہو جا جیسے تو مسافر یا راستہ چلنے والا ہو۔" عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے شام ہو جائے تو صبح کے منتظر نہ رہو اور صبح کے وقت شام کے منتظر نہ رہو، اپنی صحت کو مرض سے پہلے غنیمت جانو اور زندگی کو موت سے پہلے۔"

مادہ پرست نظام مختلف اشکال میں آج بھی معاشرے موجود ہے۔ بلکہ ستم یہ ہے کہ خوبصورت پیراہن میں لپیٹ کر مادہ پرست نظام کی تعمیر و توسیع کا عمل جاری ہے۔ یہ امر انتہائی تکلیف دہ ہے۔ مادہ پرست تہذیب کا دائرہ اپنی ذات، اپنی خواہش، اپنے مفادات تکے گرد گھومتا ہے۔ یہ نظام معاشرے میں طبقاتی تقسیم پیدا کرتا ہے جاگیردار، زمیندار، سرمایہ دار، مڈل کلاس، امیر غریب، طبقات کے درمیان خلیج بڑھتی ہے۔ معاشرے میں اضطراب، انتشار اور مختلف امراض پروان چڑھتے ہیں۔

اگر انسان یہ سمجھتا ہے کہ مال و زر کی کثرت ہی اسے معاشرے میں باوقار بنائے گی اور وہ اس سے راحت و اطمینان کو خرید سکتا ہے تو اس خیال اور وہم کو اپنے دل و دماغ سے نکال دے، کیونکہ انسان مادیت میں غرق ہو کر نہیں بلکہ اپنے اخلاق و اقدار کو سنوار کر اور حقوق العباد ادا کر کے ہی امن و سکون اور راحت و آرام حاصل کر سکتا ہے۔

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾²

(ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے) جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں، سن لو! اللہ کی یاد ہی سے دل چین پاتے ہیں۔)

¹ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الرقاق، باب: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ، أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ، حدیث رقم: 6416

² الرعد: 28

مادہ پرست انسان دنیاوی متاع کو سکون کا ذریعہ سمجھتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سکون ذکر الہی کے بغیر ممکن نہیں۔ مادہ پرست جس کو اپنی زندگی کے لئے باکمال سمجھتا ہے اس سے بہتر اللہ کے پاس ساز و سامان اور ٹھکانہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿رُزِقَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثُ ذَلِكَ مَتَاعُ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَالِ﴾¹

(لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت عورتیں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان کیے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ جیتی دنیا کی پونجی ہے اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا)

چنانچہ یہ چیزیں ایسی مرغوب ہوئیں کہ لوگ تو بالکل ہی آخرت سے غافل ہو گئے اور کفر میں جا پڑے جبکہ دوسرے لوگ بھی انہی چیزوں کی محبتوں کے اسیر ہو گئے حالانکہ یہ تو دنیاوی زندگی گزارنے کا سامان ہے کہ اس سے کچھ عرصہ نفع پہنچتا ہے پھر یہ سامان دنیا فنا ہو جاتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ دنیا کے سامان کو ایسے کام میں خرچ کرے جس میں اس کی عاقبت کی درستی اور آخرت کی سعادت ہو۔ یہ تمام چیزیں اگر دنیا کے لئے رکھی جائیں تو دنیا ہیں اور اگر اطاعت الہی میں مدد و معاونت کے لئے رکھی جائیں تو دین بن جاتی ہیں جیسے بیوی، اولاد، مال، سواری، زمین وغیرہ تمام چیزیں اگر اپنے دین کی حفاظت اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں معاونت کیلئے ہوں تو یہی چیزیں قرب الہی کا ذریعہ ہیں۔

اب ان خیالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے پاکستان کا نظام تعلیم اور بدلتی معاشرتی اقدار پر توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ آج کے تعلیمی نظام نے اخلاقیات سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے، جس کی وجہ سے ہمارے دلوں میں احساس، مروت، انسانیت، اخلاق، تحمل مزاجی، اپنائیت اور برداشت نام کی ہر چیز ختم ہو گئی ہے۔ تعلیمی اداروں نے مفادات اور نمبرز کی جنگ مسلط کر دی ہے اور اس جنگ نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

مادہ پرست تہذیب کے منفی اثرات نے ہمارے تعلیمی ادارے، معاشی نظام، خاندانی نظام، ہمارے گھروں کو متاثر کیا ہے۔ اعلیٰ اسٹیٹس کے خبط، اور بلند معیار زندگی کے حصول کی دوڑ نے حیا، اقدار و روایات کو فراموش کر دیا ہے۔ ہر چیز کا ضیاع عام، آسان ہو گیا ہے۔ موبائل، انٹرنیٹ پر وقت کا ضیاع، کھانا زیادہ پکانا، گھر، محفل، میس کھانے کا ضیاع، شاپنگ، کپڑے، پردے۔ گھر کا سامان جلد، بار بار تبدیل کرنا، پرانا بیکار، چیزیں اہم، انسان بے توقیر، انسانوں کی تحقیر کرنا آسان، مادہ پرستی انسان کو محدود سوچ کے دائرے میں مقید کر کے صرف اپنی خواہشات کی تسکین، راحت رسانی، نفس کا

غلام بنادیتی ہے۔ معاشرے میں مادیت پرست تہذیب و تمدن کے فروغ کے خطرناک اثرات، نقصانات ظاہر ہو رہے ہیں۔ اس موذی تہذیب سے نجات کے لئے ضروری ہے کہ اخوت، مساوات، اعتدال، رواداری پر مبنی اسلامی تہذیب، طرز زندگی کو اپنایا جائے۔

صلہ رحمی سے چشم پوشی

اخلاقی تحدیات کے اثرات کا ایک اہم مظہر پاکستانی مسلم سماج کا صلہ رحمی سے چشم پوشی کرنا ہے۔ صلہ رحمی سے مراد یہ ہے کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنا، ایک دوسرے کی دکھ، درد، خوشی اور غمی میں شریک ہونا، ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا۔ صلہ رحمی کے لئے ضروری نہیں کہ انسان مالی مدد ہی کرے بلکہ جس بھی طریقے سے¹ انسان رشتہ داروں کے کام آسکتا ہے جیسے ان کے ساتھ حسن و سلوک سے پیش آنا، مشورہ دینا، کسی مشکل سے نکلنے کے لئے سہولت فراہم کرنا، یعنی ہر وہ طریقہ جس سے رشتے کو اچھے سے نبھایا جائے، ایک دوسرے کا خیال رکھا جائے، ایک دوسرے کے حقوق ادا کئے جائیں۔

آج ہمارا معاشرہ مادی تصورات کی بدولت اس اہم فریضے سے سبکدوش ہو چکا ہے خونی رشتوں کے معیارات بدلنے کے ساتھ مادی تعلقات غالب نظر آتے ہیں مادی تعلقات کے تناظر میں اپنوں کو دتکارا جاتا ہے جبکہ اجنبیوں سے تعلقات جوڑے جارہے ہیں۔

نفسا نفسی کے عالم میں ہر شخص اپنی ذات میں ڈوب چکا ہے اس کی زندگی صرف اپنے بچوں کے گرد گھومتی ہے اسے اس بات کا احساس نہیں کہ فلاں رشتہ دار کئی دنوں کا بھوکا اور پیاسا ہے مگر اسے اپنے بچوں کی پُر تعیش زندگی اور ان کے بناو سنگار سے فرست نہیں۔ ان رویوں کی وجہ سے ہمارے دلوں میں احساس، مروت، انسانیت، اخلاق، تحمل مزاجی، اپنائیت اور برداشت نام کی ہر چیز ختم ہو گئی ہے۔ قرآن میں قطع رحمی کرنے والوں اور رشتہ داری کے پیوند کو توڑنے والوں کے لئے سخت احکامات صادر کئے گئے ہیں:

﴿وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ﴾²

(اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں جس کے ملانے کو اللہ نے فرمایا ہے اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب کا خوف رکھتے ہیں۔)

قرآن کی بعض آیات قطع رحمی کرنے والے پر لعنت کی وعید سناتی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿فهل عسيتم ان توليتم ان تفسدوا في الارض وتقطعوا ارحامكم اولئك الذين لعنهم الله﴾¹

(پس اسکے سوا تم سے کیا امید کی جاسکتی ہے کہ اگر اقتدار تمہارے ہاتھ آجائے تو زمین میں فساد برپا کر دو اور قطع رحمی کرو۔ ایسے ہی لوگ خدا کی لعنت کے سزاوار ہیں۔)

اسلام نے جو رشتہ داری کی اس قدر حفاظت و نگہداری کی تاکید کی ہے اس کی وجہ یہ ہے ایک عظیم معاشرے کا استحکام ترقی، تکامل اور اسے عظیم تر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ کام چھوٹی اکائیوں سے شروع کیا جائے یہ عظمت اقتصادی اور فوجی لحاظ سے درکار ہو یا روحانی و اخلاق لحاظ سے، جب چھوٹی سے چھوٹی اکائیوں میں پیش رفت اور خود بخود اصلاح پزیر ہو جائیگا۔ ان کے علاوہ بھی احادیث کریمہ میں صلہ رحمی کے بہت سے فوائد بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ سے مروی حدیث کے مطابق صلہ رحمی سے عمر اور رزق میں اضافہ ہوتا ہے:

عن انس بن مالك أنّ رسول الله ﷺ قال: ((مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَبْسُطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَيَنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ))²

"انس بن مالک روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسے یہ بات پسند ہے کہ اس کا رزق فراخ اور عمر دراز ہو تو اسے صلہ رحمی کرنی چاہئے۔"

اسی طرح ایک اور حدیث کے مطابق صلہ رحمی جنت میں داخلے کا ضامن ہے۔

عن أبي أيوب الأنصاري أن رجلاً قال يا رسول الله ﷺ! أخبرني بعمل يدخلني الجنة؟ فقال رسول الله ﷺ: ((تَعْبُدُ اللَّهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتَقِمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ))³

"حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور صلہ رحمی کرو۔"

آج ہم اپنے ماحول اور معاشرے اور پھر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں جس انتشار کا مشاہدہ کرتے ہیں، اور جس خود غرضی اور نفسانفسی کا ہمارا معاشرہ شکار ہے، جس میں عفو و درگزر، ایثار و قربانی، جو کہ خیر امت کا شیوہ اور شعار رہے ہیں، یہ صفات حمیدہ اس امت میں (الامن رحم اللہ) آج ندرت کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔

¹ محمد: 23

² بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب: بَابُ مَنْ يُبْسَطُ لَهُ فِي الرِّزْقِ بِصَلَةِ الرَّحِمِ، حدیث رقم: 5986

³ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب: فَضْلُ الصَّلَاةِ الرَّحِمِ، حدیث رقم: 5983

عبادات، علم و تعلیم اپنی جگہ، مگر ہمارے اندر باہمی رشتوں کے توڑنے کے برے اثرات سرایت کر چکے ہیں۔ ہمیں اپنی زندگی کے اس پہلو پر غور کرتے ہوئے قرآن حکیم کے بیان میں بھی تامل کرنا چاہئے۔ قرآن حکیم میں جہاں رشتوں کے جوڑنے کے وصف حمید کا ذکر کیا گیا ہے وہاں اس نے ہمارے اس معاملاتی پہلو کو اس امر سے جوڑ رکھا ہے کہ ہمارا رشتوں کو جوڑنا اللہ کی خشیت اور آخرت کے خوف سے ہو۔

یہی وہ ایمانی اور قرآنی ہدایت ہے جس کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمیں رشتوں کو جوڑنا چاہئے۔ یہ ایمان و یقین ہو کہ ہم جب رشتوں کو جوڑیں گے تو ہم اللہ تعالیٰ کے حق کو بھی ادا کریں گے کیونکہ وہی تو ہمارے لئے اس حکم کے شارع ہیں، اور اسکے ساتھ ساتھ ہم انسانوں کے حقوق کو بھی ادا کریں گے کہ ان

دروغ گوئی اور دھوکہ دہی

اخلاقی تحدیات کے سماج پر اثرات کا ایک اور اہم مظہر دروغ گوئی اور دھوکہ دہی ہے۔ ہمارے معاشرے میں دھوکہ دہی کا چلن عام ہے اور لوگ مختلف معاملات میں ایک دوسرے کو دھوکہ دینے اور بے وقوف بنانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے بلکہ اس پر خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ مغرب کی تقلید کرتے ہوئے اپریل فول جیسے مراسم اس کی جیتی اگتی مثالیں ہیں۔ لوگ اس دن ایک دوسرے کو بے وقوف بناتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں اور جب مخاطب جھوٹ کو سچ سمجھ لیتا ہے، تب یہ خوشی سے قہقہے لگاتے ہیں، کیوں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے جھوٹ بول کر مخاطب کو بے وقوف بنانے میں کامیابی حاصل کر لی ہے، انہیں اس سے بحث نہیں ہوتی کہ اس جھوٹ سے کسی دوسرے کو کتنی تکلیف پہنچی ہے اور اسے کتنا ذہنی، جسمانی یا مالی نقصان اٹھانا پڑا ہے؟ بعض اوقات اس طرح کے بے ہودہ مذاق سے انتہائی تکلیف دہ صورت حال بھی پیدا ہوئی ہے اور متعلقہ لوگوں نے برس ہا برس تک اس کا خمیازہ بھگتا ہے۔

دینی معاملات میں دھوکہ:

دینی معاملات میں بھی دھوکہ دہی کینسر کی طرح ہمارے سماج میں راسخ ہو چکی ہے۔ اخلاقی طور پر یہ سماج اس قدر تنزلی کا شکار ہے کہ دینی معاملات میں بھی دھوکہ دینے سے گریز نہیں کرتے ہم اس بات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ کئی مرتبہ فقط اپنی جیب کو بھرنے کے لیے کسی کے ایمان پر ڈاکہ ڈال دیا جاتا ہے کسی کو غلط مسئلہ بتانا یا غلط صحیح کو ملا کر بتلانا قطعاً معیوب نہیں سمجھا جاتا اللہ تعالیٰ نے ان معاملات کی کلام حمید کے مختلف مقامات پر مذمت کی ہے۔

﴿وَلَا تَسْتَرْوُا بِآيَاتِي ثَمًا قَلِيلًا وَإِيَّاي فَانْتَقُون﴾¹

(اور میری آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو اور مجھ ہی سے ڈرو۔)

سورہ بقرہ ہی میں آیات کو چھپانے والوں کے بارے میں بڑی سخت وعید سنائی گئی ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۖ
أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ﴾²

(بے شک جو لوگ ان کھلی کھلی باتوں اور ہدایت کو جسے ہم نے نازل کر دیا ہے اس کے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے ان کو لوگوں کے لیے کتاب میں بیان کر دیا، یہی لوگ ہیں کہ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔)

دینی مسائل کو چھپانا گناہ ہے خواہ اس طرح کہ ضرورت کے وقت بتائے نہ جائیں یا اس طرح کہ غلط بتائے جائیں بلکہ غلط بتانے پر تو بہت سخت وعیدیں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ سَأَلَ عَنْ عِلْمٍ عَلَّمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ أَلْجَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلْجَامٍ مِنْ نَارٍ))³

"جس سے علم دین کی کوئی ایسی بات پوچھی جائے جسے وہ جانتا ہے، پھر وہ اسے چھپائے تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی"

لیکن حق بات کو چھپانا، لوگوں کو جہالت میں رکھنا اور دھوکہ دہی سے مفادات حاصل کرنا ہمارے سماج میں معمول بن چکا ہے۔ دنیاوی مفادات کے خاطر اپنے آپ کو بدلنے کی بجائے قرآن کو بدلنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں بہت سی واقعات کے پیچھے ان لوگوں کا کردار ہے جنہوں نے قرآنی آیات کو بہت سستے داموں بیچا جس کی وجہ سے معاشرے سے برکت، حمیت اور غیرت کا خاتمہ ہو چکا۔

نکاح کے معاملات میں بھی دھوکہ:

عائلی نظام میں خاندان معاشرے کی بنیادی اکائی ہے اور نکاح اس خاندان کی تشکیل کا بنیادی ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اخلاقی تحدیات کی وجہ سے نکاح جیسی عظیم موجد میں بھی دھوکہ دہی سے کام لیا جاتا ہے۔ کئی مرتبہ لڑکے کی آمدن اور کئی

¹ البقرة: 41

² البقرة: 159

³ ترمذی، السنن، کتاب العلم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب: نأجاء فی کتمان العلم، حدیث رقم: 2649

مرتبہ لڑکی کی عمر اور تعلیم کے حوالے سے جھوٹ اور مبالغہ آمیزی سے کام لیا جاتا ہے جس کا مقصد فقط وقتی طور پر رشتے کی تکمیل ہوتا ہے جب کہ بعد ازاں اس دھوکے کے نتیجے میں کئی مرتبہ خاندانوں میں شدید قسم کا بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے کلام مبارکہ میں سیدھی بات کرنے کا حکم دیا اور جس آیت مبارکہ میں سیدھی بات کرنے کا حکم دیا وہ خطبہ نکاح کا بھی حصہ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾¹

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو تاکہ وہ تمہارے اعمال کو درست کرے اور تمہارے گناہ

معاف کر دے، اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانا سو اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔)

یعنی ایسی بات جس میں کجی اور انحراف ہو، نہ دھوکہ اور فریب۔ بلکہ سچ اور حق ہو۔ سَدِيدٌ یَعْنِي تَسْدِيدًا السَّخْم سے ہے، یعنی جس طرح تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے تاکہ ٹھیک نشانے پر لگے، اسی طرح تمہاری زبان سے نکلی ہوئی بات اور تمہارا کردار راستی پر مبنی ہو، حق و صداقت سے بال برابر انحراف نہ ہو۔

لین دین میں دھوکہ:

اخلاقی تحدیات کی وجہ سے معاملات کا میدان بھی بُری طرح متاثر ہو چکا ہے۔ اسلام کے متعین کردہ معاملات کے سارے اصول خواہشات کی بھیڑ چڑھ چکی ہیں حالانکہ معاملات کی پابندی انسان کو ایک اچھا شہری، ایک اچھا فرد بننے میں مدد فراہم کرتی ہے۔ قرآن پاک میں لین دین کے معاملات کو طے کرنے کے لئے کچھ اسلامی اصول بیان کیے گئے ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر درج ذیل میں کیا جا رہا ہے:

باہمی رضامندی

لین دین میں باہمی رضامندی پہلا اصول ہے جس کا مطلب اسلامی قوانین میں دونوں فریقین کا آزادانہ طور پر بغیر کسی خوف و ڈر کے رضامند ہونا ہے۔ کسی لین دین کے معاہدے کی توثیق کے لئے ضروری ہے کہ دونوں فریقین باہمی طور پر رضامند ہوں۔ ایسا معاہدہ جس میں جبر، دھوکہ، غلط بیانی اور دوسرے غیر قانونی عناصر شامل ہوں۔ باہمی رضامندی کو قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ قَدْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾¹

(اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضا

مندی سے کوئی تجارت ہو اور اپنی جانوں کو مت ہلاک کرو، بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔)

اس آیت میں رب العالمین نے جائز تجارت کے ذریعہ منافع خوری کو باہمی رضامندی کی شرط کے ساتھ حلال و جائز قرار دیا ہے جس کا معنی ہے کہ ہر جائز تجارت کا منافع باہمی حقیقی رضامندی سے جائز ہے سوائے اس منافع کے جسے حرام قرار دیا گیا ہو جیسے وہ منافع جو ظلم و زیادتی، نا انصافی یا حرام کام پر مبنی ہوں۔ اسی طرح ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کے مطابق حضور نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا:

((إِنَّمَا الْبَيْعُ عَنْ تَرَاضٍ))²

"بیع بیچنے والے اور خریدنے والے کی باہمی رضامندی سے منعقد ہوتی ہے۔"

یعنی باہمی رضامندی سے جو تجارت کرو وہ تمہارے لئے حلال ہے۔ باہمی رضامندی کی قید سے معلوم ہوا کہ خرید و فروخت کی وہ تمام صورتیں جن میں فریقین کی رضامندی نہ ہو درست نہیں جیسے اکثر ضبط شدہ چیزوں کی نیلامی خریدنا کہ اس میں مالک راضی نہیں ہوتا یا وہ کسی کی دکان، مکان زمین یا جائیداد پر جبری قبضہ کر لینا حرام ہے۔ یاد رہے کہ مال کا مالک بننے کے تجارت کے علاوہ اور بھی بہت سے جائز اسباب ہیں جیسے تحفے کی صورت میں، وصیت یا وراثت میں مال حاصل ہو تو یہ بھی جائز مال ہے۔ تجارت کا بطور خاص اس لئے ذکر کیا گیا کہ یہ مالک بننے کی اختیاری صورت ہے۔

اس طرح عقل سلیم بھی اس امر کی متقاضی ہے کہ اگر معاملات میں باہمی حقیقی رضامندی کی شرط عائد نہ کی جائے، تو لوگ ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقوں سے کھانا شروع کر دیں گے، ایک طاقتور شخص اگر اپنے سے کمزور کے پاس اپنی من پسند چیز دیکھے گا تو اس سے زور زبردستی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا جس سے معاشرہ میں سوائے نفرت، دشمنی، فساد اور بربادی کے کچھ باقی نہ بچے گا، لہذا اسی بنا پر شریعت اسلامیہ میں کسی کی چیز بغیر اجازت حاصل کرنا یا کسی کو اس کی چیز بیچنے پر مجبور کرنا زبردستی اپنی پسند کی قیمت پر اسے خریدنا حرام ہے۔

¹ النساء: 29

² ابن ماجہ، السنن، کتاب التجارات، باب: بَيْعِ الْخِيَارِ، حدیث رقم: 2185

قمار اور میسر کی ممانعت:

قمار اور میسر سے بچاؤ بھی اسلامی اصولوں میں ایک بہت اہمیت کا حامل اصول ہے۔ اسلام نے جو اکی تمام صورتوں کو سختی سے منع کیا ہے اسلام میں میسر اور قمار جو اکی ایسی اقسام ہیں جو مکمل طور پر ممنوع ہیں۔ مشہور ماہر معاشیات علامہ الشرباصی نے اپنی کتاب "المعجم الاقتصاد الاسلامی" میں قمار کی تعریف حسب ذیل نقل کی ہے:

"القمار: هو أن يأخذ من صاحبه شيئاً فشيئاً في اللعب، والقمار في لعب زماننا كل لعب يشترط فيه غالباً من المتغالبين شئ من المغلوب.¹

"قمار اس چیز نام ہے کہ کسی کھیل کے دوران کسی سے کوئی چیز تھوڑی تھوڑی کر کے لی جائے۔ اور ہمارے زمانے کے کھیل میں قمار یہ ہے کہ ہر ایسا کھیل کہ جس میں غالب ہونے والا مغلوب سے کسی چیز کے لینے کی شرط قرار دے۔"

مفتی محمد تقی عثمانی بھی قمار کی وضاحت میں لکھتے ہیں۔

"قمار ایک سے زائد فریقوں کے درمیان ایک ایسا معاہدہ ہے جس میں ہر فریق نے کسی غیر یقینی واقعے کی بنیاد پر اپنا کوئی مال (یا تو فوری ادائیگی کر کے یا ادائیگی کا وعدہ کر کے) اس طرح داؤ پر لگایا ہو کہ یا تو وہ مال بلا معاوضہ دوسرے فریق کے پاس چلا جائے گا، یا دوسرے فریق کا مال پہلے فریق کے پاس بلا معاوضہ آجائے گا۔"²

میسر سے مراد بغیر کوئی مشقت اور ذرائع آمدن استعمال کیے یعنی دوسروں کو حق سے محروم کرتے ہوئے دولت کو اکٹھا کرنا۔ مطلب بہت آسانی سے منافع حاصل کرنا۔ مثال کے طور پر لاٹری کا پیسہ، پانسے سے کھیلنا اور بازی یا شرط لگانا میسر کی تعریف پر پورا اترتا ہے۔ قمار وہ آمدنی، منافع یا حصول منافع پر مشتمل ہے جس کا مکمل انحصار قسمت اور موقع پر ہو۔ قرآن مجید نے ان سے بچنے کی تنبیہ فرمائی ہے جیسا کہ ہار شاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

(اے ایمان والو! بے شک شراب اور جو آ اور (عبادت کے لیے) نصب کیے گئے بُت اور (قسمت معلوم کرنے کے لیے) فال کے تیر (سب) ناپاک شیطانی کام ہیں۔ سو تم ان سے پرہیز کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔)

ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے ہر اس چیز کو میسر میں سے قرار دیا ہے جس میں قمار ہو جیسا کہ آپ المصنف میں لکھتے ہیں:

¹ الشرباصی، احمد، المعجم الاقتصاد الاسلامی (بیروت: دارالبحیل 1981) ص: 370

² محمد تقی عثمانی، اسلام اور جدید معاشی مسائل (لاہور: ادارہ اسلامیات 2008)، ج: 3، ص: 358

"عن ابن سيرين قال: كل شيء فيه قمار فهو من الميسر"¹

احکام القرآن میں جصاص نے تحریم قمار کے بارے میں اقوال کو نقل کیا ہے:

"ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار وأن المخاطرة من القمار، قال ابن عباس: إن المخاطرة قمار، وإن أهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال، والزوجة، وقد كان ذلك مباحاً إلى أن ورد تحريمه"²

"جوئے کی ممانعت میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور وہ مخاطرہ جوا ہے، ابن عباس نے کہا: مخاطرہ جوا ہے، اور زمانہ جاہلیت کے لوگ مال اور بیوی کو خطرہ میں ڈالتے تھے، اور یہ جائز تھا جب تک کہ اس کی ممانعت نہ ہو جائے۔"

قمار معاشرے میں غربت پیدا کرنے کا سبب ہے۔ قمار معاشرے کے اندر معاشی بد حالی پیدا کرتا ہے کیونکہ قمار کے ذریعے سے ہرانے والا شخص اگر غریب ہے تو وہ مزید معاشی بد حالی کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کے گھر کا چھوٹا بچہ جاتا ہے، اگر وہ متوسط یا متول طبقے سے تعلق رکھتا ہے تب بھی ہرانے کی صورت میں اس کی دولت میں زوال آ جاتا ہے۔ پھر انسانیت کی معاشی بد حالی اس کو دیگر سنگین جرائم میں مبتلا کر دیتی ہے کیونکہ جس کو جوا کی عادت پڑ جائے تو اس سے جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ناجائز تسکین پوری کرنے کے لیے چوری، ڈکیتی جیسے گھٹیا کاموں کی طرف رخ کر کے پورے معاشرے کو خراب کر دے تا ہے۔

ربا کا خاتمہ:

عصر حاضر میں اسلامی قانون کا تصور ربا اور اسلامی بینکنگ ایک بہت اہم مسئلہ ہے۔ ربا کے لغوی معنی زیادتی، بڑھوتی اور بلندی کے ہیں۔ ربا کی ممانعت قرآن و احادیث میں بہت سے جگہوں پر فرمائی گئی ہے:

﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾³

(اور اللہ نے تجارت (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے)

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

¹ ابن ابی شیبہ، المصنف، کتاب البیوع والاقضیہ، (ریاض: مکتبہ رشد) ج 4، ص: 483

² جصاص، احکام القرآن، باب تحریم المیسر، (لبنان: دار الکتب العلمیہ بیروت)، ج 1، ص: 398

³ البقرة: 275

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾¹

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم (صدقہ دل سے) ایمان رکھتے ہو۔ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے اعلان جنگ پر خبردار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لیے تمہارے اصل مال (جائز) ہیں، نہ تم خود ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔)

دھوکہ اور فریب کی ممانعت:

خیلابہ اور غش بھی اسلامی اصولوں میں فریب اور دھوکہ دہی کے معنوں میں آتے ہیں۔ قرآن اور سنت نے دھوکہ دہی اور جھوٹ سے منع کیا ہے۔ خلاصہ، غش اور تطفیف کے الفاظ قرآن مجید میں دھوکہ دہی کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ اس کو اس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ فروخت کی جانے والی چیز کی خرابی کو چھپانا۔ دھوکہ کے کاموں میں نام تول کی کمی کو (تطفیف)، ایک چیز کی قیمت بڑھانے کیلئے غلط بولی لگانا (بخش)، ایک دودھ دینے والے جانور کی پیداوار کو خریدار کے سامنے غلط بیان کرنا (تسریع) کہا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ إِذَا كَالُوا لَهُمْ أَوْزَنُوا لَهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ﴾²

”بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔ یہ لوگ جب (دوسرے) لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو (ان سے) پورا لیتے ہیں اور جب انہیں (خود) ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ اس بات کا یقین نہیں رکھتے کہ وہ (مرنے کے بعد دوبارہ) اٹھائے جائیں گے۔ ایک بڑے سخت دن کے لیے۔“

ان آیات مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ ناپ تول کرنے والے پر کتنی بڑی وعید ہے۔ حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حَزَامٍ، قَالَ ((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْعَانِ بِالْخِيَارِ، مَا لَمْ يَفْتَرِقَا، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَّا بُورِكَ فِي بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَذَبَا، وَكُتِمَا مُحَقَّقٌ بَرَكَةٌ بَيْنَهُمَا))³

”حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”بیچنے اور خریدنے والے دونوں کو جدا ہونے تک (مال کے بیچنے اور نہ بیچنے کے بارے میں) اختیار حاصل ہے، اگر سچ بولیں گے (اور) عیب و

¹ البقرة: 278

² المطففين: 5-1

³ نسائی، السنن، کتاب البیوع، باب: ۱۰۸۲، حدیث رقم: 4462

ہنر کو (صاف صاف بیان کر دیں گے تو ان کی خرید و فروخت میں برکت ہوگی، اور اگر جھوٹ بولیں گے اور عیب کو چھپائیں گے تو ان کی خرید و فروخت کی برکت جاتی رہے گی“

معادہ کی مقاصد الشریعہ سے مطابقت و موافقت:

مقاصد الشریعہ بھی اسلامی اصولوں میں بہت اہمیت کے حامل ہیں یعنی شریعہ کے کیا مقاصد ہیں؟ جن کی پیروی کرنا ہم پر فرض ہے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ شریعہ کا مقصد انسانی پانچ چیزوں کی حفاظت ہے:

”دین، نفس، نسل، عقل اور مال کی حفاظت“۔ کوئی بھی معاہدہ مندرجہ بالا مقاصد کے خلاف ہو تو وہ شریعت کی روشنی میں مسترد قرار دیا جاتا ہے۔ مقاصد الشریعہ کو اسلامی قانون میں حقوق اللہ کی طرح دیکھا جاتا ہے۔ مقاصد الشریعہ پر قرآن پاک اور احادیث میں بہت زور دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمانِ ذیشان ہے:

﴿مَنْ أَجَلَ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَآءِ يَلِ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَ ثَهُمْ رَسُولُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ بَعَدَ ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ﴾¹

”اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر (نازل کی گئی تورات میں یہ حکم) لکھ دیا (تھا) کہ جس نے کسی شخص کو بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد (پھیلانے کی سزا) کے (بغیر، ناحق) قتل کر دیا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے اسے (ناحق مرنے سے بچا کر) زندہ رکھا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو زندہ رکھا اور بے شک ان کے پاس ہمارے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے پھر (بھی) اس کے بعد ان میں سے اکثر لوگ یقیناً زمین میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔“

مزید انسانی جان کی عظمت کو یوں فرمایا گیا ہے:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾²

(اور تمہارے لیے قصاص (یعنی خون کا بدلہ لینے) میں ہی زندگی (کی ضمانت) ہے اے عقلمند لوگو! تاکہ تم (خونریزی اور بربادی سے) بچو۔)

مقاصدِ شریعہ کی مزید وضاحت یوں کی گئی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾³

(اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ۔)

¹ المائدہ: 32

² البقرہ: 179

³ النساء: 29

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، نبی اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "جو بندہ مالِ حرام حاصل کرتا ہے، اگر اُس کو صدقہ کرے تو مقبول نہیں اور خرچ کرے تو اُس کے لیے اُس میں برکت نہیں اور اپنے بعد چھوڑ کر مرے تو جہنم میں جانے کا سامان ہے۔ اللہ تعالیٰ برائی سے برائی کو نہیں مٹاتا، ہاں نیکی سے برائی کو مٹا دیتا ہے۔ بے شک خبیث کو خبیث نہیں مٹاتا۔"¹

نقصان کی ذمہ داری اور منافع کی توثیق:

اسلام میں تجارت اور لین دین کی مکمل اجازت ہے، زندگی کے ہر پہلو کے متعلق آگاہی، بہترین تجارت اور لین دین کا طریقہ ہے۔ اسلام نے ہر فرد کو واضح احکام میں بتایا کہ منافع کیسے حاصل کیا جائے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَتَنبَلُوْنَ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ﴾²

(بیشک ضرورت تمہاری آزمائش ہوگی تمہارے مال اور تمہاری جانوں میں۔)

ہر ٹرانزیکشن میں یہ اصول واضح ہونا چاہیے کہ ایک شخص اس صورت میں فائدہ اٹھانے کا حق رکھتا ہے جس میں اس کو نقصان کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ یہ اصول خرید و فروخت کے لین دین اور شراکت داری میں استعمال ہو رہا ہے۔ ایک کاروباری آدمی نفع تب ہی کماتا ہے جب وہ نقصان برداشت کرنے کے لیے تیار ہو۔ بالکل اسی طرح ایک مکان مالک اس گھر کا کرایہ لینے کا مستحق ہوتا ہے کیونکہ اس نے اس مکان سے متعلق نقصانات کو برداشت کرنا ہوتا ہے۔ مذکورہ خطرہ اس کو اس کرایے کا صحیح حقدار بناتا ہے جو وہ وصول کرتا ہے۔ شراکت داری میں بھی تمام جمع کیا گیا منافع اصول ذمہ داری کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔

مثالی و آئیڈیل لیڈر شپ

اخلاقی انحرافات کی وجہ سے مسلم سماج کی رہنمائی کے لئے حقیقی لیڈر کا فقدان نمایاں نظر آتا ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ کسی بھی قوم کی ترقی کا انحصار اس کی لیڈر شپ پر ہوتا ہے۔ جس کے بغیر ترقی کی اُمید ایک خواب ہی ہو سکتی ہے۔ ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے کچھ خاص خصوصیات اور صلاحیتیں رکھی ہیں۔ یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ کسی بھی میدان میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے اندر موجود خصوصیات یا صلاحیت سے آگاہ ہو۔ انسان اپنی صلاحیت سے آگاہی حاصل کر کے اپنی تمام کوششیں کر کر کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ آج ہمارے معاشرے کے لوگوں کی ناکامی کا

¹ احمد بن حنبل، المسند، مسند عبداللہ بن مسعود رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، حدیث رقم: 3672

² آل عمران: 186

نصف سبب اپنی صلاحیت کی پہچان کے بغیر ہی مختلف شعبہ ہائے زندگی میں وقت ضائع کرنا ہے۔ ہمارے ملک میں کے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں کام کرنے والوں پر ذرا غور کیا جائے تو حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ بہت سے لوگ اپنی استعداد کے مخالف شعبے میں محنت کر رہے ہیں جس کی واضح مثال ہمارے لیڈر حضرات ہیں۔ اب ایسا بھی نہیں کہ ہمارا کوئی لیڈر ہی نہیں ہے پاکستانی قوم کی بد قسمتی نام نہاد لیڈر تو رکھتی ہے مگر ہم حقیقی جامع خصوصیات کے حامل افراد کی لیڈر شپ سے محروم ہیں۔ جن افراد میں لیڈر شپ کی کوئی خصوصیت اور صفت نہیں پائی جاتی وہ لیڈر بنے ہوئے ہیں۔ جس کی وجہ سے آج قوم بھی انتشار کا شکار ہے۔ لسانی، مذہبی، قومی اور علاقائی تعصب میں گرفتار ہے۔ ظلم و ستم کی چکی میں پس رہی ہے۔ جھوٹے، فریب کار اور دھوکہ دینے والوں کے بنے ہوئے جالوں میں پھنس رہی ہے۔

حقیقی لیڈر کے فقدان کی وجہ سے قوم خیر و شر، نفع و نقصان کی پہچان سے عاری ہو چکی ہے۔ ذاتی مفادات کو اجتماعی مفادات پر ترجیح دینے والوں کو اپنا نمائندہ بنایا جاتا ہے۔ اللہ پاک نے پاکستان کو بے شمار قدرتی وسائل سے نوازا ہے۔ مگر اس کے باوجود بھی پاکستانیوں کی فی کس آمدنی بہت کم ہے۔ قیادت اگر مخلص ہو تو لیڈر شپ ملکی ترقی اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے نئی نئی راہیں اور طریقے تلاش کرتی رہتی ہے۔ مگر بد قسمتی سے پاکستان کو وہ قیادت ہی نصیب نہیں ہوتی جو اس قدر¹ قابل، ذہین اور درویش ہو کہ وہ ملک اور عوام کی قسمت سنوار سکے۔ لیڈر کا ایک اور اہم وصف یا خصوصیت بصیرت یعنی وژن ہوتا ہے۔ یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ بصیرت رکھے بغیر کسی بھی گروہ یا جماعت کا لیڈر بننا ممکن نہیں اور بصیرت کا براہ راست تعلق مثبت سوچ اور مثبت بات کے ساتھ ہوتا ہے۔ فرق صُرف اتنا ہے کہ بصیرت میں ہم اپنی مثبت سوچ اور بات کو اگلے درجے تک لے جاتے ہیں۔

لیڈر کی بصیرت نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اسی کی بدولت لوگوں کو جدوجہد کے لیے کوئی مقصد حاصل ہوتا ہے۔ ایک ایسا مقصد جس کا تعلق حال سے نہیں مستقبل سے ہوتا ہے۔ لیڈر شپ کا ایک اور وژن اپنے ساتھیوں اور کارکنوں کے ساتھ مل کر عمل میں لانا ہے۔ ہم ایک ایسے معاشرے میں جی رہے ہیں جہاں ظلم و بربریت عام ہے، جہاں فرقہ واریت کا زہر انسانیت کی رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے، جہاں انصاف طاقت کے بل بوتے پر ملتا ہے، جہاں دہشت گردی آنکھوں کے عین نیچے ہے، جہاں غریب سہمے ہوئے ہیں، جہاں نوکریاں مسلک، علاقے اور سیاسی تناظر میں ملتی ہیں، جہاں انسان وحشی درندے بنے ہوئے ہیں۔ ایسے معاشرے میں ہمارا لیڈر کیسا ہونا چاہیے۔؟ ہمیں سوچنا ہے کہ²

¹ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ذیل البقرہ: 286، ج 1، ص: 63

¹ معاشرے کے ان مایوس کن حالات میں ہم اپنی ووٹ کی طاقت سے کیسے لیڈر کو آگے لائیں گے؟ ہمیں اپنی ہی کمزوریوں کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کرنا ہے۔ ہمیں اپنی ذات، انا، خاندان، مذہب، علاقہ، زبان سیاسی وابستگی اور نظریات وغیرہ کو بالائے طاق رکھ کر فیصلہ کرنا ہے۔ ہمیں اتحاد باہمی اور احترام باہمی کو مد نظر رکھتے ہوئے مشترکہ لائحہ عمل طے کرنے کی ضرورت ہے۔ ہماری بے بسی کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ہماری بے حسی پر اغیار ہنستے ہیں کبھی ہمیں بزدل جان کر فساد پر اکساتے ہیں تو کبھی ہمیں قتل کر کے غدار شمار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی ہمارے عقائد میں دراڑیں اور شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو کبھی ان ہی عقائد کو مسلمہ جان کر اس کی دفاع کے لیے مذہبی مخالف لوگ تیار کرتے ہیں۔ یہ سب اسی طرح کر کے ہمیں آپس میں لڑائے اور الجھائے رکھتے ہیں۔ ہمیں سوچنے کی ضرورت ہے ہمیں اپنے آپ سے لوگوں سے مخلص ہونے کی ضرورت ہے۔ اجتماعی استحکام، یگانگت، یکجہتی اور ترقی کے لیے ہمیں تمام انفرادی مفادات کو قوم اور ملکی مفادات کے تحت لانے کی ضرورت ہے۔ ہمیں علاقائی، ذاتی اور نسلی تعصبات اور نفرتوں کو خیر باد کہنے کی ضرورت ہے۔ اور ہم تب ہی ایک حقیقی، باکردار، صالح، دلیر، نڈر اور سچا لیڈر منتخب کر سکیں گے جو ہماری اُمنگوں کا ترجمان ہو گا اور جو ہمارے دلوں کی آواز ہو گا۔

افراد کی قانونی عملداری سے لا تعلقی

قانون ہمیشہ انسانی معاشرے کو تحفظ کی ضمانت دیتا ہے بلکہ عالم انسانیت کی حیات و ارتقاء کا راز بھی اس میں مضمر ہے یہی وجہ ہے کہ تخلیق آدم سے لیکر آج تک کسی بھی طبقے سے تعلق رکھنے والا معاشرہ قانون کا محتاج رہا ہے تاکہ انسانی اقدار کو کسی بھی حوالے سے تحفظ فراہم کیا جاسکے۔ قانون کا بنیادی مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ زندگی کی پیچیدگیوں سے آسانی کی طرف انسان کو لایا جائے۔ قرآن ایک آفاقی قانون ہے اس کتاب میں بھی یہ تشریح کی گئی ہے کہ اس قانونی دستور کا مقصد انسان کو مشقت میں ڈالنا نہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾²

(اللہ کسی جان پر اس کی طاقت کے برابر ہی بوجھ ڈالتا ہے کسی جان نے جو اچھا کمایا وہ اسی کیلئے ہے اور کسی جان نے جو برا کمایا اس کا وبال اسی پر ہے)

آج اخلاقی بحران کی وجہ سے ہمارے سماج میں اسلامی قانون کی عمل داری ایک خواب بن چکا ہے وہ سارے عناصر جن کے تحفظ کے لئے قانون وضع کیا گیا، وہ سب عدم تحفظ کا شکار ہے۔ قانون کے وہ متعلقات جو اخلاقی تحدیات کی وجہ سے تنزیل کا شکار ہے۔

نسب

قانون نسب کا محافظ ہوتا ہے کیونکہ حفاظت نسب سے نسل حرام کا انسداد ممکن ہوتا ہے جو معاشرے میں تمام تر بُرائی کی جڑ ہے۔ حرام خون پر پلنے والی سوچ اور حرام وجود سے مترشح ہونے والی فکر سے کبھی خیر کی امید نہیں کی جاسکتی۔ آج یورپ حفاظت نسب کے فقدان کی بدولت تباہی کے دھانے پر ہے ماں، بہن کی تمیز، باپ بیٹے کا وقار مکمل طور پر مجروح ہو چکا ہے۔ والدین کو اولڈ ہائوس کے حوالے کیا جاتا ہے جہاں وہ سسک سسک کر جان دینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ آج ہمارا سماج ان اخلاقی مسائل کے زیر اثر آنے کی وجہ سے اسلامی تعلیمات سے کوسوں دور دیکھائی دیتا ہے۔ تعلیمات اسلامی کے مطابق حفاظت نسب اسلام کے بنیادی حقوق میں سے ہیں اور اسلام نے اس کی حفاظت کے لئے تمام ممکنہ ذرائع استعمال کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس سلسلے میں حفاظت نسب کے خاطر مردوزن دونوں کو نظریں جھکانے کا حکم دیا ہے۔ اور اصولوں کی خلاف ورزی کی صورت میں سخت سزا کی وعید سنائی گئی ہے۔

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ لَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ

اللَّهِ إِنَّ كُنْتُمْ تُوْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَيْسَتْ لَهُ عَذَابُهُمَا طَافَةً مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾¹

(جو عورت بدکار ہو اور جو مرد تو ان میں ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اور تمہیں ان پر ترس نہ آئے اللہ کے دین میں اگر تم ایمان لاتے ہو اللہ اور پچھلے دن پر اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ حاضر ہو)

آج اخلاقی تحدیات کی وجہ سے ان کو جرائم بھی شمار نہیں کیا جاتا بلکہ مرد اور عورت راضی ہو، یا لڑکا اور لڑکی راضی ہو تو انہیں رضا و رغبت کا نام دے کر جرم کی پردہ پوشی کی جاتی ہے۔ شراب اور فحاشی کے اڈے سرعام کھلے ہیں، اس سے احتراز کی نصیحت کرنے والا کوئی قانون ادارہ نہیں بلکہ ایسے افراد خود ان دھندوں میں ملوث دکھائی دیتے ہیں۔

¹ الطبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ذیل آیت النور: 2

عقل

وہ امور جن کی وجہ سے عقل معطل ہوتی ہو، اسلام نے انہیں حرام قرار دے کر احتراز کرنے کی ترغیب دی ہے۔ جیسے منشیات اور شراب نوشی جن کا کام عقل کو معطل کرنا ہے، سخت ممنوع قرار دیا گیا ہے اور جو شخص شراب نوشی کے جرم میں مرتکب ہو گا اس پر حد جاری کر دی جائیگی۔ آج ہمارے سماج کی حالت یہ ہے کہ شراب خوری اور منشیات کا استعمال معمول بن چکا ہے، سفید پوش علاقوں میں بڑے اسٹور پر عام طور پر شراب کی اقسام نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں۔ ان وسائل کی قدرے استعمال سے غیرت و حمیت سفید پوش لوگوں کے لئے ایک خواب بن چکا ہے کیونکہ شراب خوری اور منشیات کے استعمال سے ان کی عقل کما حقہ عمل کرنے سے قاصر ہوتی ہے جبکہ اسلام نے شراب اور دیگر نشہ دینے والی چیزوں کے استعمال کو حرام قرار دیا ہے تاکہ عقل انسانی کا تحفظ یقینی ہو سکے جیسا کہ شراب کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ﴾¹

(آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ تم فرمادو: ان دونوں میں کبیرہ گناہ ہے اور لوگوں کیلئے کچھ دنیوی منافع بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے۔ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں؟ تم فرماؤ: جو زائد بچے۔ اسی طرح اللہ تم سے آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔)

شراب سے وقتی طور پر بدن میں چستی و مستعدی اور بعض ذہنوں میں تیزی آ جاتی ہے جنسی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے لیکن یہ فائدے ان نقصانات و مفسد کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے جو انسان کی عقل اور اس کے دین کو ان سے پہنچتے ہیں۔

عزت

عزت ہر انسان کی فطری خواہش ہے اس لئے بلا تفریق مذہب و علاقیت دنیا کے ہر مہذب معاشرے میں ہتک عزت کا قانون پایا جاتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے تناظر میں دیکھا جائے تو حقیقی عزت وہ ہے جسے اللہ عنایت فرماتا ہے۔

﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾²
(عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لیے ہے مگر منافقوں کو معلوم نہیں۔)

¹ البقرة: 219

² المنافقون: 8

یہ آیت اس بات کی بین ثبوت ہے کہ عزت اللہ و رسول اور مومنین کے لئے ہیں۔ تاریخ اسلام اس بات کی شاہد ہے کہ عبد اللہ بن ابی کے بیٹے کا نام بھی عبد اللہ تھا اور یہ بڑے پکے مسلمان اور سچے عاشق رسول تھے، جنگ سے واپسی کے وقت مدینہ منورہ سے باہر تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور باپ سے کہنے لگے: اس وقت تک مدینہ میں داخل ہونے نہیں دوں گا جب تک تو اس کا اقرار نہ کرے کہ تو ذلیل ہے اور محمد مصطفیٰ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم عزیز ہیں۔ اس کو بڑا تعجب ہوا کیونکہ یہ ہمیشہ سے باپ کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنے والے تھے مگر حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے مقابلے میں باپ کی کوئی عزت و محبت دل میں نہ رہی۔ آخر اس نے مجبور ہو کر اقرار کیا کہ واللہ میں ذلیل ہوں اور محمد مصطفیٰ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم عزیز ہیں، اس کے بعد مدینہ میں داخل ہو سکا۔¹ اس سے یہ واضح ہے کہ عزت کا معیار وہ نہیں جو قبائلی نظام سے ملا ہے بلکہ اس کا معیار وہ ہے جس کو اسلام عطا کرتا ہے قرآن میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا يَحْزَنُكَ قَوْلُهُمَانِ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا- هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾²

(اور تم ان کی باتوں کا غم نہ کرو بیشک تمام عزتوں کا مالک اللہ ہے، وہی سننے والا جاننے والا ہے۔)

رسوم و روایات سے تشکیل شدہ عزت کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ اصل عزت دین اور اس کے معیارات سے جڑی ہوئی ہے۔ لیکن ہمارے سماج میں عزت وغیرت وہ نہیں جس کی وضاحت اسلام کرتا ہے بلکہ اپنے احساسات و جذبات کو ایک خاص پیکر سے نواز کر اسے گرنے سے بچانے کے لئے جان کو داؤ پر لگایا جاتا ہے۔ اگر موجودہ حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ ہر دوسرے شخص پر ہتک حرمت کا قانون لاگو ہو سکتا ہے کیونکہ مادی نظریات کی وجہ سے انسانی عزت و تکریم معدوم ہو چکی ہے، گالم گلوچ تکلیف کلام بنا ہوا ہے۔ کسی کی عزت پر وار کرنا کار خیر متصور کیا جاتا ہے۔

جان و مال

موجودہ دور میں اخلاقی تحدیات کے زیر اثر پنپنے والے رویے میں جان و مال کی حفاظت ایک بڑا مسئلہ ہے۔ انسان اللہ کا عظیم شاہکار ہے اور اللہ بزرگ و برتر نے اسے احسن تقویم سے نوازا ہے۔ انسانی جانی سے کسی اور چیز کا مقایسہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ قرآن نے اس جان کی ضیاع پر سخت وعید سنائی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

¹ علی بن برہان الدین حلبی، سیرت حلبیہ، باب ذکر مغازیہ صلی اللہ علیہ وسلم، غزوۃ بنی المصطلق، ج ۲، ص: 393

- عبد الحق محدث دہلوی، مدارج النبوة، قسم سوم، باب پنجم، ج ۲، ص: 157

² یونس: 65

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهُ وَ أَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾¹

(اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے کہ مدتوں اس میں رہے اور اللہ نے اس پر غضب کیا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لیے تیار رکھا بڑا عذاب)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ﴾²

(اس کے سبب ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس نے کسی جان کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے بدلے کے بغیر کسی شخص کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی ایک جان کو (قتل سے بچا کر) زندہ رکھا اس نے گویا تمام انسانوں کو زندہ رکھا اور بیشک ان کے پاس ہمارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ آئے پھر بیشک ان میں سے بہت سے لوگ اس کے بعد (بھی) زمین میں زیادتی کرنے والے ہیں۔)

اسلامی تعلیمات سے دُوری اور مادی خواہشات کی تکمیل کے غرض سے پاکستانی سماج میں جان کی وہ حرمت باقی نہیں رہی جو مقام اسلام نے دیا تھا۔ اب انسانی جان کی قیمت حشرات الارض سے بھی ارزان ہو چکی ہے۔ انتہائی قلیل مفاد کے خاطر عام چوراہوں، سڑکوں اور گلیوں میں انتہائی بے دردی کے ساتھ خون بہایا جا رہا ہے۔ مذہبی دہشتگردی اور سٹریٹ کرائم کی مثالیں کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اسی طرح اللہ اور آخرت پر متزلزل یقین کی وجہ سے مال غیر کو بھی انتہائی بے دردی سے لوٹا جاتا ہے جس کے ہاتھ میں جو چیز بھی آجائے اسے غنیمت سمجھ کر کھایا اور اٹھایا جاتا ہے جو سراسر اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک مومن کے جسم و جان اور عزت و آبرو کیا ہمت کا کسی سے مقایسہ نہیں ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مومن کی حرمت کو کعبے کی حرمت سے زیادہ محترم قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ : رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ، وَيَقُولُ ((مَا أَطْيَبَكَ وَأَطْيَبَ رِيحَكَ، مَا أَعْظَمَكَ وَحُرْمَتَكَ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لِحُرْمَةِ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللَّهِ حُرْمَةً مِنْكَ مَالِهِ وَدَمِهِ، وَأَنْ نَّظُنَّ بِهِ إِلَّا خَيْرًا))³

¹ النساء: 93

² المائدہ: 32

³ ابن ماجہ، السنن، کتاب الفتن، باب حرمة دم المؤمن و ماہ، 2: 1297، رقم: 3932

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خانہ کعبہ کا طواف بکرتے دیکھا اور یہ فرماتے سنا: (اے کعبہ!) تو کتنا عمدہ ہے اور تیری خوشبو کتنی پیاری ہے، تو کتنا عظیم المرتبت ہے اور تیری حرمت کتنی زیادہ ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! مومن کے جان و مال کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے زیادہ ہے اور ہمیں مومن کے بارے میں نیک گمان ہی رکھنا چاہئے۔"

اسی طرح مومن کی جان کی عظمت اس قدر زیادہ ہے کہ ہتھیار سے اشارہ کرنا بھی منع ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

((لَا يُشِيرُ أَحَدُكُمْ إِلَى أَخِيهِ بِالسَّلَاحِ، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَحَدُكُمْ لَعَلَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ فِي يَدِهِ، فَيَقْعُ فِي حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ))¹

"تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے، تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ کو ڈمگادے اور وہ (قتل ناحق کے نتیجے میں) جہنم کے گڑھے میں جا گرے۔"

یہاں استعارے کی زبان میں بات کی گئی ہے یعنی ممکن ہے کہ ہتھیار کا اشارہ کرتے ہی وہ شخص طیش میں آجائے اور غصہ میں بے قابو ہو کر اسے چلا دے۔ اس عمل کی مذمت اور قباحت بیان کرنے کے لئے اسے شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے تاکہ لوگ اسے شیطانی فعل سمجھیں اور اس سے باز رہیں۔ اسی مضمون کے ساتھ ایک اور حدیث وارد ہوئی ہے:

((مَنْ أَشَارَ إِلَى أَخِيهِ بِحَدِيدَةٍ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَلْعَنُهُ حَتَّى يَدْعَهُ، وَإِنْ كَانَ أَخَاهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ))²

"جو شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرتا ہے فرشتے اس پر اس وقت تک لعنت کرتے ہیں جب تک وہ اس اشارہ کو ترک نہیں کرتا خواہ وہ اس کا حقیقی بھائی (ہی کیوں نہ) ہو۔"

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے ہر حال میں قتل و قتل سے روکنے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ بد امنی اور خون ریزی کا سلسلہ طویل ہو جاتا ہے۔ عام طور سے دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر کوئی شخص قتل کر دیا جاتا ہے تو مقتول کے خاندان والے بھی اسی طرح کے انتقام کے لیے آمادہ دکھائی دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ قتل کا انجام تباہ کن ہوتا ہے اور

¹مسلم، الصحيح، کتاب البر والصلة والآداب، باب النهي عن إشارة بالسلاح، 4:2020، حدیث رقم: 2617

-حاکم، المستدرک علی الصحيحین، ج 3، ص: 587، حدیث رقم: 6176

²مسلم، الصحيح، کتاب البر والصلة والآداب، باب النهي عن إشارة بالسلاح، 4:2020، حدیث رقم: 2616

اسلام نہیں چاہتا کہ کوئی اس طرح کے حالات کا سامنا کرے۔ آنحضرت ﷺ کی سیرت سے بھی یہ بات واضح ہے کہ قتل و قتال ایک ممنوع عمل ہے اور اسے کبار گناہ میں سے قرار دیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ: الْإِشْرَاكُ بِاللَّهِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَغُفُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَوْلُ الزُّورِ أَوْ قَالَ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ))¹

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "سب سے بڑے گناہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، کسی کی ناحق جان لینا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹ بولنا ہیں یا فرمایا کہ جھوٹی گواہی دینا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان و مال، دین، اہل و عیال اور عزت و آبرو کی حفاظت میں مارے جانے والوں کو شہید قرار دیا ہے

((مَنْ قَتَلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قَتَلَ دُونَ أَهْلِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قَتَلَ دُونَ دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قَتَلَ دُونَ دَمِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ))²

"جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے، وہ شہید ہے، جو اپنے اہل و عیال کی حفاظت میں مارا جائے، وہ شہید جو اپنی جان کی حفاظت میں مارا جائے، وہ شہید ہے، جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے، وہ شہید ہے۔"

اسلام نے جان کی طرح مال کو بھی پورا پورا تحفظ دیا ہے کیونکہ یہ مال اس کا حق ہے، اور اسلام انسانی حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ چنانچہ جو شخص اس کے مال پر کسی قسم کی زیادتی کرتا ہے اور اس کو چھینتا ہے خواہ چوری، ڈاکے یا کسی اور ذریعہ سے، تو اس کے لیے دنیوی اور اخروی دونوں سزائیں رکھی گئی ہیں۔ ایسے مسلمان کے مال کو دوسروں پر حرام قرار دینے کے لیے آپ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں لوگوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا تھا:

((إِنْ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالُكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بِلَادِكُمْ هَذَا، أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمِي مَوْضُوعٌ، وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ وَإِنْ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ، كَانَ مُسْتَرَضِعًا فِي بَنِي سَعْدِ فَقَتَلَهُ هَازِلٌ، وَرَبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ))³

"تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر اسی طرح ہے جس طرح تمہارے آج کے دن کی، رواں مہینے کی اور موجودہ شہر کی حرمت ہے۔ سن لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روند دی گئی۔ جاہلیت کے خون بھی ختم

¹بخاری، الصحيح، کتاب الدیات، باب: قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: وَمَنْ أَحْيَاهَا، حدیث رقم: 6871

²نسائی، السنن، کتاب تحریم الدم، باب: مَنْ قَاتَلَ دُونَ دِينِهِ، حدیث رقم: 4100

³بخاری، الجامع الصحيح، کتاب الدیات، باب: قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: وَمَنْ أَحْيَاهَا، حدیث رقم: 6871

کر دیئے گئے اور ہمارے خون میں سب سے پہلا خون جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے۔"

آج سماجی اور اخلاقی مسائل کی وجہ سے خون سفید ہو چکا ہے، حلال و حرام کی تمیز ختم ہونے کے ساتھ ایک دوسرے کا مال کار خیر سمجھ کر کھایا جاتا ہے صلہ رحمی کا خاتمہ، آپس میں پیار و محبت کی جگہ منافرت اور بغض و کینہ و عداوت سماج میں سرایت کر چکا ہے۔ یہ اسلامی تعلیمات سے دوری کا نتیجہ ہے لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ تجدید عہد کے ساتھ اسلامی تعلیمات کو زندگی کا حصہ بنایا جائے تاکہ ان فکری و اخلاقی مسائل سے ہمارا معاشرہ محفوظ رہے۔

باب پنجم: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں فکر و اخلاق کی اصلاح کا لائحہ عمل

فصل اول: قرآنی تعلیمات اور فکر و اخلاق کی اصلاح

فصل دوم: تعلیمات حدیث اور فکر و اخلاق کی اصلاح

باب پنجم:

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں فکر و اخلاق کی اصلاح کا لائحہ عمل

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور دستور زندگی ہے۔ آج روئے زمین پر واحد دین اسلام ہے جو اپنی اصل حالت میں باقی ہے جس کی تعلیمات زندہ ہیں جس کے مآخذ دستیاب ہیں اور جس کے پاس نبی کریم محمد رسول اللہ جیسی ہستی نمونہ عمل کے لیے ہے۔ انسانی اذہان کے پیدا شدہ افکار و نظریات دم توڑ چکے ہیں اور اب آنے والا دور اسلام کا دور ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا فیصلہ آنے والی تاریخ کرے گی۔ یورپ اور امریکا جیسی مادیت پرست دنیا میں اسلام کی روز افزوں ترقی اس کا واضح ثبوت ہے۔ اسلامی نظام حیات میں جہاں عبادت کی اہمیت ہے وہیں معاملات و معاشرت اور اخلاقیات کو بھی اولین درجہ حاصل ہے، اسلام کا جس طرح اپنا نظام معیشت ہے اور اپنے اقتصادی اصول ہیں اسی طرح اسلام کا اپنا نظام سیاست و حکومت ہے، اسلام کا نظام سیاست و حکمرانی موجودہ جمہوری نظام سے مختلف اور اس کے نقائص و مفاسد سے بالکل پاک ہے۔

اس باب میں اسلام کے تناظر میں ان تمام فکری و اخلاقی مسائل کے اسباب اور ان کے حل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے فکری و اخلاقی مسائل کے ادراک کے بعد قرآن و سنت اور عمل صحابہ رضی اللہ اور اہلبیت علیہم السلام کی سیرت کے تناظر میں اصلاح کا لائحہ عمل پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ سماج کو ان مسائل سے آگاہی دلانے میں رہنمائی حاصل ہو سکے۔ موجودہ دور میں ان فکری اور اخلاقی مسائل سے دوچار ہونے کی اصل وجہ اسلامی تعلیمات سے عدم التفات کا ہونا ہے۔ قرآن جس قدر سماجی مسائل کو حل کرنے میں عمیق نظر رکھتا ہے اتنا انسان ناقص رائے کے ساتھ نہیں رکھتا۔ انسانی دماغ کو ترجیح دینے کی روایت نے معاشرے کو آج اس نہج تک پہنچایا ہے جہاں انسانی رویئے فطرت سلیمہ سے کسی صورت مطابقت نہیں رکھتے۔ آج بھی ان تعلیمات سے اگر رہنمائی حاصل کی جائے تو یہ سماج فطری اصولوں میں ڈھل جائے۔

فصل اول: قرآنی تعلیمات اور فکر و اخلاق کی اصلاح

فکری و اخلاقی تحدیات سے جنم لینے والے مسائل کا مداوی قرآن تعلیمات کے سواء ممکن نہیں ہے کیونکہ قرآن ایسا نور ہدایت ہے جو سابقہ امتوں کے اعمال اور مستقبل کے حوادث کے بارے میں ناقابل تردید خبریں رکھتا ہے انہیں غیب سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے ان میں وہ اسباب و علل بیان کئے گئے ہیں جن کی وجہ سے سابقہ قوموں کے اوپر قہر الہی نازل ہوا۔ قرآنی تعلیمات ان سبق آموز واقعات و حادثات کے ذریعے سے آنے والے امتوں کو ان آفات سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ ان کے ذریعے اقوام کی فکری تربیت مقصود ہوتی ہے تاکہ اس طرح کے فکری و اخلاقی تحدیات سے انسانی مستقبل کو بچایا جاسکے۔ قرآن کریم نے سماجی اصلاح کے لئے چند امور کو بہت فوقیت اور اہمیت دی ہے جن میں سے چند نکات کو ذیل میں تفصیل و ترتیب سے بیان کیا جاتا ہے:

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں مذہبی و اخلاقی مسائل کا حل

قرآن کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ چند قرآنی مفاہیم ان فکری و اخلاقی تحدیات کی انسداد میں اہم کردار ادا کرتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔

عقیدہ توحید اور آخرت سے تمسک

فکری و اخلاقی تحدیات سے بچنے اور ان کی اصلاح کا ایک بہت بڑا ذریعہ عقیدہ توحید و آخرت سے تمسک ہے۔ یہ ایسا مانع ہے جو اس کے ارفع کردار پر پڑنے والے بیرونی اثرات کو مضہیل کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ تمسک انسان کو اس بات کا قائل بناتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ایسا نگران ہے جو اس کے ہر عمل کی نگرانی کرتا ہے جیسا کہ قرآن بھی اس بات کی گواہی دے رہا ہے:

﴿وَقُلْ اَعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَسَتُرَدُّونَ اِلٰى عَالَمِ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾¹

(ان لوگوں سے کہہ دو کہ تمہیں جو کرنا ہے کرو، اللہ، اس کا رسول اور مومنین تمہارے عمل کو دیکھیں گے اور تم عنقریب لوٹائے جاؤ گے کھلے اور چھپے ہر کچھ جاننے والے کی طرف پھر وہ تمہیں بتا دے گا وہ سب جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔)

قیامت کا وقوع عقل اور انصاف کا تقاضا ہے کیونکہ جب خدا نے انسان کو عقل و تمیز اور تصرف کے اختیارات دے رکھے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے اعمال و افعال سے بھی باخبر رہے گا اور یہ دیکھے گا کہ اُس کی زمین میں اُس نے ان اختیارات کو کیسے استعمال کیا؟ قیامت پر پاکیے بغیر خدا کی حکمت کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے اور ایک حکیم سے بعید ہے کہ وہ ان تقاضوں کو پورا نہ کرے اسی لیے فرمایا کہ

﴿لَيَجْزِي الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَ رِزْقٌ كَرِيمٌ﴾¹

(تاکہ صلہ دے (اللہ) انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے یہ ہیں جن کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔)

اس طرزِ حرز جزا و سزا کا تصور ہے جو نہ صرف انسان کے عقیدے کی اصلاح کرتا ہے بلکہ اس کی زندگی کو اس قدر متاثر کرتا ہے کہ انسان کا ہر عمل اسی تصور سے جڑ جاتا ہے اور انسان کچھ بھی کرنے سے پہلے یہ سوچتا ہے کہ قیامت کے دن اس عمل سے اسے کیا ملنے والا ہے۔ اس عمل کا بدلہ اسے جنت اور انعام کی شکل میں ملے گا یا یہ عمل اس کو اللہ کی ناراضگی اور جہنم کا حق دار بنانے والا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو مختلف پیرایوں اور اسالیب میں بیان کیا ہے کہ دنیا کی زندگی محض چند روز اور خاص مدت کے لیے ہے پھر تمام انسانوں کو پلٹ کر اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے اور دنیا میں، جو کچھ انھوں نے اچھا یا برا، کیا ہے اس کا بدلہ پانا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكُلُّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مِنْشُورًا
أَفْرَأَ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا﴾²

(اور ہم نے ہر انسان کا نامہ عمل اس کے گلے کے ساتھ لگا دیا ہے، اور قیامت کے دن ہم اس کا نامہ اعمال نکال کر سامنے کر دیں گے۔ اپنا نامہ اعمال پڑھ لے، آج اپنا حساب لینے کے لیے تو ہی کافی ہے۔)

طائر کے معنی پرندے کے ہیں اور عنق کا معنی گردن کے ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے ہر انسان کی برائی بھلائی کو اس کے گلے لگا دیا ہے اور بروز قیامت اس کے سامنے اس کا نامہ اعمال نکالیں گے جسے وہ اپنے اوپر کھلا ہوا پائے گا۔ لے! خود ہی اپنی کتاب آپ پڑھ لے آج تو آپ ہی اپنا حساب لینے کے لئے کافی ہے ابن عباس رضی اللہ کے نزدیک طائر سے مراد انسان کا عمل ہے۔

"قوله (وَكُلُّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ) قال: عمله وما قدر عليه، فهو ملازمه أينما كان"³

(ابن عباس رضی اللہ کے نزدیک عمل سے مراد اس کا عمل ہے اور جو کچھ اس عمل پر قدرت رکھتا ہے، وہ جہاں بھی ہو اس کا ساتھی ہے۔)

¹ السبا: 34

² بنی اسرائیل: 13

³ الطبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، مرکز البحوث والدراسات العربیہ والاسلامیہ، ذیل آیت: 14، ص: 283

طائر سے مراد، اس، کے، اچھے اور برے عمل ہیں جس پر اس کو جزاء و سزا دی جائے گی اس کے اعمال گلے، کی ہار، کی طرح اس کے ساتھ ہوں گے والمعنی اَنْ عملہ لازم له لزوم القلادة أو الغل لا يفك عنه¹ یعنی، اس کا ہر عمل لکھا، جا رہا ہے۔ اللہ کے ہاں پورا ریکارڈ محفوظ ہو گا۔ قیامت والے دن اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ علامہ البغوی کے نزدیک طائر سے مراد وہ قسمت ہے جسے اس کی تقدیر کے طور پر پہلے سے لکھ دی جاتی ہے اس کا سعید ہونا یا خبیث ہونا سب پہلے ہی مقدر کی جاتی ہے۔ یہی قسمت ہر انسان کے ساتھ گلے کی ہار کی طرح چمٹی ہوئی ہے اسی کے مطابق اس کے اعمال ہونگے اور قیامت والے دن اسی کے مطابق فیصلے ہونگے۔²

انکارِ آخرت وہ چیز ہے جو کسی شخص، گروہ یا قوم کو مجرم بنائے بغیر نہیں رہتی، اخلاق کی خرابی اس کا لازمی نتیجہ ہے اور تاریخ انسانی شاہد ہے کہ زندگی کے اس نظریے کو جس قوم نے اختیار کیا ہے وہ آخر کار تباہ ہو کر رہی، آخرت سے انکار دراصل خدا اور اس کی قدرت اور حکمت سے انکار ہے اور آخرت سے انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو خواہشاتِ نفس کی بندگی کرنا چاہتے ہیں اور عقیدہ آخرت کو اپنی اس آزادی میں مائع سمجھتے ہیں جب وہ آخرت کا انکار کر دیتے ہیں تو ان کی بندگی نفس اور زیادہ بڑھتی چلی جاتی ہے اور وہ اپنی گمراہی میں روز بہ روز زیادہ ہی بھٹکتے چلے جاتے ہیں، ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ وَلِلَّهِ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ الْآخَسَرُونَ﴾³

قرآن کریم کی ان ساری آیات اور پورے قرآن کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اور بھی بے شمار آیات آخرت کا ایسا تصور انسانوں کو دیتی ہیں کہ اگر وہ انسان کے ذہن میں ہر وقت موجود رہے تو اس کی زندگی تبدیل ہو جاتی ہے، اس کا ہر عمل انجام پانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ناپسندیدگی کے ترازو میں تولتا ہے اور انسان وہی کچھ کرتا ہے جو اللہ کو خوش کرنے والا اور اس کی ناراضگی اور آخرت کے عذاب سے بچانے والا ہو۔

ایسا انسان جو آخرت پر یقین رکھتا ہے اس کا طرزِ فکر و عمل ان لوگوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔ ان کا اندازِ گفتگو، عادات و اطوار، لوگوں کے ساتھ سلوک اور معاملات، ان کی دلچسپی اور پسند و ناپسند سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ انسان مالکِ یوم الدین پر ایمان رکھتا ہے اور اپنی زندگی کے اعمال کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے احساس کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔

¹ از مختصری، الکشاف، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1420ھ)، ذیل الاسراء: 13، ص: 590

² البغوی، ابو محمد حسین بن مسعود، تفسیر البغوی (معالم التنزیل)، دار ابن حزم، ذیل الاسراء: 14، ج 15، ص: 82

³ النمل: 5-4

اس تصور کے ساتھ زندگی گزارنے والے انسان کا کردار اندھیرے میں روشن چراغ کی طرح ہوتا ہے اور دنیا جانتی ہے کہ اس کے کردار و عمل سے اسے نہ تو کوئی خطرہ ہے اور نہ وہ دنیا میں کوئی غلط کام انجام دینے کا روادار ہو سکتا ہے۔

حاملین غیب

غیب پر ایمان ہمیشہ فرسودہ افکار و اخلاقی تحدیات کے لئے ڈھال ہے جو انسان کے کھوپڑی میں غیر ضروری خیالات کو داخل نہیں ہونے دیتا۔ ایمان کی طاقت مدافعہ کردار ادا کرتے ہوئے بیرونی خیالات کی نفوذ پذیری کو پوری قوت سے روکتی ہے۔ غیب پر ایمان کا حامل شخص ہمیشہ آفاقی تعلیمات کو ارادوں کا محور بناتا ہے اس لئے زمانے کے عوارض اور حوادث اس کے ارادے اور ایمان کو متزلزل نہیں کر سکتے۔ حاملین غیب کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾¹

غیب سے تمسک کا نتیجہ یہ ہے کہ متقی ہمیشہ اچھے افعال انجام دینے پر مگن رہتے ہیں جبکہ برے اعمال ان سے کوسوں دور رہتے ہیں کوئی ایسا لمحہ ان کی زندگی میں نہیں آتا کہ وہ گناہ کے بارے میں سوچے جیسا کہ علامہ متقین کی صفات اور اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ وذلك لأن المتقي هو الذي يكون فاعلاً للحسنات وتاركاً للسيئات² متقی وہ ہوتا ہے جو حسنات کو انجام دیتا ہے اور سیئات سے احتراز کرتا ہے۔

قرآنی مفاہیم کی تلخیص سے یہ حقیقت روشن ہوتی ہے کہ دنیا میں انجام پانے والے اعمال و افعال، نیکی اور برائی کا دار و مدار دو باتوں پر ہے۔ وہ یا تو نیک ہو گیا پھر بد۔ نیک اعمال کے پیچھے نظریہ غیبت کار فرما ہوتا ہے جبکہ برے اعمال کا محور نظریہ الحاد ہوتا ہے۔ نیکی اور بھلائی کا دار و مدار نظریہ غیب پر ہے اس نظریے کے مطابق غیب پر یقین کامل رکھنے والا انسان اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ دنیا میں وہ خود بخود پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی وہ تمام اخلاقی اصولوں سے ماوراء ہے کہ جو چاہے کر گزرے، وہ پدر مادر آزادی نہیں رکھتا کہ جس کا مال چاہے چرائے جس پر چاہے ظلم کرے اور جس کو چاہے اپنی تعصبات کا نشانہ بنائے، زمین و آسمان ایک کر دے۔ ایسی صورت حال میں ایک مومن ہمیشہ رب کے حضور سر بسجود رہ کر اپنی سوچ آفاقی تعلیمات کے تابع بنا دیتا ہے وہ اپنے رب اور ان کے بیان کردہ فرامین سے کبھی چشم پوشی نہیں کرتے بلکہ اطاعت پروردگار کے ذریعے روحانی طاقت حاصل کرتے ہیں جیسا کہ حضرت لقمان بیٹے کو نصیحت میں فرماتے ہیں۔

¹ البقرة: 3

³ الرازی، فخر الدین، تفسیر مفاتیح الغیب المعروف بالتفسیر الکبیر، دار الفکر لطباعة والنشر والتوضیح، ذیل البقرة: 3، ج 2، ص: 25

﴿يَبْنِيْ اَقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَاَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْر

﴿١﴾

اس آیت کریمہ میں حضرت لقمان درحقیقت اپنے بیٹے کو توحیدی افکار سے متمسک رہنے کی تلقین فرما رہے ہیں کہ قائم رکھنا اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا، برے کاموں سے منع کیا کرنا اور جو مصیبت تم پر آجائے صبر کرنا بے شک یہ بڑے ہمت والے کاموں میں سے ہیں یہ تینوں عبادات امور خیر شمار ہوتی ہیں یہ وہ اوزار ہیں جن کے ذریعے فکری و اخلاقی چیلنجز پر غلبہ پایا جاسکتا ہے کیونکہ اس دور میں فکری و اخلاقی تحدیات کے سامنے حق گو بن کر کھڑے ہونا آسان کام نہیں ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ، حق، گو شخص سے لوگ دشمنی رکھتے ہیں اور پھر ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر اس راستے میں تکلیف اور مصیبت آپہنچے تو، اس، پر صبر کرنا درحقیقت اللہ کی راہ میں ننگی شمشیر رہنا اور مصیبتیں جھیلتے ہوئے حوصلہ افزا رہنا جو انمردی کا کام ہے اس لئے استکباری ایجنڈے کے خلاف ہمیشہ نیکی کے کاموں میں حکم دیتے رہنا اور برے کاموں سے روکے رکھنا باہمت لوگوں کا شیوہ ہے ہیں اور وہ باہمت لوگ حاملین غیب ہی ہو سکتے ہیں²

قرآن میں بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں جہاں حاملین غیب اپنی جذبات اور احساسات کو قربان کر کے دوسروں کی دکھ درد کو بانٹنے میں لذت محسوس کرتے ہیں انہیں اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ زمین پر موجود ہر ذی روح کی نسبت آفاق سے ہے لہذا وہ وہی کر سکتا ہے جسے خالق کی طرف سے انجام دہی کا حکم دیا گیا ہو ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔

﴿وَاَنْتَلِ عَلَيْهِمْ نَبَاً اَبْنٰى ءَادَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبٰنًا فَتَقَبَّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاقْتُلُنَاكَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ اَلَيْكَ يَدُكَ لِتَقْتُلُنِيْ مَا اَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيْ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّيْ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ﴾³

(اہل کتاب کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنا دے، جب ان دونوں نے قربانی کی ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی، اس نے کہا میں تجھے مار ڈالوں گا، اس نے جواب دیا اللہ پر ہیز گاروں ہی سے قبول کرتا ہے۔ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔)

¹ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ذیل لقمان: 17، ج 4، ص: 218

² ایضاً

³ الدھر: 9-7

فی قول الجمهور - وهما هابيل وقابيل كيف عدا أحدهما على الآخر ، فقتله بغيا عليه وحسدا له ، فيما وهبه الله من النعمة وتقبل القربان الذي أحلص فيه الله عز وجل¹ قوالمجمهور کے مطابق وہ دونوں ہابیل اور قابیل تھے کہ کیسے انہوں نے ایک دوسرے سے دشمنی کی پس قابیل نے حسد اور سرکشی کرتے ہوئے ہابیل کو اسے دی گئی نعمت کی پاداش میں قتل کر دیا لیکن اللہ نے اس قربانی کو قبول کیا جس میں اخلاص تھا اس سے واضح ہے کہ اخلاقی و فکری تحدیات جیسے حسد، بغض، اور تکبر کے برے انجام کا ذکر ہو رہا ہے کہ کیسے حضرت آدم کے دو صلیبی بیٹوں کے افکار میں ٹکراؤ پیدا ہوا ایک خدا کا ہو کر مظلوم، بنا اور مار ڈالا گیا اور جنت کا استحقاق ٹھہرا اور دوسرے نے اس پر ظلم کے پہاڑ توڑے اور دونوں جہاں میں برباد ہوئے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حاملین غیب دنیا کے منہ زور یوں کے سامنے کبھی منہ نہیں پڑاتے اور نہ کسی لالچ میں اپنے عقیدے اور افکار سے دستبردار ہوتے ہیں اس بات کی تائید ہابیل کے اس بیان سے ہوتی ہے جس میں وہ کہہ رہے ہیں کہ اگر تم میرے قتل پر دست درازی بھی کروں تو بھی میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہیں اٹھائوں گا اس سے ہابیل کی اخلاص اور ان کے تقویٰ کا اندازہ ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اللہ نے ہابیل کی قربانی ہی قبول کی۔

"إنما يتقبل الله القربان من المتقين لا من غيرهم، وكأنه يقول لأخيه إنما أتيت من قبل نفسك

لا من قبلي،

فإن عدم تقبل قربانك بسبب عدم تقواك. قوله { لئن بسطت إلیَّ يدك لنتقنلنی } أي لأن قصدت قتلي،"²

"اللہ متقین کی قربانی ہی قبول کرتا ہے گویا کہ وہ اپنے بھائی سے کہہ رہے تھے یہ میرے طرف سے نہیں بلکہ تم اپنی طرف سے کر رہے ہو پس قربانی کا قبول نہ ہونا عدم تقویٰ کی وجہ سے تھا یہ بات حقیقت ہے کہ آخرت کا خوف انسان کو برائیوں سے روکتا ہے اگر یہ خوف انسان میں برقرار رہے تو گناہ کا خیال تک نہیں کر سکتا۔"

اللہ تعالیٰ نے فکری و اخلاقی تحدیات سے نمٹنے کے لئے تمام فطری تقاضوں کو متحرک رکھا ہے جیسا کہ انسان اچھے مکان، اچھا مقام اور اچھی زندگی کا طلب گار ہوتا ہے کمال سے محبت انسانی فطرت کا تقاضا ہوتا ہے۔ لہذا فکر اور سوچ کو منحرف کرنے والے وسائل اس وقت کمزور پڑ جاتے ہیں جب جنت کا تصور اور اس میں موجود ثمرات کی طرف فکر انسانی متوجہ ہوتی ہے کیونکہ جنت کے فیوضات کے مقابلے میں دنیا کی مرغوبات کوئی معنی نہیں رکھتے یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ ان ثمرات کے حصول کے لئے جان دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ قرآن نے جنت کی منظر کشی کچھ یوں کی ہے۔

¹ المائدہ: 28

² اشوکانی، الفتح القدیر، ذیل المائدہ: 28، ج 2، ص: 185

﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتَانِ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ فِيهِمَا فَلَکِهِنَّ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ لَمْ يَطْمِئْنَنْ أَنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌ﴾¹

(پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ان دونوں میں ہر میوہ کی دو قسمیں ہوں گی۔ ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے کہ جن کا استر مخملی ہو گا اور دونوں باغوں کا میوہ جھک رہا ہو گا۔ ان میں نیچی نگاہوں والی عورتیں ہوں گی، نہ تو انہیں ان سے پہلے کسی انسان نے اور نہ کسی جن نے چھوا ہو گا۔)

ان مذکورہ قرآنی آیات سے یہ واضح ہے کہ عقیدہ آخرت اور جنت کا تصور عملی طور پر انسانی عقیدے میں راسخ ہو تو فکری و اخلاقی تحدیات کے لئے انسانی خیالات میں کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کیونکہ معتقد اپنی جذبات اور احساسات سے خود دستبردار ہو جاتا ہے ان حالات کے پیش نظر ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی تعلیمات کو پھر سے اجاگر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ دین کا حقیقی چہرہ اپنے پورے آب و تاب کے ساتھ نئی نسل تک منتقل ہو سکے۔

فریضہ امر بالمعروف کی ادائیگی

فکری و اخلاقی تحدیات سے نبرد آزما ہونے کے لئے اسلام نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضے کو ہر مسلمان پر واجب قرار دیا ہے اس فریضے کی موجودگی میں فکری طغیانی اور اخلاقی بے راہ روی کے یلغار پر قابو پایا جاسکتا ہے یہ اتنا عظیم فریضہ ہے، کہ اس کی ادائیگی کی وجہ سے اس امت کو دیگر امتوں پر فضیلت دیتے ہوئے خیر امت کہا گیا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ ءَامَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ إِنَّهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾²

(اے مسلمانو! تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی ہدایت) کے لئے ظاہر کی گئی، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب (بھی) ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر تھا، ان میں کچھ مسلمان ہیں اور ان کی اکثریت نافرمان ہیں)

اس آیت میں امت محمدیہ کے سابقہ تقریباً ستر امتوں سے بہتر ہونے کی خبر دی جا رہی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تم اوروں کے حق میں سب سے بہتر ہو، تم لوگوں کی گردنیں پکڑ پکڑ کر اسلام کی

¹ الرحمن: 54-74

² آل عمران: 11

طرف جھکاتے ہو اور دیگر مفسرین بھی اس سے یہ مطلب لیتے ہیں کہ تم تمام امتوں سے بہتر ہو اور سب سے زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچانے والے ہو۔¹

یہی وجہ ہے کہ آیت میں خیر امت کے بعد جو علت بیان کی گئی ہے وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور ایمان باللہ ہے گویا یہ امت اس صفت حسنہ سے متصف رہے گی تو خیر امت ہوگی بصورت دیگر اس اعزاز سے محروم رہے گی اس کے بعد اہل کتاب کی مذمت بھی اس نکتے کی وضاحت کرتی ہے کہ جو امر بالمعروف کے فریضے سے دستبردار ہو گا وہ بھی اہل کتاب کی طرح ہے جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾²

(وہ اس برائی سے نہیں روکتے تھے ایک دوسرے کو، جسے وہ انجام دیتے تھے کتنا ہی برا تھا جس کو وہ انجام دیتے تھے)

ان دونوں کے درمیان یہ بات مشترک اور مماثلت تھی کہ دونوں ایک دوسرے کو برائی سے نہیں روکتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان میں اکثر کو فاسق کہا گیا ہے کیونکہ وہ امر بالمعروف کے فریضے سے اکثر غافل رہتے تھے اللہ نے مختلف مقامات پر اسی خواہش کا اظہار فرمایا تاکہ ضرر رساں افکار و اعمال اور خیالات کا سدباب ہو سکے۔

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر فکری و اخلاقی چیلنجز کے سامنے ایک مضبوط ڈھال ہے جو سماج کو ہر قسم کی خطرات سے انہیں چاہے وہ سماجی و معاشی ہو یا مذہبی و معاشرتی ہو سے محفوظ رکھتا ہے۔ لہذا سماج کو فطری اقدار پر برقرار رکھنے کے لئے ایسے طبقے کا ہونا ضروری ہے جو امر بالمعروف کے فریضے کو بخوبی انجام دے سکے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَلْتَكُن مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾³

(اور چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو نیک کام کی طرف بلائی رہے اور اچھے کاموں کا حکم کرتی رہے اور برے کاموں سے روکتی رہے، اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔)

ان آیات سے یہ راہنمائی ملتی ہے کہ مرور زمان کے ساتھ پیدا ہونے والے فکری و اخلاقی تحدیات سے نمٹنے کے لئے ایک گروہ کا ہونا وقت کی ضرورت ہے یعنی ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے

¹ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب: کنتم خیر امت اخرجت للناس، حدیث رقم: 4557

² المائدہ: 79

³ آل عمران: 104

اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ فلاح و نجات پانے والے ہیں جو قوم پر آنے والے قبل از وقت مسائل سے آگاہی رکھے اور امت کو بروقت ان مشکلات سے دوچار ہونے سے بچانے کے لئے تدبیر کرے تاکہ اچانک حملے کی صورت میں دفاع کرنا ممکن ہو سکے۔

گزشتہ امتوں میں تباہی کی وجہ امر بالمعروف کا فقدان رہا ہے۔ ان میں ایک خاموش امت موجود تھی جس نے اپنے آپ کو اجتماع سے دور کر رکھا تھا انہیں اس بات سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ معاشرے میں فسق و فجور اور فرسودہ، خیالات اور افکار کی حکمرانی قائم ہو انہیں صرف اپنی ذاتی زندگی سے غرض تھی۔ اس رویے کی بدولت وہ قومیں عذاب الہی کا شکار رہیں۔ لہذا آنحضرت ﷺ نے سماج کو قہر الہی سے بچانے کے لئے مراتب کے ساتھ امر بالمعروف کو واجب قرار دیا

((مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ))¹

"تم میں سے کوئی کسی منکر کو خلاف شرع کام کرتے ہوئے پائے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے اگر وہ ہاتھ سے نہیں روک سکتا تو زبان سے روکے اگر زبان سے بھی روک نہیں سکتا تو دل سے بیزاری کا اظہار کر دے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔"

پاکستانی معاشرے میں امر بالمعروف کی عدم پذیرائی کی بدولت آئے روز بہت سے فکری و اخلاقی چیلنجز کا سامنا کرنا پڑتا ہے عدم رواداری، منافرت، قوم پرستی اور مذہب و مسلک پرستی عروج پر ہے۔ منطق اور دلائل پر فیصلے کے بجائے تعصبات پر مبنی جذبات اور ہمدردیاں پیدا کی جاتی ہے۔ دلیل پر نہیں شور پر زیادہ دھیان دیا جاتا ہے۔ کثرت کا مظاہرہ کر کے حق و ناحق حقوق لینے پر زور دیا جاتا ہے۔ آزادی نسواں کے نام پر بے حیائی معاشرے میں سرایت کی جا رہی ہے مرغوب نعرے جیسے میرا جسم میری مرضی جیسے نعروں سے خواتین کو عریاں کرنے کی تحریک چلائی جا رہی ہے۔

لیکن اس امت میں کوئی گروہ ایسا نظر نہیں آتا جو ان فرسودہ افکار کا مقابلہ آفاقی افکار سے کرے، اس سوچ کے مقابلے میں ایسی سوچ دے جو منطق اور استدلال سے بھرپور ہو تاکہ ملحدانہ افکار کی سرایت کو روکا جاسکے بلکہ اس کے برعکس ہر کوئی اپنی ذاتی زندگی کو ترجیح دیئے ہوئے ہیں۔ اجتماعی سوچ اور عدل اجتماعی کی روح معاشرے سے ختم ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امر بالمعروف نہ کرنے کی وجہ سے معاشرے کے بدکردار قاتل مزاج لوگ مسلط ہو جاتے ہیں۔ باقی لوگ سر جھکائے ان کی اطاعت پر مجبور ہو جاتے ہیں اور پھر ان ظالم حکمرانوں سے نجات کے لئے گھڑ گھڑا کر اجتماعی دعا

¹ مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب: بیان کون النہی عن المنکر من الایمان، رقم حدیث: 177

کرنے لگ جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ امر بالمعروف کی عدم پیروی کی وجہ سے ان کے دعاؤں کو ٹھکرا دیتا ہے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے روایت نقل کی ہے:

((قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَلَتَنْتَهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ؛ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللَّهُ أَنْ يَنْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ، ثُمَّ تَدْعُوهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ))¹

(رسول اللہ فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اچھائی کا حکم اور برائیوں کی مخالفت کرتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل کر دے گا پھر تم دعائیں کرو گے لیکن قبول نہ ہوں گی)

انبیائے کرام نے ہمیشہ فکری و اخلاقی تحدیات کا مقابلہ کرنے کے لئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کو اپنے ماتھے کا جھومر بنایا اور کبھی اس عمل کے نتیجے میں عبرتناک سزاؤں کی دہلیز پر جا پہنچے مگر اس معاملے میں کبھی بھی مسئول نہیں ٹھہرے۔ آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے صحابہ کرام نے بھی اللہ کے زمین پر اللہ کی حاکمیت قائم کرنے کی بھرپور جدوجہد کی۔ زمین پر نماز کو قائم کیا اور امر بالمعروف کے پہلو کو اجاگر فرمایا۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَاللَّهُ عَقِيبَةُ الْأُمُورِ﴾²

(وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں دنیا میں حکومت دے دیں تو نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کام کا حکم کریں اور برے کاموں سے روکیں اور ہر کام کا انجام تو اللہ کے ہی ہاتھ میں ہے۔)

یہ آپ کی سیرت کا ہی کرشمہ تھا کہ آپ ﷺ کے صحابہ فکری و اخلاقی چیلنجز کو پس و پشت ڈال کر آفاقی تعلیمات سے منسلک رہیں آپ نے مسلم سماج میں ان افکار کا داخلہ ہی ممنوع کر دیا تھا جو براہ راست انسانی و اخلاقی اقدار کے خاتمے کا باعث بنتے قرآنی احکام کے نفاذ میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی بلکہ نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے اور اچھے کاموں کا حکم دیتے ہوئے برے کاموں سے روکے رکھا جن لوگوں نے اس فریضے کو خفیف سمجھ کر انجام دینے سے چشم پوشی کی ہے اللہ نے انہیں وعید سنائی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

¹ترمذی، السنن، کتاب القتن، باب: ما جاء في الامر بالمعروف، حدیث رقم: 2172

-مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب: کون النبی عن المنکر، حدیث رقم: 179

-نسائی، السنن، کتاب الایمان، باب: تفاضل اهل الایمان، رقم حدیث: 5012

²الحج: 41

﴿فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ﴾¹

(سوان جماعتوں میں ایسے لوگ کیوں نہ ہوئے جو تم سے پہلے تھیں جو ملک میں فساد پھیلانے سے منع کرتے بجز چند آدمیوں کے جنہیں ہم نے ان میں سے بچا لیا تھا، اور جن لوگوں نے نافرمانی کی تھی وہ تو انہیں لذتوں کے پیچھے پڑے رہے جو ان کو دی گئی تھیں اور وہ مجرم تھے۔)

گزشتہ اقوام کی تباہی کی وجہ ان لوگوں کا فقدان تھا جو انہیں برے کاموں سے روکے اور اچھے کاموں کا حکم دے مگر ان گنے چنے لوگ ہی یہ فریضہ ادا کیا کرتے تھے اور اللہ نے انہیں اپنے عذاب سے بچا لیا یہی وہ لوگ تھے جو عارضی آسودگی کو خیر باد کہہ کر دیرپا نتائج کو مقصد بنا کر نیک کاموں کے حصول کا خواہشمند ہوتے اور امر بالمعروف کے پہلو کو ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ بعض روایات کے مطابق امر بالمعروف و نہی عن المنکر خدائی فریضہ ہے۔ امام باقر کے بقول امر بالمعروف اور نہی عن المنکر عظیم خدائی فریضہ ہے۔

"ان الامر بالمعروف و نہی عن المنکر فریضة عظيمة بها تقام الفرائض، و تamen المذاهب و تحل المكاسب ترد مظالم تعمر الارض و يتصف من الاعداء و يستقيم الامر"²

"بے شک امر بالمعروف ایک عظیم فریضہ ہے باقی فرائض انہی کی بدولت قائم ہوتے ہیں۔ ان کی وجہ سے راستے محفوظ رہتے ہیں لوگوں کا کسب و کار حلال ہوتا ہے اور لوگوں کے حقوق انہی کی وجہ سے واپس ملتے ہیں اور ان کے سبب زمین آباد رہتی ہے دشمنوں سے انتقام لیا جاتا ہے اور انہی کے طفیل تمام کام چلتے رہتے ہیں۔"

ان مذکورہ روایات سے یہ بات واضح ہے کہ سماج کو اسلامی اصولوں پر چلانے کے لئے امر بالمعروف کا فریضہ انتہائی اہم ہے کیونکہ تمام فرائض، کسب معاش، کاروباری تعلقات، انسانی تعلقات اور انسان کے بقاء کے وسائل صرف اس سے پیوست ہے لیکن بد قسمتی سے ہمارا معاشرہ اس عظیم خدائی فریضہ سے محروم ہے جس کی وجہ سے نہ راستے محفوظ ہیں نہ فرائض پر مکمل عمل کیا جا رہا ہے جوئے کے اڈوں پر جوانوں کا رش لگا رہتا ہے جبکہ اذان کے وقت مساجد جوانوں سے خالی رہتے ہیں عبادات کے وقت نوجوان نسل عیش و عشرت کی محفلوں میں مگن رہتے ہیں حقوق کی ادائیگی بوجھ فرض کیا جا رہا ہے۔ رشتہ

¹ہود: 116

²حرعالمی، الوسائل، کتاب الامر بالمعروف و نہی عن المنکر، باب 1، ج 11، حدیث رقم: 6، ص: 495

داروں کو وراثت سے محروم کیا جا رہا ہے دوسروں کے ناجائز زمینوں پر قبضے کئے جا رہے ہیں۔ رشتہ داروں کو غربت کی وجہ سے دھتکارا جا رہا ہے حالانکہ اسلامی تعلیمات ان کے برعکس رواداری کا حکم دیتا ہے ناجائز مال ہڑپ کرنے کی ممانعت کرتے ہوئے حرام اکتساب سے احتراز کرنے کی ترغیب دیتا ہے رشتوں کے لحاظ کو مقدم قرار دیتے ہوئے صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔ اور ایک دوسرے کے مددگار بننے کی تلقین کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾¹

اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا، بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے)

ہمارے معاشرے کی بد نصیبی یہ ہے کہ آج ہم ایک دوسرے کے مددگار بننے کے بجائے دست و گریباں ہیں ایک دوسرے کے جان و مال کو تحفظ دینے کے بجائے کار خیر سمجھ کر ناجائز طریقے سے ہڑپ کرنے کو اعزاز سمجھتے ہیں۔۔۔ زکات دینے کے بجائے ایک دوسرے کی غربت کا تماشا دیکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کو بھلائی کا حکم دینے کے بجائے برائی کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ کیونکہ امر بالمعروف کے عظیم فریضے کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے ہر روز فکری و اخلاقی تحدیات جنم لے رہی ہیں۔

لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ امر بالمعروف کے اس اہم فریضے کو معاشرے میں زندہ کر کے دوبارہ ان اسلامی اصولوں کا احیاء کیا جائے تاکہ کسب معاش میں حلیت آنے کے ساتھ ساتھ شرعی اصولوں پر مبنی تعلیمات استوار ہو۔ کیونکہ یہ ایک ایسا فریضہ ہے جس کے مقابلے دوسرے فرائض کی حیثیت سمندر میں لعب دہن کی سی ہے جیسا کہ حضرت علی کا قول ہے:

"و ما اعمال البئر كلها و الجهاد في سبيل الله عند الامر بالمعروف و النهي عن المنكر الا كنفسه في بحر لحي²

¹التوبہ: 71

²ابن ابی الحدید، شرح حنیج البلاغہ، کلمات اختصار، (بیروت: دار الکتب العلمیہ لبنان) ص: 476

"تمام نیک کام اللہ کی راہ میں جہاد بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقابلے میں ایک گہرے سمندر میں لعاب دہن کے مانند ہے۔"

اس قول کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ فکری و اخلاقی تحدیات کی روک تھام کے لئے امر بالمعروف کے عظیم فرض کو نبھانا وقت کی اہم ضرورت ہے تاکہ مختلف اخلاقی و روحانی بیماریوں کا سد باب کیا جاسکے۔ اس سے فرسودہ افکار کی حوصلہ شکنی کے ساتھ آفاقی افکار کو تقویت ملے گی۔ کیونکہ آفاقی افکار منبع وحی سے منسلک ہونے کی وجہ سے انسانی فلاح اور معاشرتی مفاد کے محافظ ہیں اور فکری و اخلاقی تحدیات کے لئے ایک مستحکم مانع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

تعلیم و تزکیہ

کسی بھی سماج میں فکری و اخلاقی تحدیات کی بنیادی وجہ تعلیم اور تزکیہ کا فقدان ہے صرف تعلیم اخلاقی بے راہ روی کو روکنے کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ کمال کے حصول کے لئے تعلیم کے ساتھ ساتھ تزکیہ کی بھی ضرورت ہے۔ قبل از اسلام عرب سماج اخلاقی گراؤٹ اور بے راہ روی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا لیکن آنحضرت ﷺ کی تبلیغی کاوشوں اور لوگوں کی تزکیہ کی بدولت دنیا کے لئے ایک مثالی معاشرہ بننے کے ساتھ حقوق انسانی کا محافظ سماج کی حیثیت سے دنیا میں ابھر کر سامنے آیا۔ قرآنی تعلیمات سے واضح ہے کہ تزکیہ کے بغیر نجات اور فلاح ممکن نہیں اس لئے اسے نجات کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا﴾¹

(کامیاب ہوا جس نے اس کو پاک کیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو آلودہ کیا۔)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى﴾²

(کامیاب ہوا جس نے اپنے آپ کو پاک کیا)

کے راستے پر گامزن کر سکے اور اس راہ میں آنے والی تکلیفات کو خندہ پیشانی سے قبول کیا اور ہمیشہ دین مبین کو زندہ و جاوید رکھنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

¹ الا علی: 14

² الشمس: 10

﴿أَذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۖ هَلْ لَّكَ إِلَٰهٌ أَن تَزْكَىٰ﴾¹

(اس نے سرکشی اختیار کی ہوئی ہے تم فرعون کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ کیا تم میں سے کچھ اپنے کو سدھارنے کا جذبہ ہے۔)
اس آیت سے تزکیہ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ ذات پروردگار دشمن کو بھی تزکیے کی دعوت دیتا ہے۔ تاکہ وہ اپنے شیطانی خیالات و افکار سے باز آ سکے۔ اسلامی تعلیمات پر غور کرنے سے بھی یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ تعلیم اور تزکیہ انسان کی دو بنیادی ضروریات ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے میں پیوست ہیں۔

اسلام کی رو سے علم کو تزکیہ سے اور تزکیے کو علم سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ سورۃ علق کی ابتدائی آیات سے بھی یہ واضح ہے کہ انسان کو پڑھنے کا حکم دیا جا رہا ہے لیکن اس کی پڑھائی رب کریم سے متمسک ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ تعلیم دوسروں کی بھلائی کے لئے ہو جس سے دوسروں کے مفادات کا تحفظ ہو جس سے انسانیت کو تحفظ حاصل ہو کیونکہ یہ علم اس رب کی عطا کردہ ہے جس نے کائنات کے ذرہ ذرہ کو پیدا کیا اور ہر چیز اس کی مخلوق ہے۔

لہذا اس علم کے ذریعے اسی کی مخلوق کو ضرر پہنچانا شکر منعم کے ذمے میں نہیں آتا۔ بلکہ اس کی رضا و خوشنودی کے حصول کے لئے اسی علم کے ذریعے اس کی مخلوقات کے لئے آسانی فراہم کرنا، انسانی دستگیری کا ذریعہ بنانا عقل انسانی کا تقاضا ہے اور اگر یہ علم غیر اللہ سے منسوب ہو یا خالق کے علاوہ کسی اور سے متمسک ہو تو ایسی صورت میں علم اپنا مقصد کھو دیتا ہے۔ یہ علم جس ظرف میں ہو اس میں اشتعال آنا شروع ہو جاتا ہے ایسے میں غریبوں، مسکینوں اور لاچار لوگوں کی خدمت باعث ننگ و عار خیال کیا جاتا ہے جبکہ امیروں کے خاندانوں پر حاضری باعث افتخار سمجھا جاتا ہے۔ بد قسمتی سے استکباری قوتیں خصوصاً صہونیت اپنے مشن میں کامیاب نظر آتی ہے کہ لوگوں کو اس نے خالق سے ہٹا کر مخلوق اور شیطانی تراکیب کی تکمیل پر لگا دیا۔ وہ خواتین جو ایک دور میں پردے میں ملبوس نظر آتی تھیں انہیں خواتین کو ننگا کر دینا تا کہ خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنیں۔ ان شیطانی پالیسیوں کی وجہ سے آج انسان شیطانی قوتوں کی پیروی میں مگن ہے اور انہیں انسانی زندگی کا ہدف سمجھنے لگا ہے۔

اس وقت دنیا صہونیزم کے رحم و کرم پر ہے جس کا ایجنڈا صرف شیطان کی مکمل اتباع اور طاقت کا بے دریغ حصول نیز آسمانی کتب کا انکار کرنا ہے اور، لوگوں، کے ذہنوں میں یہ عقیدہ راسخ کرنا ہے کہ دنیا میں دجالی حکومت قائم ہوگی۔ اس کے لئے تابوت سکینہ کا حصول ضروری ہے تاکہ اس میں موجود بابرکت انبیاء کی متروکہ اشیاء کے توسط سے پوری دنیا پر

کنٹرول حاصل کیا جاسکے۔ آج بھی اسرائیلی اس صندوق کے حصول کے لئے در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں علامہ قرطبی اس صندوق کی تفسیر میں لکھتے ہیں:¹

"والتابوت كان من شأنه فيما ذكر انه انزله الله على آدم فكان عنده الى ان وصل الى عقوق فکان فی بنی اسرائیل یغلبون بہمن قاتلہم حتی عصوا فغلّبوا علی التابوت علیہ عمالقہ، جالوت و اصحابہ فی قول السدی و سلبوا التابوت منهم"²

"تابوت کی خصوصیت یہ ہے، کہ اللہ نے اسے حضرت آدم علیہ السلام پر نازل کیا اس کے بعد وہ حضرت یعقوب علیہ السلام تک جا پہنچا۔ بنی اسرائیل جب بھی جنگ کسی قوم سے کرتے تو اسی کے ذریعے فتح حاصل کرتے حتیٰ کہ ان کی نافرمانی کی وجہ سے قوم عمالقہ کو ان پر مسلط کیا اور وہ تابوت پر غلبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے قول سدی کے مطابق جالوت اور اس کے ساتھیوں نے تابوت سکینہ کو بنی اسرائیل سے چھین لیا۔"

صیہونی علم تزکیہ سے عاری ہونے کی وجہ سے آج بھی اپنے آپ کو بقیہ مخلوق پر فوقیت دیتے ہوئے دوسروں کو زندگی کا حق دینے سے بھی انکاری ہے کیونکہ وہ صرف کسی بھی صورت خواہش کا حصول چاہتے وہ طاقت ہو، مال و دولت ہو یا کسی بھی طریقے سے علمی ذرائع استعمال کر کے دنیا پر حکومت کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ اور یہ ان کے عقائد میں شامل ہیں کہ تابوت سکینہ کے ذریعے وہ دنیا کو فتح کرنا چاہ رہے ہیں۔ اس لئے آج بھی اسرائیل اس تلاش میں ہیں کہ کسی بھی طریقے سے تابوت سکینہ ان کے ہاتھ لگ جائے اور مشکلات کے مواقع پر اسے سامنے رکھ کر فتح سے ہمکنار ہو۔ آج علم اور تزکیہ کے مابین افتراق کی وجہ سے دنیا اشتعال کا شکار ہے اور جہاں کہیں پر بھی اشتعال کا عنصر موجود ہو گا وہاں پر اسرائیل کا عمل دخل ضرور ہو گا۔ کیونکہ یہ ایسے علم سے لیس ہیں جس میں تزکیہ نام کی کوئی چیز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسی علم کے ذریعے میزائل بنا کر غریبوں کی بستیوں پر گرانے میں عار محسوس نہیں کی جاتی بلکہ اپنی ٹیکنالوجی پر فخر محسوس کیا جاتا ہے۔ اس رویے پر پوری انسانیت شرمندہ ہیں۔ کوئی بھی سماج تزکیے کے بغیر معاشرتی و فطری اقدار کا تحفظ نہیں کر سکتا۔ انبیائے کرام جو انسانیت کے لئے نجات دہندہ کی حیثیت سے اس دنیا میں آئے ان کا اصلی کام لوگوں کا تزکیہ کرنا تھا۔ لہذا اسی تزکیے کے ذریعے معاشرتی برائیوں کے خاتمے پر زور دیا اور کافی حد تک اس میں کامیاب رہے۔ اور معاشرے کی اصلاح کا مابعد الطبیعیاتی و آفاقی طریقہ کار صرف یہی ہے کہ لوگوں کو فراہم کردہ وسائل کے ذریعے تزکیہ کیا جائے تاکہ افکار فطری اصولوں پر کار بند رہ سکے۔ مولانا امین اصلاحی تزکیہ عمل کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

1 قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابوبکر، تفسیر قرطبی، ج 3، ص: 247

"تزکیہ کا عمل انسانی معاشرہ کے کسی خاص گروہ تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق تمام افراد اور تمام گروہوں بلکہ پورے معاشرہ سے یکساں طور پر ہے کوئی شخص بھی اس کے بغیر آخرت میں نجات اور فلاح حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کی حیثیت دین میں ایک فضیلت کی نہیں ہے بلکہ ہر شخص کے لئے ایک ناگزیر انفرادی ضرورت کی ہے۔ یہ نجات اور فلاح آخرت کے لئے ایک ضروری شرط ہے جس کو پورا کئے بغیر، کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔"

آج کا یہ مسلم معاشرہ تزکیہ عمل سے مکمل عاری ہے دیکھنے میں معاشرہ اعلیٰ ڈگریاں رکھنے والے نفوس پر مشتمل قوم نظر آتی ہے جہاں گولڈ میڈل رکھنے والے ڈاکٹرز، انجینئرز، اساتذہ اور سماجی و سیاسی شخصیات معاشرے کی زینت بنی ہوئی ہے لیکن دوسری طرف ان کے حریض آنکھیں مال و متاع کے حصول میں کوئی لمحہ فرد گزاشت کرنے نہیں دیتی۔ انہیں لوگوں کی زندگیوں اور ان کے دکھ درد سے کوئی واسطہ نہیں انہیں غریبوں کی تکلیف اور مشقت سے کوئی سروکار نہیں انہیں صرف مال و متاع سے غرض ہے اگرچہ اس کے حصول میں لوگوں کے چراغ گل ہی کیوں نہ ہو۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ ڈیڑھ لاکھ تنخواہ لینے والے شخص آٹھ ہزار تنخواہ پر گزارہ کرنے والے مزدور سے رشوت لینے پر مصر ہے اور وہ اسے حق سمجھ کر کھاتا ہے۔ ایسے ڈگریوں والے پڑھے لکھے افراد کبھی اخلاقی و فکری تحدیات کے لئے ڈھال نہیں بن سکتے جن کی سوچ کعبہ ذات کے گرد طواف کرتی رہتی ہے اس وقت صہیونی طرز فکر اور طرز معاشرت مسلمان جوانوں کے افکار میں راسخ ہو چکی ہے اس لئے وہ الہی امور سے احتراز کرتے ہوئے شیطانی امور پر یقین رکھتے ہیں طاقت کا حصول، شریعت کی عدم پیروی، حلال و حرام میں عدم امتیاز، وعدوں کی عدم پاسداری جیسی عناصر ان کی زندگی کا غالب پہلو ہے۔ وہ خواہشات کے سامنے کسی بھی حدود کی رعایت سے اجتناب کرتے ہیں۔ انہیں قرآن و شریعت کے اصولوں کی کوئی فکر نہیں ہوتی بلکہ کسی بھی ذرائع سے خواہشات کی تکمیل چاہتے ہیں۔ اسی وجہ سے سماج میں رحمہلی، قرابتداری، جذبہ ایثار و قربانی، والدین کی تعظیم، بڑوں کی تکریم، صلہ رحمی جیسے تصورات دم توڑ رہی ہے اور مادہ پرستی اور ذات پرستی کو فروغ مل رہا ہے۔

اسلام امن و سلامتی کا علمبردار ہونے کے ناطے سماج کو ان اخلاقی رزائل سے پاک رکھنے کے لئے فکری تطہیر کے عمل کو خاص اہمیت دیتا ہے۔ اس سلسلے میں آیات قرآنی کی تلاوت اور قرآن و حکمت کی تعلیم سرنامہ تبلیغ اور پیغمبروں کی دعائوں کا محور رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کی بعثت کی دعائیں تزکیے کا خصوصی تذکرہ فرمایا:

¹ امین احسن اصلاحی، تزکیہ نفس کامل، (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، 1994ء)، ص: 29

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾¹

(اے ہمارے پروردگار! تو ان میں سے انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان کو تیری آیتیں سنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے)

آپ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا بن کر اس دنیا میں تشریف لائیں۔ آپ علیہ السلام سے مروی ہے کہ میں اللہ جلالتہ کے نزدیک اس وقت سے آخری نبی ہوں جبکہ آدم ابھی مٹی کی صورت میں تھے، میں تمہیں اپنی ابتدائی امر بتاؤں میں اپنی باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا خواب ہوں انبیاء کی والدہ کو ایسے ہی خواب آتے ہیں۔² دعاؤں کی تعبیر بن کر آپ کی تشریف آوری سے سسکتی انسانیت کو فکری و اخلاقی تحدیات کے سامنے ڈٹ جانے کی وہ جرات مل گئی کہ ایک وقت میں ریاست مدینہ ایک فلاحی ریاست کے طور پر دنیا میں متعارف ہوئی۔ آپ کی سیرت سے ماخوذ معاشرتی و فکری اور اخلاقی تحدیات سے نبرد آزما ہونے کا یہ حل ملتا ہے کہ سماج میں تلاوت قرآنی کو عام کرنے کے ساتھ کتاب و حکمت کی تعلیم سے سماجی افکار کو منور کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے تاکہ مادیات کی طوفان سے ابھرنے والے چیلنجز سے نمٹنے کے لئے بروقت دفاعی حکمت عملی تیار ہو سکے۔

سماج میں ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ فکری بلوغت سے پہلے ہی استکباری و فرعونی افکار سوشل میڈیا کے ذریعے نابالغ بچوں میں سرایت کر جاتے ہیں ایسے میں ان خیالات و افکار کو محو کرنا اور ان کے متبادل افکار کو اذہان میں پیوست کرنا آسان کام نہیں ہوتا۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ استکباری قوتوں کے افکار کی نفوذ پذیری سے پہلے نوجوان نسل کو قرآنی تعلیمات اور سنت رسول سے مزین کیا جائے تاکہ صہونی طرز معاشرت کو اسلامی معاشرے میں پنپنے کا موقع ملے بغیر اسلامی روایات کو پھلنے پھولنے کا موقع مل سکے۔

ایفائے عہد

ایفائے عہد اجتماعی زندگی کا بنیادی مسئلہ ہے اس کے بغیر سماجی تعلقات اپنا اثر کھودیتی ہے اس وقت یہ مسئلہ پاکستان کے سماج کے لئے ناقابل شکست بنتا جا رہا ہے۔ عہد شکنی معمول بن چکا ہے۔ امام الشوکانی فتح القدیر میں عقود کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

¹ البقرہ: 129

² ترمذی، السنن، کتاب مناقب عن رسول اللہ ﷺ، باب: ماجاء من فضل النبی ﷺ، حدیث رقم: 3609

"المراد بالعقود هي التي عقدها الله على عباده وألزمهم بها من الأحكام وقيل هي العقود التي يعقدونها بينهم من عقود المعاملات"¹

"ان سے مراد وہ عقود ہیں جن کو اللہ نے بندوں پر لازم قرار دیا ہے ایک اور قول کے مطابق ان سے مراد وہ عہد نامے ہیں جنہیں لوگ آپس میں طے کرتے ہیں"

یہ کسی بھی معاملے کی ایسی نوعیت ہے جس پر نظام زندگی موقوف ہے چونکہ کاروبار زندگی اعتماد پر موقوف ہوتا ہے اور اعتماد عہد کی پاسداری سے ہی ممکن ہے اس لئے اسلام میں عہد توڑنے والے کو بے دین فرد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ملتا ہے:

((لَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ))²
(جس کا کوئی عہد نہیں اس کا کوئی دین نہیں)

حضرت انس سے روایت مروی ہے کہ
(رسول اللہ جب بھی ہمیں خطاب کرتے تو فرماتے: جس شخص میں امان کا احساس نہیں اس کا ایمان نہیں اور جس شخص کا وعدہ نہیں اس کا دین نہیں)

اس حدیث مبارکہ سے واضح ہے کہ امانت و دیانت اور ایفاء عہد مومن کی صفات میں سے ایک ہے کوئی مومن ان دونوں صفات کو نظر انداز نہیں کر سکتا نہ وہ کبھی امانت میں خیانت کرتا ہے اور نہ عہد شکنی کے ذریعے لوگوں کو نقصان میں ڈال دیتا ہے۔ اس حدیث میں لا دین کا مطلب جس کا کوئی مذہب اور دھرم نہ ہو یعنی بے دین شخص البتہ بطور مجاز اس کا اطلاق مسلمان پر بھی ہوتا ہے البتہ جس شخص میں عہد و پیمان کی پاسداری نہ ہو گویا وہ بے دین ہے جبکہ ایسا شخص اگر ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر نہ ہو یعنی اس میں اسلام سے خارج کرنے والی کوئی عنصر نہ پایا جاتا ہو تو وہ مسلمان ہی کہلائے گا³

ہمارے معاشرے میں فکری و اخلاقی انحطاط کی وجہ سے وعدہ خلافی کی مختلف صورتیں ظہور پذیر ہو رہی ہیں عام لوگوں کا رویہ یہ ہے کہ کاروباری لین دین کے علاوہ اس کی سماج میں وقعت نہیں ہے جب چاہے بات کرے اور جب چاہے مکر جائے۔ لوگوں کا ایک دوسرے پر اعتماد اور زباں پر اکتفاء ناممکن ہوتا جا رہا ہے ایک ہی جائیداد کئی ہاتھوں فروخت ہوتا ہے

¹ اشوکانی، بدر الدین، فتح القدیر، ذیل المائدہ: 1، ج 2، ص: 34

² مجلسی، محمد باقر بن محمد تقی، بحار الانوار: ج 16، ص: 144

³ دار الافتاء، دار العلوم دیوبند الہند، جواب نمبر: 149055 Fatwa ID: 1438/6/N=443-417

پھر اس کے حصول کیلئے دشمنیاں اور نفرتیں جنم لیتی ہے جبکہ بعض لوگ بغیر محنت کے لوگوں کی جائیدادوں پر قبضہ کر کے راتوں رات کروڑ پتی ہونے کے چکروں میں اخلاقی و انسانی تمام حدود کو پامال کرنے سے نہیں جھجکتے۔

اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں ایفائے عہد اور آنحضرت ﷺ کا اسوۂ حسنہ مسلمان تاجروں کے تجارتی معاملات اور معاہدات کے لئے بنیاد قرار پایا۔ انہوں نے ایفائے عہد، دیانت داری و امانت داری، معاہدوں کی پاسداری اور وعدوں کی تکمیل میں ایسی مثالیں قائم کی غیر مسلم بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ احادیث میں بعثت سے پہلے کا ایک قول نقل ہوا ہے کہ ایک شخص سے کاروبار کے حوالے سے بات چیت ہو رہی تھی معاہدہ مکمل نہیں ہوا تا کہ اچانک اسے کوئی کام یاد آیا اس نے آنحضرت ﷺ سے واپس آنے کا کہا آنا بھول گیا تین دن بعد اسے یاد آگیا وہ دوڑتا ہوا پتار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ اسی جگہ پر انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں ایسے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَقَدْ شَفَقْتَ عَلَىٰ أَنَا هَاهُنَا مُنْذُ ثَلَاثِ أَنتَظِرُكَ))¹

بے شک تو نے مجھے تکلیف میں ڈال دیا میں تین دن سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں، اسلامی تعلیمات میں ڈھل جانے سے ایک مسلمان یہ محسوس کر سکتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو کسی خاص چیز سے باندھا ہوا ہے یا کسی چیلنج سے اس کو جکڑ لیا ہے اس سے ایسی نفسانی کیفیت ہوتی ہے کہ وہ زبان دے چکا ہے بات ہو چکی ہے اور وہ کسی جبر کے بغیر ارادہ و ہوش و حواس سے دے چکا ہے اب اس سے انکار کرنا ضمیر کی بس کی بات نہیں ہے اگر میں یہ معاہدہ توڑ دوں اور پھر ہر کوئی اس طرح کا عمل انجام دیں تو معاشرے میں انتشار اور نقص غرض لازم آئے گا۔ لیکن بد قسمتی سے پاکستانی معاشرے میں ضمیر کی یہ آواز انفرادی و اجتماعی طور پر حلال و حرام کی عدم تمیز کی وجہ سے ناپید ہو گئی ہے غیرت کے پیمانے بدل چکے ہیں آخرت کا تصور معدوم ہو چکا ہے محبت و بھائی چارہ گی کی فضا مسلوب ہو چکی ہے یہی وجہ ہے کہ کبھی مذہب کے ناپر لوگوں کو نحق خون بہایا جتا ہے تو کہیں علاقائی اور لسانی بنیادوں پر سفید خون کے دعوے کئے جاتے ہیں اگر فطرت سلامتہ تو کبھی خدا پر ایمان رکھنے آخرت پر یقین کے باوجود امانت میں خیانت نہ کی جاتی ہے بابانگ دہل جھوٹ نہ بولا جاتا ہے عہد و عقد کو توڑا نہ جاتا یہ کسی صورت میرے رسول کی تعلیمات سے میل نہیں کھاتی کیونکہ غیر فطری امور کا اسوۂ حسنہ سے کوئی تعلق نہیں۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کو سماج میں زندہ کیا جائے ان کی تعلیمات سے پاکستان سماج کو معطر کیا جائے تاکہ ایفائے عہد امانت داری ایمان داری سچ اور حق جیسے تصورات کو جلا بخشنے۔ احادیث میں عہد پیمان نبھانے کی تاکید ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے:

¹ التبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، ج 4، ص 395 / منذری، الترغیب والترہیب، دار الاحیاء التراث العربی، ج 4، ص 75

((مَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ، فَلَا يُحِلُّنَ عَهْدًا وَلَا يُشِدْنَهِ، حَتَّى يَمِضِيَ أَمَدُهُ أَوْ يَنْبِذُ إِلَيْهِمْ عَلَى سِوَاءٍ))¹

(جس آدمی کے اور کسی قوم کے درمیان عہد و پیمان ہو تو مدت ختم ہونے سے پہلے یا اس عہد کو ان تک برابری کے ساتھ واپس نہ کر دے، ہر گز عہد نہ توڑے اور نہ نیا عہد کرے)

تجارتی معاملات ایفاء عہد کے بغیر ممکن نہیں ہوتی ہے اس کا تعلق کسی خاص علاقے یا مذہب سے نہیں بلکہ یہ اجتماعی زندگی کا بنیادی مسئلہ ہے

"فانه ليس من فرائض الله شئى الناس عليه اجتماعا مع تفرق احوالهم وتشتت آرائهم من تعظيم الوفاء بالعقود لما استوبلوا من عواقب الغدر"²

دنیا بھر کے لوگوں میں اختلاف کے باوجود ایفاء عہد کی طرح کسی اور امر پر اتفاق نہیں ہے اس لئے تو زمانہ جاہلیت کے بت پرست بھی اپنے عہد و پیمائیں کا احترام کرتے تھے کیونکہ وہ عہد و پیمائیں کی شکنی کے انجام کو جان چکے تھے۔ آج پاکستانی سماج میں ابھرتے تنازعات، نفرتوں کی بھرمار اور لڑائی جھگڑے کی بنیادی وجہ بھی ایفاء عہد کا نہ ہونا ہے معاشرے میں عدم اعتماد کی بدولت ہر آنکھ مشکوک نظاروں کا اعادہ کرتی ہے اس سے سماج معاشی عدم استحکام کا شکار رہتا ہے ان حقائق کے پیش نظر قرآن نے ایفاء عہد کی بہت زیادہ تاکید کی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے

﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾³

(اور وعدوں کو پورا کیا کرو کیونکہ اس پر چھا جائے گا وعدے کے بارے میں)

ان مذکورہ آیات سے واضح ہے کہ لوگوں کے درمیان طے پانے والے معاہدوں کی پاسداری یقینی امر ہے کیونکہ قیامت کے دن ایفاء عہد اور عدم وفا کے بارے میں پوچھا جائے گا اگر کوئی عہد کو پورا کرے گا تو وہ ثواب کا حقدار بنے گا اور اگر کوئی وعدہ پورا نہ کرے تو اس پر گناہ عظیم ہو گا۔ امام راغب کے نزدیک:

"ولكون الوفاء سبب العامة الصلاح و الغدر سبب العامة الفساد و عظم الله امرهما"⁴

¹ترمذی، الجامع، کتاب السیر عن رسول اللہ ﷺ، باب: ما جاء في الغدر، حدیث رقم: 1580

- ابوداؤد، السنن، کتاب الجہاد، باب: في الإمام يكون بينه وبين العدو عهد فليسير إليه، حدیث رقم: 2759

²الطبرسی، مستدرک الوسائل، حسن امداد ممتاز الافاضل، (کراچی: محفوظ بک ایجنسی)، ج ۲، ص: 250

³بنی اسرائیل: 34

⁴امام راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ج 2، ص: 659

کیونکہ وفاعام لوگوں کی اصلاح اور اعتماد کا سبب بنتا ہے جبکہ دھوکا لوگوں میں فساد کا سبب بنتا ہے اور یہ دونوں اللہ کے نزدیک زیادہ اہم ہیں ابن کثیر کے نزدیک اوفوا بالعہد سے مراد ”ای الذین تعاہدون علیہ الناس العقود التی تعاملونہم بہا فان العہد و العقد کل منہما یسئل صاحبہ عنہ“¹

”ابن کثیر کے نزدیک عہد سے مراد جس سے لوگ ایک دوسرے سے معاہدہ کر لیتے ہیں اور عقود سے مراد ایک دوسرے سے تعامل کرتے ہیں بے شک عالمین عہد و عقد دونوں سے اس بارے میں پوچھا جائے گا“

عدل وانصاف کا قیام

مسلم معاشرے کا ایک اہم اصول عدل کا نفاذ ہے۔ عدل کا مطلب یہ ہے کسی شخص کے ساتھ بدون افراط و تفریط کے وہ معاملہ کرنا، جس کا وہ واقعی مستحق ہے۔ عدل وانصاف کا ترازو ایسا صحیح اور برابر ہونا چاہیے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے دونوں پلڑوں میں سے کسی پلڑے کو جھکا نہ سکے۔ یعنی نہ محبت و تعلق آپ کو راہ حق سے ہٹائے اور نہ عداوت و دشمنی آپ کو انصاف سے پھیر سکے۔ بس یہی عدل ہے، یہی انصاف ہے، جس کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا نُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾²

(اے ایمان والو! انصاف کے ساتھ گواہی دیتے ہوئے اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ اور تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے کہ تم انصاف نہ کرو) (بلکہ) انصاف کرو، یہ پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ تمہارے تمام اعمال سے خبردار ہے۔)

کسی بھی معاشرہ کی بقاء کے لیے جو چیز لازم اور ضروری ہے، وہ عدل وانصاف ہے۔ عدل وانصاف، کسی معاشرے، کسی مملکت، کسی سلطنت سے اٹھ جائے، کسی حکمران کے اقتدار سے عدل وانصاف ختم ہو جائے، پھر نہ وہ معاشرہ باقی رہ سکتا ہے، نہ وہ سلطنت باقی رہ سکتی ہے، نہ اس حکمران کی حکمرانی اور اقتدار باقی رہ سکتا ہے۔ ہمارے دین میں معاشرتی تعلیمات میں عدل وانصاف کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ یہ عدل وانصاف حاکم کی طرف سے بھی اپنی رعایا کے لیے ہو، اور رعایا کا آپس میں بھی عدل وانصاف کو قائم رکھنا لازم ہے، گویا یہ اجتماعی سطح پر بھی اور انفرادی سطح پر بھی لازم اور ضروری امر ہے۔ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

¹ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ذیل آیت الاسراء: 34، ص: 285

² المائدہ: 8

((مَا مِنْ رَجُلٍ يَلِيَّ أَمْرَ عَشْرَةٍ فَمَا فَوْقَ ذَلِكَ إِلَّا أَتَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مَغْلُولًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَدُهُ إِلَى عُنُقِهِ فَكَهْ بَرَهْ أَوْ أَوْفَقَهُ إِنْثَمَهُ، أَوَّلُهَا مَلَامَةٌ وَأَوْسَطُهَا نِدَامَةٌ وَآخِرُهَا خِزْيُ يَوْمِ الْقِيَامَةِ))¹

"سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو آدمی دس افراد کے معاملات کی ذمہ داری سنبھالتا ہے، وہ روز قیامت اللہ تعالیٰ کے پاس اس حال میں آئے گا کہ اس کے ہاتھ اس کی گردن تک جکڑے ہوں گے۔ اس کی نیکی اس کو آزاد کرائے گی یا اس کی برائی اس کو ہلاک کر دے گی۔" اس امارت (کی ابتداء میں ملامت، درمیان میں ندامت اور آخر میں یعنی قیامت کے روز رسوائی ہوتی ہے۔"

مسلم معاشرہ فقہان عدل سے پڑنے والے مادی و روحانی اور دنیاوی و اخروی اثرات سے پاک ہوتا ہے کیونکہ یہ آفاقی تعلیمات کا عملی مظہر ہونے کے ساتھ امن و سلامتی کا ضامن ہوتا ہے۔

حق گوئی سے تمسک

پاکستانی مسلم معاشرے کا ایک اہم اخلاقی مسئلہ حق سے عدم تمسک ہے۔ حقا کا معنی اصل میں مطابقت اور ہم آہنگی ہے اسی لئے جو چیز واقعیت سے مطابقت رکھتی ہے اسے حق کہتے ہیں۔ یہ جو خدا تعالیٰ کو حق کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ذات مقدس عظیم ترین واقعیت ہے کہ جو قابل انکار نہیں، واضح تر الفاظ میں حق یعنی وہ ثابت اور مضبوط امر جس میں باطل کے لئے کوئی راستہ نہ ہو۔ ابن منظور نے "سچائی" کی تعریف جھوٹ کے متضاد کے طور پر کی ہے، اور وہی نے اس کا ذکر "ایک صالح آدمی بمقابلہ صادق آدمی² اور خلیل ابن احمد بھی کہتے ہیں سچائی کو ہر چیز میں کامل کہا جاتا ہے۔³ قرآن حق گو لوگوں کے ساتھ دینے کی تلقین کرتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾⁴

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ رہو۔)

یہ انسانی اخلاقی خوبی لوگوں کو خدا کی طرف بلانے میں انبیائے کرام علیہم السلام کی سب سے واضح خصوصیت ہے۔ لہذا سچ بولنا نیک اور پسندیدہ انسانی اعمال میں سے ہے اور دین و حکمت کی نظر میں اس کا ایک خاص مقام ہے۔ انسان کی پاکیزہ

¹- ابوداؤد، السنن، باب: الخلافة والبيعة والطاعة والامارة، حدیث رقم: 1331

²- ابن منظور، لسان العرب، (بیروت: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع دار صادر، 1414ھ) چاپ: سوم، ج 10 ص 193

³- فراہیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین، (قم- ایران: نشر جہرت، 1410ھ) چاپ: دوم، ج 5 ص 56

⁴توبہ: 119

فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ تندرست اور متوازن ہو، اس کا دل اور زبان ایک ہو، اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو اور وہ اپنی زبان پر جو یقین رکھتا ہے اس کا اظہار کرے۔ اسلام دین فطرت ہے اور سچائی فطرت کی خواہش ہے اس لیے ان دونوں میں گہرا تعلق پایا جاتا ہے اور اسلام کے مختلف تعبیرات نے اسے ایمان اور دین کے اصولوں میں سے ایک قرار دیا ہے:

الصدق راس الدین¹

"سچائی دین کا سربراہ ہے"

سچ کا تعلق اور رشتہ دین سے ایسا ہی ہے جیسے جسم کا تعلق سر سے ہوتا ہے سر نہ ہونے کی صورت میں پورا جسم مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ لیکن ان تعلیمات کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ عالم پاکستانی سماج اس بنیادی مسئلے سے دوچار ہیں تاریخی نظر سے اگر اسے دیکھا جائے تو حق پرستی کی جگہ شخصیت پرستی نے لے لی ہے یہی وجہ ہے کہ ایک ہی مسلک کے پیروکار مختلف ناموں سے پہچانے جاتے ہیں۔ شخصیت پرستی کی وجہ سے مذہبی جذبات و احساسات کا ہر دور میں استحصال ہوا ہے جس کی وجہ سے مذہبی، سماجی اور علاقائی تعصبات کو فروغ ملا ایسے میں ایک ہی فعل انجام دینے والے دو مختلف افراد کے سزاؤں میں اختلاف کئے جانے لگا۔ ہر مسلک والے دوسرے مسلک کے پیروکاروں کو غیر مذہب قرار دے کر واجب الا قتل قرار دینے لگے حالانکہ اسلامی اصول ان مسلکی تعصبات سے پاک و منزہ ہیں اسلام انسانیت کے قاتل کو قاتل ہی سمجھتا ہے چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، زانی مسلم ہو یا غیر مسلم مساوی حکم صادر کرتا ہے لیکن حق پرستی سے اجتناب اور شخصیت پرستی سے لگاؤ نے حق کے معیارات ہی تبدیل کر کے رکھ دیئے ہیں۔ قرآن کریم میں حق کے مقابلے میں لفظ ظن استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے

﴿وَمَا يَنْبَغُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ﴾²

(ان کی اکثریت ظن کی اتباع کرتی ہے بے شک ظن حق سے مستغنی نہیں کرتا تحقیق خدا اس کو خوب جاننے والا ہے

جس کو وہ انجام دیتے ہیں)

اس آیت سے واضح ہے کہ حق کی اتباع کرنا ضروری ہے تاکہ حقیقت تک پہنچا جاسکے ورنہ ظن سے حقیقت تو کجا دین سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ صاحب تفسیر الکشاف اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

¹ تمیمی آمدی، عبدالواحد بن محمد، تصنیف غرر الحکم ودرر الکلم، محقق، مصحح، درایتی، مصطفیٰ، (تم: دفتر تبلیغات، چاپ اول، 1366 ش)

"إِنَّ الظَّنَّ { في معرفة الله { لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ { وهو العلم { شَيْئاً { وقيل وما يتبع أكثرهم في قولهم للأصنام أنها آلهة وأنها شفعاء عند الله إلا الظن. والمراد بالأكثر الجميع"¹

"اللہ کی معرفت میں ظن کبھی معلوم تک نہیں پہنچا سکتا اور بعض مفسرین کے نزدیک ان کی اکثریت کا یہ خیال ہے کہ کہ بت ان کا خدا اور اللہ کے نزدیک شافع ہے تو یہ کچھ نہیں ہے سوائے ظن کے۔"

احادیث نبویہ میں بہت سے مقامات پر قبول حق اور اس پر عمل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کی قسم! تم ضرور نیکی کی دعوت دیتے رہنا اور برائی سے منع کرتے رہنا، ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اسے حق کی طرف جھکا دینا اور حق بات قبول کرنے پر اسے مجبور کر دینا۔² ایک اور مقام پر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

(جب تک تم نیک لوگوں سے محبت رکھو گے بھلائی پر رہو گے اور تمہارے بارے میں جب کوئی حق

بات بیان کی جائے تو اس مان لیا کرو کہ حق کو پہچاننے والا اس پر عمل کرنے والے کی طرح ہوتا ہے)³

ان روایات کے منطوق سے واضح ہے کہ حق بات کی دعوت دینا اور اسے حق بات تسلیم کرنے پر مجبور کرنا ایک ایسی عظیم عبادت ہے جس کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے اللہ کے رسول نے ذات اقدس کی قسم سے اس مفہوم کو بیان فرمایا ہے تاکہ اس کام کی عظمت کا اندازہ عام لوگوں کو ہونا چاہیے ایک اور حدیث کے مطابق کلمہ حق کو افضل جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ حدیث مروی ہے۔

((إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ أَوْ أَمِيرٍ جَائِرٍ))⁴

(بے شک سب سے بڑا جہاد جابر حکمران کے سامنے حق بات کہنا ہے)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ حق بات کہنا یا حق بات کا اظہار افضل ترین جہاد میں سے ہے جتنا اجر و ثواب جہاد کا ہے ان میں سے افضل ترین اجر و ثواب کا استحقاق وہ شخص رکھے گا جو سلطان جائز کے سامنے کلمہ حق ادا کرے گا۔ احادیث و روایات میں اتنی ترغیب کے باوجود مسلم معاشرہ اس فضیلت سے محروم ہے۔ دنیاوی مفاد کے خاطر حق گوئی سے احتراز

¹ از مخشری، تفسیر الکشاف، ذیل آیت ہذا، ج 11، ص: 463

² ابوداؤد، السنن، کتاب الملاحم، باب: الأمر والنہی، ج 4، ص: 162، حدیث رقم: 4336

³ البیہقی، شعب الایمان، باب المقاربة والمودة، ج 6، ص: 503، حدیث رقم: 9063

⁴ ابوداؤد، السنن، کتاب الملاحم، باب: الأمر والنہی، ص: 123/4، حدیث رقم: 4344

-ترمذی، السنن، کتاب الفتن، باب: ما جاء آفضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائز، ص: 471/4، حدیث رقم: 2174

-ابن ماجہ، السنن، کتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف والنہی عن المنکر، ص: 1329/2، حدیث رقم: 4011

اور جھوٹی گواہوں کی جرات کچھ لوگوں کا وطیرہ بن چکا ہے تھانہ پکھری اور عدالتوں میں ایسے لوگوں کی بہتات پائی جاتی ہے جو مختصر رقم کے عوض جھوٹی گواہی کو ذریعہ معاش متصور کرتے ہیں یوں یہ عمل فتنہ مسلم معاشرے میں ایک معمولی عمل کی طرح راسخ ہوتا جا رہا ہے اور اس کی قباحت عام لوگوں کے نزدیک ختم ہوئی جا رہی ہے۔

لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ صداقت اور حق گوئی کو معاشرے میں عام کیا جائے تاکہ معاشرے کو مفسد سے بچایا جائے کیونکہ دروغ گوئی سے اعتماد ختم ہونے کی بدولت تمام معاملات زندگی درہم برہم ہونے کے امکانات قوی ہوتے ہیں جو معاشرتی زوال کا سبب ہے

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں معاشی مسائل کا حل

قرآن مجید نے مال و دولت کو انسانی زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔ انسانی زندگی میں اس کی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم نے بہت سے آیات کی ضمن میں اسے خیر اور فضل سے تعبیر کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے

﴿وَإِنَّهُ لَخَيْرٌ لِّشَدِيدٍ﴾¹

(اور بے شک وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾²

(پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو اس امید پر کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔)

اس طرح بعض آیات میں اسے دنیا کی زینت قرار دیا گیا ہے:

﴿الْمَالُ وَالنَّبُوتُ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَةُ الصَّالِحَةُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا﴾³

¹ العاديات: 8

² الجمعة: 10

³ الکہف: 46

(مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی رونق ہیں اور باقی رہنے والی اچھی باتیں تیرے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے زیادہ بہتر اور امید کے اعتبار سے زیادہ اچھی ہیں۔)

مال و دولت انسانی معاشرے کے لیے وہی حیثیت رکھتے ہیں، جیسے انسانی زندگی خون کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔ کوئی بھی معاشرہ معاشی سرگرمی کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ اس وجہ سے معاشرے کی ترقی کے لیے مال و دولت کے متعلق ایک صحیح اور متوازن فکر کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاجِرَ لِنَبْتَعُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾¹

(پانی میں تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں اس کا سینہ چیرتی ہوئی چلی جا رہی ہیں، تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔)

تجارت، زراعت، صنعت (ہنر مندی) اور ہر جائز وسیلے سے مال کمانے کی شریعت نے نہ صرف اجازت دی ہے، بلکہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے اور دوسروں کا دست نگر بننے کے بجائے ہاتھ پاؤں مار کر محنت و مشقت کر کے روزی روٹی حاصل کرنے اور مال کمانے کی ترغیب دی ہے:

﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾²

(اور جو مال تجھے اللہ نے دیا ہے اس کے ذریعے آخرت کا گھر طلب کر اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول)

اس کے برخلاف دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے عزلت نشین بننے کے بجائے دنیا میں رہ کر اور دنیا کے لوگوں سے مل کر ان کے ساتھ لین دین کر کے مال کمانے، پھر حاصل شدہ مال کو اللہ کی راہ میں اور محتاج اور ضرورت مند انسانوں میں خرچ کر کے دنیا میں عزت و شرف اور آخرت میں بھی مقام بلند حاصل کرنے کی راہ بھی دکھائی ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے: ”ہم رسول اللہ کے ساتھ ایک لڑائی میں شریک تھے۔ ہمارے پاس ایک پھر تیلانوجوان گزرا، جو غنیمت میں حصے کے طور پر ملے مویشی کو لیے جا رہا تھا، تو ہم بول پڑے کہ ’اگر اس کی جوانی و سرگرمی اللہ کی راہ میں صرف ہوتی تو کیا ہی اچھا ہوتا‘۔ ہماری یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’تم کیا کہہ رہے تھے؟‘ ہم نے بتایا کہ ’یہ اور یہ‘۔ آپ نے فرمایا: ’اگر وہ والدین یا ان میں سے کسی ایک کے لیے بھاگ دوڑ

¹ فاطر: 13

² القصص: 77

کرے، تو یہ بھی اللہ کی راہ میں شمار ہوگا، اور اگر وہ اہل دنیا کے لیے تگ و دو کر رہا ہو، تاکہ ان کی کفالت کر سکے تو یہ بھی اللہ کی راہ میں گنا جائے گا، اور اگر اپنی ذات کے لیے کام کرے تو یہ بھی فی سبیل اللہ ہوگا۔¹

معاشی استحصال کا خاتمہ

اس وقت سودی نظام نے مسلم سماج کو جکڑ کر رکھا ہے جس کی وجہ سے امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ ایک ایسا موذی نظام ہے جو آفاقی اور الٰہی نظام کے بالکل برعکس تعلیمات رکھتا ہے۔ کتب لغت میں ربا کا مطلب زیادہ کے ہے الزیادۃ، ويقال: ربا المال: زاد، وربا الشجر۔ امام ابن باز ربا کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وفي الشرع: هو الزيادة في أحد النوعين من المال على النوع الآخر، هذا إذا كانا من جنس واحد، كالذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير ونحو ذلك، إذا زاد أحدهما على الآخر هذا يقال له: ربًا شرعًا، ممنوع شرعًا، فليس للمسلم أن يبيع درهمًا بدرهمين، ولا دينارًا بدینارین، إذا كانت زنة الدينار واحد"²

“شرعی اصطلاح میں ربا سے مراد ایک ہی نوع کے مال میں جب وہ دونوں مال ایک ہی جنس میں سے ہو، زیادتی مال کو طلب کرنا ہے جیسے سونے کے عوض سونا طلب کرنا چاندی کے عوض چاندی طلب کرنا جو کے عوض جو طلب کرنا کہ لینے والے مال کی مقدار دینے والے مال سے زیادہ ہو تو ایسے معاملے کو ربا شرعی کا نام دیا جاتا ہے۔ جو کہ شرعاً ممنوع ہے پس مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں کی ایک درہم کے مقابلے میں دو درہم کا تقاضا کرے۔”

اس سے مراد وہ متعین شدہ رقم جو قرض دینے والا مقروض میں سے ایک خاص مدت کے بعد تقاضا کرتا ہے ایسے مال کو ترک کرنا ضروری ہے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سود تمام قباحتوں کا محور ہے یہ ایک ایسے ظالمانہ سلسلے کی بنیاد رکھتا ہے جو عامۃ الناس کی امیدوں کو روندنا چلا جاتا ہے اس نظام سے متمسک افراد کو خدا اور رسول ﷺ سے جنگ کرنے کے مترادف قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

¹ بیہقی، شعب الایمان، (بیروت: مکتبۃ الرشد للنشر والتوازیع لبنان، 1423ھ)،

² امام ابن باز، مجموعہ فتاویٰ، الموقع الرسمي للسماحة الشیخ الامام ابن باز رحمہ اللہ، ص: 122

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْنُوا فَالْكَفْرُ ءَؤُسٌ أَمُوكُمْ لَا تَظْلُمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾¹

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ باقی سود رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو۔ اگر تم حقیقی ایمان والے ہو اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ ہاں اگر توبہ کر لو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے گا)

سود کی مذمت اور اس سے اجتناب کی تلقین میں اسلام اس حد تک سخت ہے کہ اس معاملے میں جو کوئی کسی طرح شریک ہو، چاہے اس کی دستاویز لکھنے والا ہو یا اس پر گواہی دینے والا، ان سب پر وہ لعنت بھیجتا ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ سے مروی ہے:

قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ الرِّبَا وَمُوكَلَّهُ قَالَ: قُلْتُ: وَكَاتِبُهُ وَشَاهِدِيهِ، قَالَ: إِنَّمَا نُحَدِّثُ بِمَا سَمِعْنَا.²

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے اور اس کی دستاویز لکھنے والے، اس پر گواہی دینے والوں، سب پر لعنت بھیجی ہے اور فرمایا کہ یہ سب برابر ہیں۔"

اسلام محنت کی عظمت اور تقدس کو اہمیت دیتا ہے اور اسے ملکیت اور نفع کی اساس قرار دیتا ہے۔ وہ اس بات کو روا نہیں رکھتا کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھے رہنے والا فرد مال کا حق دار ٹھہرے یا دولت سے دولت پیدا کرے۔ دولت صرف محنت سے پیدا ہو سکتی ہے بصورت دیگر وہ مال حرام قرار پاتا ہے۔

حرمیت سود میں ایک اور حکمت مضمحل ہے جو آج ہم پر دور جدید میں منکشف ہو رہی ہے اور غالباً اس سے پہلے سامنے نہیں آئی تھی، وہ یہ کہ سود ایک ایسا عامل ہے جو سرمایہ میں بے حد و حساب اضافہ کرتا جاتا ہے۔ یہ اضافہ نہ کسی سعی و جہد کا نتیجہ ہوتا ہے اور نہ کسی طرح کی محنت کا ثمرہ۔ سود کی یہ صفت ایسی ہے جو ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھے رہنے والوں کو موقع فراہم کرتی ہے کہ وہ افزائش دولت کے سلسلہ میں تمام تر اسی ایک ذریعے پر انحصار کر بیٹھیں۔ یہ سب کچھ ان محنت کشوں کے بل پر جو دولت کے محتاج ہوتے ہیں اور تنگی کے عالم میں مجبور ہو کر سودی قرض لیتے ہیں۔ اس طرح دو خطرناک اجتماعی امراض سر اٹھاتے ہیں۔ سرمایہ میں بے حد و حساب اضافہ اور انسانیت کی بلند و پست دو طبقات کے مابین روز افزوں تفریق جو کسی

¹ البقرہ: 278

² مسلم، الصحیح، کتاب المساقات، باب: ناجاء فی اکل الربا، حدیث رقم: 4092

بھی حد پر جا کر رکھنے کا نام نہیں لیتی۔ حقیقت یہ ہے کہ سود کھانا اسلامی تصور زندگی کے اس بنیادی اصول سے ٹکراتا ہے کہ مال اللہ کا ہے جس میں اس نے انسانوں کو نائب بنایا ہے۔ ان شرطوں کے تحت کہ نائب بنانے والے اللہ کا منشا پورا کرے نہ کہ انسان جو چاہے کرے؟

بعض روایات کے مطابق قیامت کے دن سود کھانے والے سے کہا جائے گا کہ اللہ کے خلاف جنگ کرنے کے لئے ہتھیار اٹھاؤ۔ اس سے اس عمل کی سنگینی کا اندازہ ہوتا ہے کون ہو گا جو قیامت کے دن اللہ کے خلاف تلوار اٹھائے گا؟ اس لئے بعض مفسرین روایات کا سہارا لے کر سودی شخص کے باز نہ آنے پر اس کی گردن اڑانے کا حکم دیتے ہیں۔ الطبری کی روایت کے مطابق:

((فَمَنْ كَانَ مُقِيمًا عَلَى الرِّبَا لَا يَنْزِعُ عَنْهُ، فَحَقَّ عَلَى إِمَامِ الْمُسْلِمِينَ أَنْ يَسْتَنْتِيْبَهُ، فَإِنْ نَزَعَ، وَإِلَّا ضُرِبَ عُنُقُهُ))¹

(اگر کوئی شخص سودی کاروبار پر مصر رہے اور اسے ترک نہ کرے تو امام مسلمین پر واجب ہے کہ اس سے توبہ طلب کرے پس اگر وہ رک جائے تو ٹھیک ورنہ اس کا سر قلم کیا جائے۔)

اسی طرح حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ

((قَالَ: يُقَالُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِأَكِلِ الرِّبَا: خُذْ سِلَاحَكَ لِلْحَرْبِ))²

(قیامت کے دن سود کھانے والے سے کہا جائے گا کہ اپنے ہتھیار کو جنگ کے آمادہ کرو)

دوسری آیت میں سودی معاملات کرنے والے کو کافر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزِيهِ الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ))³

خدا تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے اور گنہگار سے محبت نہیں کرتا اس آیت میں سود خور کو کافر سے تشبیہ دی گئی ہے اور سود سے پیدا ہونے والی زہنیت کبھی بھی اسلامی تعلیمات سے میل نہیں کھاتی سود خور کا ہم و غم دوسروں کی ضرورت اور بے چارگی سے استفادہ کرنا اور دوسرے کی عزت تار تار کر کے اپنی جیب بھرنا ہے سودی کاروبار کرنے والے کے پاس باہمی ہمدردی، محبت اور بھائی چارہ گی کے الفاظ بالکل غیر مانوس ہوتے ہیں یا پھر ناقابل

¹ الطبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ذیل البقرة: 278، ص: 47

² ایضاً، ص: 47

³ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ذیل البقرة: 276، ج 1، ص: 448

برداشت تصورات ہوتے ہیں انسانی اقدار سے متناقض ہونے کی وجہ سے احادیث میں بھی سود کرنے والے کے لئے وعید سنائی گئی ہے۔

((قال: يقال يوم القيامة لأكل الرباء، خذ سلاحك للحرب ثم قراء (فان تفعلوا...رسوله))¹

"روایت ربیعہ کے مطابق ابن عباس سے منقول ہیں کہ قیامت کے دن الربا کھانے والے کو آواز دی جائے گی اللہ اور اسکے رسول سے جنگ کے لئے اپنا ہتھیار اٹھاوے۔"

مذکورہ آیات اور روایات سے واضح ہوتا ہے کہ ربا اور سودی نظام اسلام کی نظر میں ایک مغوض عمل ہے جسے، خدا اور رسول سے جنگ کے مترادف قرار دیا گیا۔ بعض روایات کے مطابق اگر لوگ اس بے باز نہ آئے تو گردن اتارنے کا حکم دیا گیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر شخص اس سزا پر قادر ہے بلکہ یہ ذمہ داری امام مسلمین پر عائد ہوتی ہے کہ وہ پہلے طلب توبہ کرے نہ کرنے کی صورت میں سزا سنادے کیونکہ اسلام سود کے ان قباحتوں کو کسی صورت برداشت نہیں کر سکتا جن سے ہمدردی اخوت اور محبت جیسے مفاہم کا خاتمہ کر دے ان قباحتوں کو تین بڑی قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

ربا انسان کی فکر و سوچ سے لے کر مال تک ہجانی کیفیت میں رکھتا ہے اس سے ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ مال کے علاوہ اس دنیا میں انسان کی کوئی قدر و قیمت نہیں اس سے انسانی رشتے کمزور پڑ جاتے ہیں بہت سی قباحتیں اس ضمن میں بہت سے قباحتیں پائی جاتی ہیں جن کو ذیل میں تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

سود کی سب سے پہلی قباحت یہ ہے کہ یہ خود ایک ظلم عظیم ہے سودی کاروباری کو اس سے فرق نہیں پڑتا کہ کسی کا گھرا جڑ گیا کسی کی پونجی ڈوب گئی اسے یہ بھی فکر نہیں ہوتی کہ ایسے سو گھرانے ڈوب جائے یہ سنگ دلانہ مزاج اس سود خوری کا لازمی نتیجہ ہے۔

، دوسری قباحت یہ ہے کہ یہ انسان کو خود غرض ذات غرض بنادیتی ہے لہذا وہ جس کسی محفل میں بھی بیٹھے وہ صرف اپنے فائدے کی بات کرے گا۔ اسے دوسرے کے نقصان سے کوئی غرض نہیں یعنی سودی تجارت سے وہ ایسا جانور بن جاتا ہے اپنی اور اپنے بچوں کی فکر لاحق ہوتی ہے۔

تیسری بڑی قباحت یہ ہے کہ اس سے تہذیبی خرابیاں جنم لیتی ہیں وہ تہذیب جس کا شعار ایثار و قربانی محبت اور بھائی چارہ کی ہوتا تھا یہ ان اقدار کو ختم کر کے مال و دولت پرستی کی طرف کھینچ لاتا ہے سود خور ایک جگہ بیٹھ کر اتنا کماتا ہے جتنا عامل

¹ السیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ج 3، ص: 271

نہیں کماتا ایسے میں کام کرنے والے کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور سرمایہ دار کی حوصلہ افزائی لازم آتی ہے یعنی انسانی کی محنت ایک بے قیمت اور بے حیثیت شئی بن کر رہ جاتی ہے لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ انسانی محنت کے ضیاع پر کسی کا دل نہیں دکھتا لیکن چار پیسے کم ملنے پر یا ضیاع پر برسوں سو گوار رہتے ہیں اس کی چوتھی قباحت یہ ہے کہ گھر بیٹھے بغیر محنت کیے مفت خوری کی مزاج انسانی عادت میں ڈھل جاتی ہے خون پسینہ بہا کر محنت کی کمائی کی لذت سے محروم ہو جاتا ہے جو کہ ایک با برکت اور پاکیزہ کمائی ہوتی ہے۔¹

سود کا متبادل نظام

اسلام نے سودی نظام کے مقابلے میں کچھ جائز معاملات کے تصور کو پیش کیا ہے جو کسی بھی قسم کے استحصال سے پاک ہے جیسے قرض الحسنہ دینا، مضاربیت، بیع معجل و بیع مؤجل، مراہمہ، اجارہ، سروس چار جز وغیرہ ہیں۔
مضاربیت:

شریعت کے مطابق مضاربیت سے مراد:

"عَنْ عَقْدَ بَيْنَ اثْنَيْنِ يَكُونُ مِنْ أَحَدِهِمَا الْمَالُ وَ مِنَ الْآخَرِ التِّجَارَةُ فِيهِ وَ يَكُونُ الرَّبْحُ بَيْنَهُمَا"

"عقد مضاربیت دو شخصوں کے درمیان ایسے معاہدے کو کہا جاتا ہے جس میں ایک جانب سے سرمایہ اور دوسری جانب سے محنت ہو اور پھر حاصل ہونے والا نفع دونوں کے مابین حسب معاہدہ تقسیم کیا جاتا ہو۔"

یہ نظام آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ سے بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت خدیضہ رضی اللہ کا مال اکثر مضاربہ پر دیا تھا²

قرض الحسنہ:

قرض حسنہ سود کی خصوصیات سے پاک ہو رہی ہے حکومت یا دیگر مالیاتی ادارے قرضہ حسنہ دے سکتے ہیں بلا سود قرضے جاری کر سکتے ہیں جو خالصتاً قرض حسنہ کی بنیاد پر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایمان والوں کو قرضہ حسنہ دینے کی ترغیب دی ہے ارشاد خداوندی ہے:

¹ غازی، محمود احمد، محرمات الربا اور غیر سودی مالیاتی نظام، (اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز)، ص: 23-24

² ابن کثیر، السیرۃ النبویہ (من البدایۃ والنہایۃ)، (بیروت: دار المعرفۃ للطباعة والنشر والتوزیع، لبنان، 1395ھ)، ج 1، ص: 262

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَ يَبْصُطُ
إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾¹:

(ہے کوئی جو اللہ کو اچھا قرض دے تو اللہ اس کے لئے اس قرض کو بہت گنا بڑھا دے اور اللہ تنگی دیتا ہے اور وسعت دیتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔)

مراجہ:

ایسا معاہدہ جس کے ذریعے کوئی شے خریدی جائے، خریدنے والا اپنا نفع اور اخراجات کما کر کسی اور کو دے دے مثلاً کوئی بینک مشینری باہر سے منگوا کر کسی کو دے اور اپنا نفع کمائیں۔

بارٹر سسٹم:

بین الاقوامی تجارت میں مال کے بدلے میں مال بھی سود کے عنصر سے پاک ہے اگر ہم بیرونی ملک سے گندم کے بدلے میں کھاد یا کوئی اور چیز لیں تو مال کے بدلے مال کا نظام سود سے پاک ہے۔

اجارہ:

یہ بھی بیع کیا گیا قسم ہے جو سود سے مبرا و منزا ہے مثلاً کسی چیز کا کرایہ وصول کرنا یا مزدوری لینا ایک مثال ذریعہ رقبہ کو پٹے پر دینے کی ہے۔ اجارہ سے مراد ایسا لین دین یا معاہدہ ہے جس میں کسی جائز چیز کی ملکیت اپنے پاس رکھتے ہوئے اس کا استعمال اور حق انتفاع دوسرے کو ایک مقررہ مدت کے لئے فروخت کیا جائے۔²

ارتکاز دولت کا خاتمہ

اسلامی نظام معیشت میں کسی خاص طبقہ میں ارتکاز دولت ہرگز پسندیدہ نہیں ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ جب دولت کا دوران صرف ایک طبقہ تک محدود ہو جاتا ہے اور باقی طبقات محروم ہو جاتے ہیں تو پھر اس کے نتیجے میں امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے فکری و اخلاقی تحدیات کے لئے راہیں کھل جاتی ہیں اسی طرح جب کبھی ملک میں اس قسم کے حالات پیدا ہو جاتے ہیں تو پھر وہاں کمیونزم اور سوشلزم کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ قرآن ارتکاز دولت کے بارے میں کہتا ہے:

﴿لَا يَكُونُ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ﴾³

¹ البقرة: 245

² غازی، محمود احمد، حرمت الربا اور غیر سودی مالیاتی نظام (اسلام آباد: انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز 1993ء)، ص: 64

³ الحشر: 7

(تاکہ وہ تمہارے دولت مندوں میں نہ پھرتا رہے)

دولت کی منصفانہ تقسیم کا لائحہ عمل

اسلام دولت کی منصفانہ تقسیم کا ایک بہترین نظام رکھتا ہے اس نظام کی بدولت دولت اعلیٰ طبقے سے گردش کرتی ہوئی سفلی طبقے تک آجاتی ہیں تاکہ کوئی اس حق سے محروم نہ ہو۔ اس نظام کو ذیل میں تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے:

اسلام کا صدقاتی نظام:

ارتکاز دولت کے انسداد کا ایک بہترین نظام جس سے دولت منجمد بھی نہیں ہوگی اور معاشرتی نظام بھی ترقی کی راہ پر گامزن رہے گا وہ صدقات کا نظام ہے۔ شریعت اسلامی نے مختلف عنوانات سے موقت و غیر موقت صدقات اور کفارات کثرت سے مسلمان کے ذمے عائد کیے ہیں۔ ان کے ذریعے سے بھی حاجت مند لوگوں کی کافی حد تک معاشی عیانت ہو سکتی ہے اور دولت بھی ایک جگہ منجمد نہیں ہوتی۔

موقت صدقات واجبہ:

موقت صدقات واجبہ میں ایک زکوٰۃ اور دوسرا صدقہ فطر ہے۔ نظام زکوٰۃ ہر اس مسلمان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے جو کسی مال کے نصاب کا مالک ہو۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾¹

(اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل (وصول) کرو جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کر دو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے)

غیر موقت صدقات واجبہ:

اسلامی تعلیمات میں خدا کی نافرمانی اور ارتکاب گناہ کی دنیاوی اُخروی سزا سے بچنے کے لئے رب العزت نے توبہ اور مغفرت کا طلب کرنا تجویز فرمایا ہے لیکن اس کے ساتھ اس نے اپنے حاجت مند بندوں کی حاجت روائی کی حکمت کے تحت بعض گناہوں کا کفارہ بھی واجب فرمائے ہیں جیسے روزے کا کفارہ، قسم کا کفارہ، حج کے کفارت، کفارہ ظہار وغیرہ۔

¹ التوبہ: 103

قسم کا کفارہ:

ہر کوئی شخص کسی برے کام کے نہ کرنے کی قسم اٹھاتا ہے لیکن وہ شخص اپنی قسم پر قائم نہیں رہتا وہ کام دوبارہ کر بیٹھتا ہے تو اب وہ قسم کا کفارہ ادا کرے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَاكُنْ يُوَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ اللَّهُ غَفُورٌ
حَلِيمٌ﴾¹

(اور اللہ ان قسموں میں تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا جو بے ارادہ زبان سے نکل جائے ہاں اس پر گرفت فرماتا ہے جن کا تمہارے دلوں نے قصد کیا ہو اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا حلم والا ہے۔)

کفارہ ظہار:

لفظ ظہار ظہر سے مشتق ہے چونکہ اہل جاہلیت اپنی بیوی سے ظہار کرتے وقت یوں کہتے تھے یعنی تو مجھ پر ایسی ہے جیسی میری ماں کی پیٹ۔

"يقول الرجل لامرته انت على كظهر امي او ما اشبه ذالك فعلى ان يعتق رقبة"

شریعت میں حکم یہ ہے کہ اگر اس طرح خواہ کسی عضو کا نام لے تب بھی ظہار ہو جائے گا۔ جس پر لازم ہے کہ وہ غلام آزاد کرے ظہار جاہلیت کے زمانے میں طلاق سمجھا جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے طلاق شمار نہیں کیا۔
کفارات حج:

ایسے ہی حج کے کفارات بھی بعض کوتاہیوں کے معاملے میں تجویز کیے گئے ہیں ان کا ذکر اللہ تعالیٰ نے مختلف صورتوں میں کیا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيِّدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ
مَا قُتِلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ
عَدْلٌ ذَلِكَ صِيَامًا لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهُ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمِ اللَّهُ مِنْهُ²
وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾²

(اے ایمان والو! شکار کو نہ قتل کرو جب تم احرام میں ہو، اور تم میں سے جو کوئی اسے جان بوجھ کر مارے تو پھر بدلے میں اس مارے ہوئے کے برابر مویشی لازم ہے جو تم میں سے دو معتبر آدمی تجویز کریں بشرطیکہ قربانی کعبہ تک پہنچنے

¹ البقرة: 225

² المائدة: 95

والی ہو یا کفارہ کا کھانا مسکینوں کو کھلانا ہو یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ اپنے کام کا وبال چکھے، اللہ نے اس چیز کو معاف کیا جو گزر چکی، اور جو کوئی پھر کرے گا اللہ اس سے بدلہ لے گا، اور اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے۔)

کفارہ کا روزہ:

روزے کا کفارہ بھی ارتکاز دولت کے انسداد کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعے بھی غریبوں اور مسکینوں کے لئے

لوازمات زندگی فراہم کی جاتی ہے تاکہ دولت کی گردش کمزور طبقے کی طرف ہو۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى

الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۚ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۚ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾¹

(گنتی کے چند روز، پھر جو کوئی تم میں سے بیمار یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر لے، اور ان پر جو اس کی

طاقت رکھتے ہیں فدیہ ہے ایک مسکین کا کھانا، پھر جو کوئی خوشی سے نیکی کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے، اور روزہ

رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔)

یہ آیت قرآن مجید کی وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزوں کی فرضیت کو بیان کیا ہے اور اس کے ساتھ

کچھ مخصوص رخصتوں کو بھی بیان کیا ہے جو مروج ہیں، جیسے بیماری یا سفر کی حالت میں روزے نہ رکھنے کی اجازت۔ اللہ

تعالیٰ نے دین میں آسانی رکھی ہے اور مسلمانوں کو مشکلات میں سہولت دینے کے لیے رخصتیں فراہم کی ہیں۔ بیماری اور

سفر ایک عام انسانی حالت ہیں، اور ان حالات میں روزے چھوڑنے کی اجازت دی گئی ہے

صدقات نافلہ:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اوقات ہنگامی سورۃ حال کے پیش نظر محتاجوں و فقیروں اور مسافروں کی کفالت اور

مصلحت عامہ کے لیے صدقہ طلب کیا کرتے تھے۔ ریاض الصالحین میں ایک حدیث پاک سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ

ایک مرتبہ ایک قافلہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے اپنی شرمگاہوں کو چھپانے کے لیے کپڑے اپنے

گلوں میں لٹکائے رکھے تھے۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر آپ ﷺ بڑے غمناک ہوئے پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم کو ترغیب دلائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے گھروں سے صدقہ لانے لگے آپ ﷺ کے سامنے مال کے دو ڈھیر

لگ گئے ہیں ایک صحابی اتنی زیادہ مقدار میں کھجور لائے صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں ہمیں یوں لگا کہ وہ تھک جائیں گے

اٹھاتے ہوئے حتیٰ کہ وہ صحابی تھک گئے۔ اس صورتحال کو دیکھ کر آپ ﷺ کا غم دور ہوا حضور کا چہرہ انور کھل اٹھا۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

"حَتَّى رَأَيْتُ وَجْهَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَتَهَلَّلُ كَأَنَّهُ مُذْهَبَةٌ"¹

جب آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اسی طرح مسلمانوں کی کثیر تعداد نے ہجرت کی۔ مسلمانوں کے لیے پینے کے پانی کا مسئلہ درپیش ہوا تو آپ ﷺ نے مخیر حضرات کو اس کام کی ترغیب دلائی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہودی سے بیٹھے پانی کا کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وقف کر دیا۔

وراثت کا قانون:

وراثت ایک غیر اختیاری انتقال ملکیت ہے جس کے ذریعے ایک متوفی کا ترکہ اس کے ورثہ کے حق میں بطریق خلافت منتقل ہو جاتا ہے۔ دین اسلام نے ارتکاز دولت کے مسئلے کا حل پیش کرنے کے لیے اپنے ماننے والوں کو وراثت کا حق دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمُ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾²

(اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر)

اللہ نے ہر شخص کو اس کی ضروریات اور ذمہ داریوں کے مطابق حصہ دیا ہے۔ اس میں اللہ کی حکمت، عدل اور انسانوں کے بہترین مفاد کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

غنائم جنگ:

جنگ میں جو مال غنیمت فوجیوں کے ہاتھ آئے اس کے متعلق یہ قانون بنایا گیا ہے کہ اس کے پانچ حصے کیے جائیں چار حصے فوجی میں تقسیم کر دیے جائیں اور ایک حصہ اس لیے رکھ دیا جائے کہ عام قومی مصلحت میں استعمال ہو جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ

وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِن كُنْتُمْ أَمْنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ النِّقَىٰ الْجَمْعَانِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾³

¹، نسائی، السنن الصغری، باب: التحریض علی الصدقة (حلب: المطبوعات الاسلامیہ، 1395ھ) حدیث رقم: 3703

² النساء: 11

³ الانفال: 41

(اور جان لو کہ جو کچھ تمہیں بطور غنیمت ملے خواہ کوئی چیز ہو تو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، اگر تمہیں اللہ پر یقین ہے اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلہ کے دن اتاری جس دن دونوں جماعتیں ملیں، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔)

انفاق فی سبیل اللہ:

اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا انفاق فی سبیل اللہ کہلاتا ہے اور یہ دولت کو ایک ہی ہاتھ میں جمع ہونے سے روکنے کا موثر حل ہے اسلام کے معاشی نظام میں تقسیم دولت اس اصول پر ہے کہ مال تمہارے دولت مندوں کے درمیان ہی گردش نہ کرتا رہے بلکہ اس کی گردش کا رخ امراء سے غرباء کی جانب اور دولت مندوں سے ناداروں کی جانب ہو۔ انفاق فی سبیل اللہ کی کئی مدات ہیں اس وسیع مد میں خرچ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یوں ترغیب دلائی:

﴿وَأَنْفَقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ وَأَحْسِنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾¹

(اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور بھلائی والے ہو جاؤ بے شک بھلائی والے اللہ کے محبوب ہیں) اسلام نے ارتقا ز دولت کے مسئلہ کا ایک اور حل ہبہ قرار دیا ہے۔ ہبہ اپنے لفظی معنی میں کسی ایسے شے کو دے دینا ہے جس سے وہ شخص جس کے نام ہبہ کیا جائے فائدہ حاصل کر سکے۔ ہبہ کی تعریف کنزالدقائق میں یوں بیان ہوئی ہے:

"ہی تملیق العین بلا عوض"²

"یعنی بلا معاوضہ کے دوسرے شخص کو مالک بنانا ہے"

ایک شخص کا دوسرے شخص کی طرف کسی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ کا فوری اور بلا معاوضہ منتقل کرنا اور اس دوسرے شخص کا خود یا اس کی طرف سے کسی اور صاحب مجاز کا اس شے موہوبہ کو قبول کر لینا ہبہ کہلاتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ ہبہ، موہوبہ جائیداد کے حق ملکیت اور اس پر اختیارات سے کلیتہاً دستبردار ہو جائے۔³ ان تمام مطالب سے یہ واضح ہے کہ ان اصولوں پر عملدرآمد سے ارتقا ز دولت کا انسداد ممکن ہے کیونکہ ان ذرائع سے دولت کا رخ امراء سے غرباء کی طرف ہوتا ہے اور دولت منجمد ہونے کے بجائے اس کے اصل حقداروں تک پہنچ جاتا ہے۔

¹ البقرة: 195

² النسخ، امام عبد اللہ بن احمد محمود، کنزالدقائق، (کراچی: مکتبۃ البشری، 2010)، ص: 127

³ تنزیل الرحمن، مجموعہ قوانین اسلام، (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، 1978ء، ج 5، ص: 1585)

سیاسی مسائل کا حل قرآن کی روشنی میں

اسلام میں حاکم اعلیٰ اللہ جل شانہ کو مانا گیا ہے، کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے؟ کیا حلال ہے کیا حرام ہے؟ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوگا، انسان خود کسی چیز کو حرام یا حلال قرار دینے میں آزاد نہیں ہے۔ زنا حرام ہے یا حلال؟ سود لینا اور دینا حلال ہے یا حرام؟ اس کی تعیین صرف اللہ جل شانہ کریں گے جب کہ اہل مغرب اعلیٰ اتھارٹی انسان کو سونپ دیتے ہیں کہہر چیز کا اختیار انسان کے ہاتھوں میں ہے، وہ جسے درست کہہ دے وہ درست اور جسے غلط کہہ دے وہ غلط، صحت و سقم کا دار و مدار انسان کی عقل پر ہے اور وہ ہر طرح سے آزاد ہے جیسے زنا کرنا درست ہے یا غلط؟ لواطت انسانی حق ہے یا فبیج ترین عمل؟ سود لینا جائز ہے یا حرام؟ اس کا فیصلہ انسانی عقل کرے گی۔

اگرچہ جمہوریت بعض پہلوؤں سے اسلام کے مخالف نہیں کیونکہ اسلام میں بھی آزادی رائے اور شوری کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جبکہ بعض پہلوؤں سے اسلام نظریاتی طور پر جمہوریت کے اقتدار اعلیٰ کا شدید مخالف ہے۔ اسلام کے مطابق حاکمیت اعلیٰ جمہور کا حق نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَ الرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَ أَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾¹

(اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔)

اطاعت اور حق حکمرانی اصالتاً خدا کے پاس ہے اور نیابتاً اس کے رسول اور اس شخص کے پاس ہے جو اولی الامر ہے۔ خدا کے نمائندے پیغمبر اور امام کی صورت میں مخلوق کی ہدایت کے لئے متعین ہوتے ہیں۔ اہل زمین پر ان سے بڑا صاحب تقویٰ و بصیرت نہیں ہوتا اس کا نمائندہ صاحب علم و فضل ہوتا ہے جیسا کہ حضرت آدم کے تعین خلافت میں علم کو معیار قرار دیا گیا۔

جمہوریت کو سادہ الفاظ میں عوامی حکومت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جمہوری معاشرے میں اس بات کا دعویٰ کیا جاتا ہے اقتدار کی اصل مالک عوام ہے۔ جمہوریت کا خالق تو اگرچہ مغرب ہے لیکن جب یہ نظریہ اسلامی ممالک میں داخل ہوا تو

جمہوریت کا ایک نیا ایڈیشن بھی سامنے آیا جسے اصطلاحی معنوں میں اسلامی جمہوریت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اس وقت دنیا کے بیشتر اسلامی ممالک میں یہی رائج ہے۔ ڈاکٹر محمد امین مغربی نظام جمہوریت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"مغرب میں فرد چونکہ مختار کل اور قادر مطلق ہے اور جو چاہے کر سکتا ہے اور جیسے چاہے زندگی بسر کر سکتا ہے، لہذا ایک مغربی نیشن سٹیٹ میں بے فرد مل کر عوام بننے ہیں یا افراد اپنے نمائندوں کو ریاست کی پارلیمنٹ میں بھجواتے ہیں تو یہ عوام اور عوامی نمائندے بھی فرد کی طرح معصوم عن الخطاء، مختار کل اور قادر مطلق ہوتے ہیں۔ یہی جمہوریت ہے۔"¹

پاکستان میں جمہوری نظام کو چار بنیادی اور اصولی نکات کی بنیاد پر اسلام سے متصادم قرار دیا جاتا ہے۔ ان بنیادی نکات میں پہلا نکتہ یہ ہے کہ مغرب کے جمہوری نظام میں عوامی حاکمیت کو تسلیم کیا جاتا ہے جبکہ خالص اسلامی نظام میں حاکمیت کا اختیار فقط اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔

"سیاسی روایت میں انسان ہمیشہ اللہ کے عہد رہتے ہیں خواہ وہ ایک عام فرد ہو یا کسی ریاست کا سربراہ۔ گویا ریاست اور اس کا سارا نظام اللہ کے قانون یعنی اسلام کے ماتحت ہوتا ہے اور مسلمان مل کر باہم مشاورت سے ملک کا نظام چلاتے ہیں"²

مغربی طرز جمہوریت میں عوام کی حاکمیت سے مراد یہ ہے کہ جس بھی قانون کو عوام کی اکثریت کی تائید حاصل ہو جائے گی وہ اس ملک کا قانون قرار دیا جائے گا چاہے وہ تاریخی، معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی روایت اور تعلیمات سے کتنا ہی متصادم کیوں نہ ہو، جبکہ اسلامی نظام میں ایسا کوئی بھی اختیار نہ کسی فرد کو اور نہ کسی جماعت کو حاصل ہے کہ وہ اپنے انفرادی یا اجتماعی فیصلے سے اللہ کے اٹل قوانین کو تبدیل کر دے۔

جمہوریت اور اسلام میں دوسرا بنیادی فرق یہ ہے کہ ہمارے جمہوری نظام میں مخصوص افراد کے لیے استثنائے قانون موجود ہے جب کہ اسلام میں ایسی کسی استثنائی صورت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام میں قانون کی عملداری کا اندازہ نبی اکرمؐ کے اس فرمان عالی شان سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا۔ اسلام کا نظام عدل و انصاف اور احتساب تو اتنا واضح ہے کہ لاکھوں مربع میل پر حکومت کرنے والے وقت کے خلیفہ سے بھرے مجمع میں محض چند درہم کی چادر کا سوال کیا جا رہا ہے اور سوال کرنے والا کوئی جج، قاضی یا تفتیشی افسر نہیں ہے بلکہ خلیفہ کی رعیت ہی کا ایک عام فرد ہے لیکن خلیفہ وقت بغیر کسی غصے اور غضب کے نہایت اطمینان سے اپنی صفائی بیان کر رہا

¹ محمد امین، اسلام اور تہذیب مغرب کی کھمکش، (لاہور: دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی) ص: 152

² محمد امین، اسلام اور تہذیب مغرب کی کھمکش، ص: 152

ہے۔

اسلام اور جمہوریت کو باہم متضاد بنانے والا تیسرا نکتہ یہ ہے کہ ہمارے جمہوری نظام میں صدر ریاست کو یہ خصوصی اختیار حاصل ہے کہ وہ اعلیٰ عدالتوں سے سزا پانے والے مجرم کو بغیر کسی وجہ کے معاف کر سکتا ہے چاہے وہ کسی کا قاتل ہی کیوں نہ ہو جب کہ اسلام میں معافی کا اختیار فقط ورثا کو حاصل ہے۔ آخری نکتہ یہ ہے کہ جمہوریت میں افراد کی اکثریت کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاتا ہے چنانچہ جمہوریت کے اس اصول کے تحت کوئی شخص کتنی ہی مبنی بر حقیقت بات کیوں نہ کر رہا ہو لیکن اگر اس کے پاس اکثریت نہیں ہے تو وہ اپنی تمام تر صداقت کے باوجود کامیاب نہیں ہو سکتا، جبکہ اس کے برعکس ایک دوسرا شخص جو ایک جھوٹا دعویٰ لے کر سامنے آتا ہے اور محض طاقت، دولت، عہدے اور برادری کی بنیاد پر عوام کو جبری طور پر اپنے ساتھ ملا لیتا ہے تو مر وجہ جمہوری اصولوں کے تحت وہ شخص کامیاب قرار پائے گا۔

مغرب کی نیشنلسٹ تھیوری اور فرد کی حاکمیت کی تھیوری کا تقاضہ یہ ہے کہ فرد اور اس کے نمائندے اس ریاست کو چلانے کے لیے جو نظام تجویز کرے اسے وفاداری کا آخری مرکز بنایا جائے اور تقدیس کا اعلیٰ ترین مقام دیا جائے تاکہ کوئی اس کی خلاف ورزی کی جرات نہ کر سکے۔ چنانچہ مغربی جمہوریت میں ریاستی آئین کی بالادستی سے انکار بدترین جرم ہے۔ یہ بغاوت ہے، یہ ریاست کے وجود کے انکار کے مترادف ہے۔ اس کی سزا موت ہے اور اس کو نہ ماننے والا اس ریاست کا شہری نہیں رہ سکتا۔ عدالت آئین کے مطابق فیصلے کرنے کے پابند ہے، مقننہ اس کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں کر سکتی اور انتظامیہ اس کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ غرض مغرب کی سیاسی فکر کے مطابق آئین وہ اعلیٰ ترین دستاویز ہے جس کے خلاف ریاست میں پتہ بھی نہیں مل سکتا اور آئین کو ریاست میں وہ اقتدار حاصل ہے جو (نعوذ باللہ) مسلمانوں میں قرآن مجید کو بھی حاصل نہیں کیونکہ مسلمان قرآن مجید کا عزت و احترام تو واقعا بہت زیادہ کرتے ہیں لیکن اپنے ریاستی نظام میں آج کل اسے عملاً وہ حیثیت نہیں دیتے جو مغربی سیاست میں آئین کو حاصل ہے۔ مغرب کے زیر اثر مسلمان ممالک میں بھی یہی کچھ ہو رہا ہے ہر مسلم ریاست کا ایک آئین ہے اور یہ آئین مغرب ہی کی طرح مقدس سمجھا جاتا ہے 57 مسلم ممالک میں سے صرف چند ممالک کے آئین میں مسلم عوام کو حوصلہ دینے کے لیے لکھا گیا ہے یہاں اللہ کی حاکمیت ہوگی۔ قرآن و سنت ماخذ قانون ہوں گے وغیرہ وغیرہ لیکن عملاً قرآن و سنت کو وہ مقام کہیں بھی حاصل نہیں جو مغرب میں آئین کو حاصل ہے۔

مغربی جمہوریت میں چونکہ فرد ہر چیز کا مالک و مختار ہے لہذا ہر فرد کا ووٹ برابر ہے چاہے فرد بد معاش ہو اور چاہے متقی و پرہیزگار ہو۔ اس کے برعکس اسلام کے سیاسی نظام میں بھی ہر فرد مشورے کا اہل اور حقدار ہے لہذا ریاست کا نظام چلانے میں اس کا مشورہ بھی ضروری ہے لیکن یہاں گدھا اور گھوڑا برابر نہیں ہے۔ عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾¹

(کہہ دو کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں، سمجھتے وہی ہیں جو عقل والے ہیں۔)

یہاں خلفائے راشدین اور ایک عام بدو کی رائے برابر نہیں ہوتے اور نہ ہی ہو سکتے ہیں اس لیے اقبال کو کہنا پڑا جمہوریت ایک طرز حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تو لا نہیں کرتے بلاشبہ گننے کے بجائے تولنے کا عمل ضروری ہے اور یہ مسلم مفکرین اور مجتہدین کا کام ہے کہ وہ مشاورت اور اہلیت کے اسلامی اصولوں کے لیے آج کے عصری تقاضوں کے مطابق طریقہ کار تجویز کرے اور مسلمان حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ اخلاص نیت سے اسے نافذ کرے۔

عائلی مسائل کا حل قرآنی تعلیمات کی روشنی میں

فکریو اخلاقی تحدیات نے پاکستانی مسلم سماج کے عائلی نظام کو بھی کافی حد تک متاثر کیا ہوا ہے۔ یہ خاندانی سسٹم ہماری ایک بچی کچھی قدر ہے اس کو اس وقت مغرب تباہ کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ یہ فحاشی، بے حیائی اخبارات کے لئے جس طرح رنگین ایڈیشن چھپتے ہیں اور مضامین کے ذریعے سے لوگوں کے اندر شکوک پیدا کئے جاتے ہیں۔ لوگوں کے ہاں غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں حالانکہ اسلام میں خاندان کی بناوٹ دو طرح سے ہے، ایک رشتہ داری کا خونی تصور اور دوسرا نظم و نسق کا تصور ہے جو قرآن مجید کی اصطلاح میں لفظ "ولایت" کے اندر موجود ہے۔ رحم اور ولایت، یہ دو لفظ ہیں جو پورے خاندانی سسٹم کو پورے قرآن مجید کے اندر بیان کرتے ہیں۔

﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۚ وَالْوَالدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا﴾²

(اور اللہ کی بندگی کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر اور اپنے غلاموں کے ساتھ بھی (نیکی کرو)، بے شک اللہ پسند نہیں کرتا اترانے والے بڑائی کرنے والے شخص کو۔)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا﴾¹

(تم قربت دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو بھی، اور مال کو بے جا نہ اڑاؤ۔)

حدیث مبارکہ میں بھی عزیز و اقارب کی فضیلت اور مقام کو خوب اجاگر کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

وقال ثابت: عن انس، قال النبي صلى الله عليه وسلم لابي طلحة ((اجعلها لفقراء اقاربك، فجعلها لحسان، وابي بن كعب))²

"اور ثابت نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طلحہ سے فرمایا تو یہ باغ اپنے ضرورت مند عزیزوں کو دے ڈال۔ انہوں نے حسان اور ابی بن کعب کو دے دیا۔"

اسی طرح ولایت جس کا معنی سرپرستی کے ہے حفظ نسل کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کا تصور باطل ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحْتَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهَا، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَمْ يَهْرُ لَهَا بِمَا أَصَابَ مِنْهَا، فَإِنْ تَنَاجَرُوا فَالْسلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَ لَهُ))³

"ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عورت نے بھی اپنے اولیاء کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو وہ نکاح باطل ہے، وہ نکاح باطل ہے، اگر ان کا آپس میں ملاپ ہو گیا ہے تو اس کی وجہ سے حق مہر اس عورت کو دیا جائے گا، اگر (اولیاء کا) اختلاف اور جھگڑا ہو تو سلطان وقت ہر اس عورت کا ولی ہو گا جس کا کوئی ولی نہ ہو۔"

اسی طرح ایک اور روایت میں آتا ہے:

¹ الاسراء: 26

² بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الوصایا، باب إِذَا وَقَفَ أَوْ أَوْصَى لِأَقْرَبِهِ وَمَنِ الْأَقْرَبُ، حدیث رقم: 2752

³ ابوداؤد، السنن، کتاب النکاح، باب: فِي الْوَلِيِّ، حدیث رقم: 2083

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةَ الْمَرْأَةَ، وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةَ نَفْسَهَا، فَإِنَّ الزَّانِيَةَ هِيَ الَّتِي تُزَوِّجُ نَفْسَهَا»¹

“ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی عورت، عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے بیشک زانیہ عورت ہی اپنا نکاح از خود کرواتی ہے”

اسلامی تعلیمات میں نکاح عائلی زندگی کی بنیادی جزء ہے۔ وہ نکاح جو شرعی لحاظ سے درست اور جسے چوری چھپے نہ انجام دیا گیا ہو۔ ولی کی رضامندی، گواہوں کی موجودگی، مہر کی تعیین وغیرہ جتنے بنیادی ارکان نکاح ہے ان کی استواری سے ایک جوڑے کو سماج میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

یہ بات عملاً اسلامی روایات کے منافی ہے کہ کسی بھی مرد اور عورت کے درمیان خفیہ طور پر جنسی تعلق قائم ہو اور ان کے اندر احساس جرم پرورش پاتا رہے اور وہ اپنی ذمہ داریوں سے بچنے کی کوشش کریں لہذا ہدایت کی گئی کہ نکاح کے ذریعے زوجیت کو وجود میں لایا جائے اور معاشرہ اس بات سے واقف ہو کہ وہ دونوں رشتہ ازدواج میں منسلک ہیں تاکہ وقت ضرورت معاشرہ خود بھی ان کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں ان کی مدد کر سکے لہذا اسے کثرت سے کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾²

(تم میں سے جو مرد اور عورت بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کر دو اور اپنے نیک بخت غلام لونڈیوں کا بھی۔ اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی بنا دے گا اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے)

پاکستانی سماج کو جن تحدیات کا سامنا ہے ان میں ایک جو مغرب سے جنم لینے والی تہذیب جس میں بوئے فرینڈ کا تصور پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے نوجوان نسل نکاح کو نظر انداز کر رہے ہوتے ہیں اور زنا کا مرتکب ہوتے ہیں جس کا نتیجہ ماں باپ اور بہن بھائی کی عدم تفریق کی صورت میں نکلتا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو موجودہ پاکستانی سماج میں کچھ معتد بہ لوگ نکاح کو نہیں زنا کو ترجیح دے کر اپنی خواہشات کی تسکین چاہتے ہیں تاکہ خواہش پوری ہونے کے ساتھ ذمہ داریوں سے کنارہ کشی اختیار کر سکے۔ اگر اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو معاشرہ جنسی انتشار اور آوارگی سے محفوظ ہونے کے

¹ ابن ماجہ، السنن، کتاب النکاح باب لَا زَوَاجَ إِلَّا بِوَلِيِّ، حدیث رقم: 1882

² النور: 32

ساتھ تسکین خواہش کا امکان پیدا ہو سکتا ہے۔ اسلام کے نزدیک جنسی جذبہ ایک فطری جذبہ ہے اور اس کی تسکین جائز طریقے سے حرام اور ناجائز نہیں ہے بلکہ اس جائز عمل کو اہل ایمان کی خصوصیت میں سے قرار دیتا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأُفُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَرْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ﴾¹
(اور جو حفاظت کرنے والے ہیں اپنی شرم گاہوں کی مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں پر اس لیے کہ ان میں کوئی الزام نہیں)

ان آیات میں جنسی تسکین کے جائز ذرائع بیان کئے گئے ہیں جن سے رشتے، کنبے اور برادری کے دوسرے تعلقات پیدا ہوتے ہیں پھر یہ پھیلتے پھیلتے ایک وسیع معاشرے تک جا پہنچتی ہے۔

مودت و رحمت

میاں بیوی کے تعلقات کی بنیاد مودت و رحمت پر رکھی گئی ہے۔ قرآنی آیات کے مطابق میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے لئے لباس ہیں جیسا کہ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾²

(وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو)

اس کو گہرائی میں جا کر سمجھنے کی ضرورت ہے۔ دو جنسوں میں نکاح کے ذریعے جو محبت پیدا ہوتی ہے ویسی محبت کسی اور ذریعے سے پیدا نہیں کی جاسکتی۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے لباس ہے یعنی جس طرح لباس ایک انسان کے لیے زینت ہے اسے موسمی اثرات سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کی ستر پوشی کے کام آتا ہے اسی طرح زوجین ایک دوسرے کے لیے زینت ہیں زندگی کے سرد و گرم حالات میں دونوں ایک دوسرے کو تحفظ فراہم کرتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کی کمزوریوں کو سمجھتے ہیں اور ان کو نظر انداز کر کے ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کی کوشش کرتے ہیں امام قرطبیؒ اس قرآنی تشبیہ کے ضمن میں فرماتے ہیں:

"لباس کا اطلاق اصلاً کپڑوں پر ہوتا ہے۔ زوجین کے باہمی امتزاج و اقتران کو لباس کی تشبیہ سے بیان کیا گیا ہے

کیونکہ زوجین بھی لباس ہی کی مانند ایک دوسرے سے مربوط اور لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔"³

¹المومنون: 7-5

²البقرة: 187

³قرطبیؒ، الجامع لأحكام القرآن، ج 2، ص: 314

آج الحادی تصورات کی وجہ سے معیارات بھی تبدیل ہو چکے ہیں اب اس لباس کی حرمت باقی نہیں رہی وہ اپنے شوہر کی مرضی کے بجائے جسم کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتی ہے گھر سے نکلنے کے لئے شوہر کی اجازت کو ناگوار سمجھتی ہے۔ وہ اپنی رضامندی سے ہر حد کر اس کرنے کے لئے آمادہ نظر آتی ہے۔

زوجین کے حقوق و فرائض

اسلام نے عائلی زندگی کو پائیدار اور مستحکم رکھنے کے لیے میاں بیوی کے حقوق بیان کیے ہیں۔ دونوں میں سے کسی کے لیے ہر گز جائز نہیں ہے کہ وہ صرف اپنے حقوق کا مطالبہ دوسرے سے کرتا رہے اور اپنے فرائض سے غافل رہیں یا ان کے سلسلے میں اپنی کوئی ذمہ داری نہ سمجھے نسل کی حفاظت اور شوہر کی وفاداری اس کے مال کی حفاظت اور اس کے آرام و آسائش کا خیال ایک وفا شعار بیوی کی اولین ذمہ داری ہے۔ اس طرح بیوی کی تمام ضروریات کی تکمیل ایک شوہر کا اولین فریضہ ہے لیکن یہ فریضہ بھی ایک خواب بن چکا ہے، اولاد کی تربیت کا ساز و سامان میسر نہیں ہوتا بلکہ مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر اولاد کو چائلڈ ہاوسز کی حوالے کیا جاتا ہے جہاں بچے ممتا کے بغیر پرورش پاتے ہیں یوں بچے یہ باور کرنے لگتے ہیں کہ ان کی زندگی میں ماں باپ کی کوئی خاص ضرورت نہیں اور جب بچے بڑے ہوتے ہیں تو وہ والدین کو اولڈ ہاوسز کے حوالے کر دیتے ہیں۔ جس سے نسلوں کے درمیان بہت بڑی خلاء پیدا ہوتی ہے۔ قرآن ان رویوں کے برخلاف انس و محبت اور ممتا کے بقاء کی تلقین کرتا ہے اور والدین سے احسان کرنے کو اپنی تعلیمات کا محور سمجھتا ہے جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ إِنَّمَا يُبَلِّغَنَّ عَنْكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۖ أَفْئَ لَا تَنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا لَّحِيمًا ۚ وَخُفِضَ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا ۝١﴾

(اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سواء کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائے تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب و احترام سے بات چیت کرنا۔)

¹ بنی اسرائیل: 23-24

قرآن تعلیمات کے مطابق آدمی پر خدا تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا حق اس کے والدین ہی کا ہے۔ وہ والدین جنہوں نے اپنی اولاد کے لئے دن و رات محنت کر کے ان کی ضروریات اور خواہشات کی تکمیل میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ آج وہی اولاد انہیں اپنے ساتھ گھر پر رکھنے کے لئے گوارہ نہیں کرتی حالانکہ ان کی نافرمانی سے دونوں جہانوں میں ناکامی اور نامرادی انسان کا مقدر بن جاتی ہے۔ ان کے ہر مناسب اور نامناسب رویوں کو قبول کرنا اولاد پر ضروری ہے مگر ان کی نافرمانی مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کا شاخسانہ ہے اگر ان کا بروقت تدارک نہ کیا گیا تو انس سے عاری ایک نسل سماج کی اخلاقیات کو بہا کر لے جانے میں کامیاب ہوگا۔

فصل دوم: تعلیمات حدیث اور فکر و اخلاق کی اصلاح

احادیث مبارکہ میں بھی بہت سے فکری و اخلاقی تحدیات کے پیش نظر سماجی زندگی میں راہنمائی کی گئی ہے۔ یوں بعض احادیث میں آخری زمانے کے حالات و واقعات بیان کرنے کے ساتھ ان مسائل سے نمٹنے اور مخصوص طرز عمل اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ہر دور میں لوگوں کے لئے کوئی نہ کوئی مسئلہ پیش رہا ہے اور انہیں اس مصیبت و مشکل سے نکالنے کے لئے انبیائے کرام کی آفاقی تعلیمات کے ذریعے قابل ہدایت افراد کی راہنمائی کی گئی جبکہ منکرین پر عذاب نازل کیا گیا۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو ابتدائے خلقت سے خیر و شر کی قوتیں آپس میں برسر پیکار ہیں خیر کی بقاء کے پیچھے انبیائے کرام کی قربانیاں مضمحل ہیں جبکہ شر کی قوت کو استکباری قوتیں سہارا دیئے ہوئے ہیں بقول اقبال

موسیٰ و فرعون، شبیر و یزید ----- این دو قوت از حیات آمد پدید

زندہ حق از قوت شبیری است ----- باطل آخر داغ حسرت میری است¹

موسیٰ و فرعون شبیر و یزید وہ قوتیں ہیں جو زندگی کے ساتھ ظہور پذیر ہوئیں۔ ان میں سے حضرت موسیٰ اور امام حسین حق کے علمدار جبکہ فرعون و یزید باطل کے پرستار اور پاسدار ہیں۔ یہ دونوں قوتیں ابتداء سے کشمکش میں مبتلا ہیں حق قوت شبیری سے زندہ رہتا ہے اور حق کا بول بالا قوت شبیری سے ہوتا ہے جبکہ باطل قوتوں کا انجام ذلت و خواری ہے

سماجی و معاشرتی مسائل کا حل حدیث کی روشنی میں:

حسن ظن رکھنا:

پاکستانی معاشرے میں فکری و اخلاقی تحدیات کی ایک اہم وجہ حسن ظن کا فقدان ہے متعدد احادیث میں اس معاشرتی پہلو کی اہمیت کو مختلف مقامات پر اجاگر کیا گیا ہے۔ حسن ظن ایسا عمل ہے جو کسی بھی سماج میں منافقانہ رویوں کی بیخ کنی کرنے کے ساتھ مثبت سوچ کو پنپنے کے لئے ماحول فراہم کرتا ہے جس سے منافقانہ چالیں دم توڑتی ہیں۔ اسلام نے حسن ظن کو بہترین عبادت قرار دیا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((قَالَ: حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ))²

¹ علامہ اقبال، رموز بیخودی، ص: 75

² ابوداؤد، السنن، کتاب الادب، باب: حسن ظن، حدیث: 4993

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسن ظن حسن عبادت میں سے ہے)

یہ اتنا عظیم عمل ہے کہ اللہ بھی اس شخص سے اتنا ہی حسن ظن رکھتا ہے جتنا وہ شخص اللہ سے رکھتا ہے ایک بالشت انسان کے اللہ کی طرف بڑھانے سے اللہ ایک ہاتھ انسان کی طرف بڑھاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يقول الله عز وجل: انا عند ظن عبدي بي، وانا معه حين يذكرني، فإن ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي، وإن ذكرني في ملأٍ ذكركه في ملأٍ خير منهم، وإن اقترب إلي شبرا اقتربت منه ذراعا، وإن اقترب إلي ذراعا اقتربت إليه باعا، وإن اتاني يمشي اتيته هرولة)) قال ابو عيسى: هذا حسن صحيح¹

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کہتا ہے میں اس گمان کے مطابق ہوتا ہوں جو میرے بندے میرے ساتھ رکھتے ہیں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے جماعت (لوگوں) میں یاد کرتا ہے تو میں اسے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں (یعنی فرشتوں میں) اگر کوئی مجھ سے قریب ہونے کے لیے ایک بالشت آگے بڑھتا ہے تو اس سے قریب ہونے کے لیے میں ایک ہاتھ آگے بڑھتا ہوں، اور اگر کوئی میری طرف ایک ہاتھ آگے بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف دو ہاتھ بڑھتا ہوں، اگر کوئی میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں) امام ترمذی کے مطابق یہ حدیث حسن صحیح ہے،

پاکستانی مسلم سماج کا جائزہ لیا جائے تو ہمارے معاشرے میں اختلافات کی اہم وجہ سوئے ظن ہے دوسروں کے امور میں مثبت پہلو کے بجائے منفی پہلو پر سوچ و بچار کے ذریعے صرف خامیاں تلاش کی جاتی ہے جس سے منافرت اور ایک دوسرے کے بارے میں اختلافات جنم لیتے ہیں۔ اس لئے قرآن نے ظن سے اجتناب کرنے کی ترغیب دی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا يَجِبُ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْنَاهُ وَأَتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ﴾²

(اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور بھید نہ ٹٹولا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے)

¹ترمذی، السنن، کتاب الدعوات رسول اللہ ﷺ، باب حسن ظن باللہ، حدیث رقم: 3603

²الحجرات: 12

اس آیت میں ظن سے مراد مومنین کے بارے میں براگمان یا سوچنا ہے لا تقربوا كثيراً من الظن بالمؤمنين، وذلك أن تظنوا سوءاً، فإن الظان غير محق، کیونکہ گمان کرنے والا حق تک پہنچانے کی صلاحیت نہیں سکتا اور نہ ہی اس سے خبر کی قاطعت ہوتی ہے وقولہ: { إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ } يقول: إن ظنَّ المؤمن بالمؤمن الشر لا الخير إثم، لأن الله قد نهاه عنه،¹ مومن کے بارے میں گمان کرنا بھی برائی کی زمرے میں آتی ہے اس میں کسی صورت کی خیر نہیں۔ فخر الدین رازی سبب ظن بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لأن الظن هو السبب فيما تقدم وعليه تبني القبائح، کیونکہ ظن ایسی بنیاد ہے جس پر تمام قباہتیں کھڑی ہوتی ہے اس لئے مومنین کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ حد الامکان ظن سے احتراز کرے²۔ حضرت جابر رضی اللہ سے مروی ہے کہ:

((إذا ظننتم فلا تحققوا وإذا حسدتم فلا تبغوا وإذا تطيرتم فامضوا؛ وعلى الله توكلوا. وإذا وزنتم فارجحوا))³

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کو (کسی کے بارے میں سوئے (ظن ہو جائے تو اس کی چھان بین مت کرو، جب تم کسی سے حسد کرنے لگو تو ظلم مت کرو اور جب تم کو (اپنے کسی کام کے بارے میں) بدشگونی ہو جائے تو (مت رو کو اور) اپنے کام کو جاری رکھو اور اللہ پر بھروسہ کرو اور جب تم (لین دین کے وقت) وزن کرو تو ترازو کا پلڑا جھکا دیا کرو) (یعنی چیز وزن سے کچھ زیادہ دے دیا کرو)۔

بعض دیگر احادیث شریفہ میں وارد ہوتا ہے کہ جو شخص جیسا حسن ظن رکھے گا اللہ اسی کے مطابق عطا کرتا ہے حضرت عبد بن مسعود رضی اللہ سے مروی ہے:

((قَالَ: وَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ لَا يُحْسِنُ عَبْدُ اللَّهِ الظَّنَّ إِلَّا أَعْطَاهُ ظَنَّهُ وَ زَالِكَ بِأَنَّ الْخَيْرَ فِي يَدِهِ))⁴

(آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں جو آدمی اللہ تعالیٰ کے متعلق حسن ظن رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا حسن ظن ہی عطا کرتا ہے کیونکہ ہر قسم کی بھلائی اسی کے اختیار میں ہے)

¹ الطبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ذیل الحجرات: 12، ج 21، ص: 383

² فخر الدین رازی، مفاتیح الغیب المعروف تفسیر الکبیر، ذیل آیت: 12، ج 28، ص: 134

³ البانی، سلسلة الاحادیث الصحیحہ، کتاب الاخلاق والبر والصلة، باب: طوالت سوائے الظن، حدیث رقم: 2446

⁴ ابن ابی شیبہ، المصنف، شرکتہ دار القبلۃ موسسہ علوم القرآن، ج 7، ص: 206، حدیث رقم: 5367

– البیہقی، محمد بن الحلبي بن علي ابو بكر، شعب الايمان، (الكلية: غراس للنشر والتوزيع، ط 2009)، ج 2، ص: 51، حدیث رقم: 1383

اس حدیث شریف سے واضح ہے کہ حسن ظن رزق کی فراوانی کا ایک بہت بڑا ذریعہ بھی ہے جس قدر اللہ پر حسن ظن رکھا جائے گا اسی قدر اللہ کی نعمتیں نازل ہوتی ہیں اور رب کی ذات انسان کو اپنے کرم سے نوازتی ہے۔ موجودہ سماج میں اللہ پر حسن ظن نہ رکھنے کی وجہ سے غربت اور معاشی بد حالی اس قوم کا مقدر بن چکی ہے۔

حرام مال سے اجتناب:

فکری و اخلاقی تحدیات کی معاشی جہت میں حرام مال سے عدم اجتناب کا مسئلہ پاکستانی معاشرے کو درپیش ہے اس کی وجہ سے اخلاقی گراؤٹ عروج کو پہنچا ہوا ہے۔ اسلام میں حرام مال اور ناجائز آمدنی سے حاصل ہونے والے رزق اور مال و جائیداد کو انسان کی تباہی، اس کی نیکیوں کی بربادی اور اس کے تباہ کن اثرات کو بھی پوری وضاحت سے بیان کیا گیا ہے، چنانچہ کسبِ حلال کو ایک عظیم نیکی، باعثِ اجر و ثواب عمل قرار دیا گیا اور دوسری جانب ناجائز اور حرام مال کو وبال اور گناہ کا بنیادی سبب قرار دیا گیا۔ جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ بندہ مومن کی زندگی میں کسبِ حلال کو بنیادی اہمیت حاصل ہے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((قَالَ: مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ، خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلٍ يَدُهُ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلٍ يَدِهِ))¹

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی انسان نے اس شخص سے بہتر روزی نہیں کھائی، جو خود اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتا ہے خدا کے نبی داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ سے کام کر کے روزی کھایا کرتے تھے۔"

اسلام نے ہمیشہ کسبِ حلال کی تلقین کی ہے اور حرام مال کو وبال اور گناہ کی بنیادی وجہ قرار دیا ہے خود داری سے کمانا ایک مستحسن عمل گردانا گیا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ حَبْلَهُ فَيَحْتَطَبَ عَلَى ظَهْرِهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْتِيَ رَجُلًا فَيَسْأَلَهُ أَعْطَاهُ أَوْ مَنَعَهُ))²

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر کوئی شخص رسی سے لکڑیوں کا بوہ باندھ کر اپنی پیٹھ پر جنگل سے اٹھالائے پھر انہیں بازار میں بیچ کر اپنا رزق حاصل کرے (تو وہ اس شخص سے بہتر ہے جو کسی کے پاس آکر سوال کرے۔ پھر جس سے سوال کیا گیا ہے وہ اسے دے یا نہ دے۔"

¹ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب: کسب الرجل، حدیث رقم: 2072

² بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکاة، باب: استغفار عن المسئلة، حدیث رقم: 1470

کسب حلال عین عبادت ہے اور حلال کمانے والے کو اللہ کا دوست گردانا گیا ہے لہذا اس کمائی سے وہ جو بھی خرچ کرے گا وہ بطور صدقہ منظور و مقبول ہوگا اس کے برعکس حرام کی کمائی سے صدقات غیر مقبول ہوتے ہیں۔ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ سے روایت ہے کہ:

((قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله قسم بينكم اخلاقكم، كما قسم بينكم ارزاقكم، وإن الله عز وجل يعطي الدنيا من يحب ومن لا يحب، ولا يعطي الدين إلا لمن أحب، فمن أعطاه الله الدين، فقد أحبه، والذي نفسي بيده، لا يسلم عبد حتى يسلم قلبه ولسانه، ولا يؤمن حتى يامن جاره بوائقه، قالوا وما بوائقه يا نبي الله؟ قال: غشمه وظلمه، ولا يكسب عبد مالا من حرام، فينفق منه فيبارك له فيه، ولا يتصدق به فيقبل منه، ولا يترك خلف ظهره إلا كان زاده إلى النار، إن الله عز وجل لا يمحو السيئ بالسيئ، ولكن يمحو السيئ بالحسن، إن الخبيث لا يمحو الخبيث))¹

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ نے تمہارے درمیان جس طرح رزق تقسیم کی ہے، وہی اخلاق کو بھی تقسیم کیا ہے، اللہ تعالیٰ دنیا تو اسے بھی دے دیتے ہیں جس سے محبت کرتے ہیں اور اسے بھی جس سے محبت نہیں کرتے، لیکن دین اسی کو دیتے ہیں جس سے محبت کرتے ہیں، اس لئے جس شخص کو اللہ نے دین عطا فرمایا ہو، وہ سمجھ لے کہ اللہ اس سے محبت کرتا ہے۔ اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل اور زبان دونوں مسلمان نہ ہو جائیں، اور کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے پڑوسی اس کے ”بوائق“ سے محفوظ و مامون نہ ہوں،“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بوائق سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ”ظلم و زیادتی، اور کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو حرام مال کمائے اور اس میں سے خرچ کرے پھر اس میں برکت بھی ہو جائے، یا وہ صدقہ خیرات کرے تو وہ قبول بھی ہو جائے، اور وہ اپنے پیچھے جو کچھ بھی چھوڑ کر جائے گا اس سے جہنم کی آگ میں مزید اضافہ ہوگا، اللہ تعالیٰ گناہ کو گناہ سے نہیں مٹاتا، وہ تو گناہ کو اچھائی اور نیکی سے مٹاتا ہے، گندگی سے گندگی نہیں دور ہوتی۔“

قرآن مجید میں حرام مال سے اجتناب کرنے کی برپور تلقین کی گئی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝۲﴾

(اے ایمان والو! آپس میں مال ناحق نہ کھاؤ ایک دوسرے کے مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو اور اپنی جانیں قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے)

¹ البانی، شیخ ناصر الدین، سلسلہ احادیث الصحیحہ، حدیث رقم: 2714

اس آیت کریمہ میں باطل طریقے سے مال کمانے کی ممانعت کی گئی ہے جیسے سود چوری اور جوئے کے ذریعے مال حاصل کرنا ہے **لكن تجارة عن تراض منكم جائزة بينكم، أو لكن كون تجارة عن تراض منكم حلالاً لكم.** وقوله { **عَنْ تَرَاضٍ** } صفة لتجارة، أي كائنة عن تراض۔¹ مگر باہمی رضامندی سے تجارت کرتے ہوئے مال کمانا دونوں کے لئے جائز ہے اس کے علاوہ کوئی صورت جواز کی نہیں نکلتی۔ مثلاً جھوٹی قسم، جھوٹی وکالت، خیانت اور غصب کے ذریعے مال حاصل کرنا اور گناہ بجانے کی اجرت شراب کی اجرت وغیرہ سب باطل طریقے میں داخل ہے۔ مال کی حلیت صرف اس صورت میں ممکن ہے جب دونوں فریق باہمی رضامندی سے تجارت کرے اسی طرح ذاتی مال ناجائز طریقے سے کھانے اور صرف کرنا بھی گناہ و نافرمانی کے کاموں میں خرچ کرنا بھی باطل کے زمرے میں آتا ہے اس طرح رشوت کا لین دین ڈنڈی مار کر سودا بیچنا ملاوٹ والا مال فروخت کرنا قرض دبا لینا ڈاکہ زنی بھتہ خوری اوپر جہاں بھیج کر ہر اس مال کے مال بیچنا بھی اس میں شامل ہے پاکستانی سماج میں یہ سب باطل ذرائع کسب مال کے لئے استعمال ہو رہے ہیں۔ پر اپرٹی کے امور خصوصاً مافیہ کی طرف سے غریب لوگوں کی کل جائیداد کو مسمار کر کے اونے پونے قیمت دی جاتی ہے ان کی پشت پناہی انتظامیہ سے لیکر عدلیہ کرتی ہے شراب کی بڑی بڑی فیکٹریاں عام چل رہی ہے کھلے عام شراب بیچی جا رہی ہے چرس اور افیون کا کاروبار اپنے عروج پر ہے زنا کے اڈے اور بھتہ خوروں کی کھلی دہشت گردی اور مال میں ملاوٹ سماجی مارکیٹ کی مزین اور مرغوب اشیاء گردانی جاتی ہے یہ سب ان سیکولر خیالات اور حلیت و حرمت میں عدم تمیز کی بدولت ممکن ہوا جو ان نسل ان خیالات کی وجہ سے قرآنی و آفاقی تعلیمات سے دور ہو چکا ہے انہیں حلال و حرام کی تمیز نہیں حتیٰ کہ یہ بھی پتہ نہیں کہ طہیات کو نسی اور محرمات میں کیا چیزیں شامل ہیں۔

پاکستانی سماج میں تبلیغ کی کڑیاں ٹوٹ چکی ہے لوگ محراب کو خانقاہ میں تبدیل کر چکے ہیں عبادات کو کاروبار کا ذریعہ بنایا ہے ایسے میں پھر کسی کربلا اور حسین کی ضرورت ہے جو قربانی کے ذریعے دین کا احیاء کرے اور انسانی و فطری اقدار کو زندہ کرنے کے لئے عملی اقدام کا بیڑہ اٹھائے۔

احادیث مبارکہ میں مال حرام سے اجتناب کرنے کی تاکید کی گئی ہے اعمال کی تصحیح کے لئے فکر کی تطہیر ضروری ہے اور فکری تطہیر کے لئے مال حرام سے اجتناب اور احتراز بہت ضروری ہے مال کی ممانعت کے بارے میں وارد ہوتا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

¹ اشوکانی، فتح القدیر، (بیروت: دار الفکر لطباعة والنشر و توضیح 1401ھ / 1981ء) ذیل النساء: 29، ج 2، ص: 54

((وَلَا يَكْسِبُ عَبْدٌ مَالًا مِنْ حَرَامٍ، فَيَنْفِقُ مِنْهُ فَيُبَارِكُ لَهُ فِيهِ، وَلَا يَتَصَدَّقَ بِهِ فَيُقْبَلَ مِنْهُ، وَلَا يَتْرُكُ خَلْفَ ظَهْرِهِ إِلَّا كَانَ زَادَهُ إِلَى النَّارِ))¹

(جو بندہ مال حرام حاصل کرتا ہے، اگر اس سے کوئی صدقہ کرے تو مقبول نہیں اور خرچ کرے تو اس کے لئے اس میں برکت نہیں اور اپنے بعد چھوڑ کر مرے تو جہنم میں جانے کا سامان ہے خدا تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا ہاں نیکی سے برائی کو مٹاتا ہے بے خبیث کو خبیث نہیں مٹاتا)

حرام مال کے منفی اثرات کے پیش نظر قرآن میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾²

(اے پیغمبرو کھاو حلال چیزیں اور نیک عمل کرو تم جو کچھ کر رہے ہو اس میں سے بخوبی واقف ہوں)

علامہ زمخشری حرفِ ندا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس ندا اور خطاب کو ان کے ظاہر پر محمول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ رسولوں کو مختلف زمانوں میں بھیجے گئے ہیں اس کا مطلب ایسا اعلام اور اعلان ہے جس میں ہر زمانے کا رسول اس وصیت میں شامل ہے۔

هذا النداء والخطاب ليسا على ظاهرهما، وكيف والرسول إنما أرسلوا متفرقين في أزمنة مختلفة. وإنما المعنى الإلزام بأن كل رسول في زمانه نودي لذلك ووصى به، ليعتقد السامع أن أمراً نودى له جميع الرسل ووصوا به، حقيقاً يؤخذ به ويعمل عليه. والمراد بالطيبات ما حل وطاب. وقيل طيبات الرزق حلال وصاف وقوام، فالحلال الذي لا يعصى الله فيه، والصافي الذي لا ينسى الله فيه،³

"یہ حرفِ ندا اور خطاب دونوں ان کے ظاہر پر محمول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ رسولوں کو مختلف زمانوں میں مختلف مقامات پر بھیجے گئے ہیں لہذا اس کا معنی یہ ہو گا کہ ہر رسول کو اس کے زمانے کی یہی ندا اور وصیت کی گئی تاکہ سامع یہ اعتقاد رکھے کہ تمام رسولوں کو یہی ندا دی گئی۔ یہاں طیبات سے مراد حلال اور پاک چیزیں ہیں جبکہ بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ طیبات سے مراد رزق حلال، صاف اور قوام ہیں۔ حلال سے مراد جس میں خدا کی معصیت نہ ہو اور صافی وہ ہے جس میں اللہ کو بھلایا نہیں جاتا۔

آج کل ہمارے سماج میں حلال اور طیبات کا تصور مفقود ہوتا جا رہا ہے بلیک میلروں سمگلروں رشوت و سود خوروں اور دیگر حرام خوروں نے مختصر دوری کر کے حلال روزی کھانے والوں کو حقیر اور پست طبقہ بنا کر رکھ دیا ہے حالانکہ اس کے برعکس

¹ ابوداؤد، السنن، کتاب کسب الحلال و حرام، حدیث رقم: 2714

² المومنون: 51

³ الذمخشری، تفسیر الکشاف ذیل المومنون: 51، ج 18، ص: 709

اسلام معاشرے میں حرام خوروں کے لئے عزت و شرف کا کوئی مقام نہیں چاہیے وہ قارون کے خزانوں کا مالک ہوں۔
تکریم کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو محنت کر کے حلال روزی کھاتے ہیں چاہیے روکھی سوکھی ہی ہو۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت شداد بن اویس کی بہن حضرت ام عبد اللہ نے افطاری کے وقت دودھ کا ایک پیالہ بھیجا گرم موسم کے ایام میں آپ ﷺ نے قاصد کے پاس وہ دودھ کا پیالہ واپس بھیجا کہ معلوم کیا جائے یہ دودھ تمہیں کہاں سے آیا ہے؟ حضرت ام عبد اللہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ یہ دودھ میری بکری سے حاصل ہوا ہے قاصد نے آکر یہ ماجرا بتایا تو آپ ﷺ نے قاصد کو دوبارہ بھیجا کہ یہ معلوم کرے یہ بکری انہیں کہاں سے ملی ہے؟ حضرت ام عبد اللہ نے بتایا کہ وہ بکری میں نے خود خریدی ہے تب آپ نے وہ دودھ پی لیا دوسرے دن حضرت ام عبد اللہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے سخت گرمی اور لمبے دن کی وجہ سے آپ کی خدمت میں دودھ بھیجا تھا مگر آپ ﷺ نے واپس کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا رسولوں کو یہی حکم ہے کہ سوائے پاکیزہ چیز کے کچھ نہ کھائے اور نیک عمل کے علاوہ کچھ نہ کیا کرو۔¹
ان آیات اور احادیث سے واضح ہے کہ حرام مال کے کھانے سے فکر میں کجی اور انتشار پیدا ہو جاتا ہے جبکہ حلال کھانے سے فکر کی تطہیر کی وجہ عمل صالح انجام دینے کا ذوق پیدا ہوتا ہے انبیائے کرام کو عمل صالح کے علاوہ اعمال انجام دینے سے روکا گیا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے ام عبد اللہ کی بھیجی گئی دودھ کے بارے میں تفحص کیا تا کہ کوئی ناپاک چیز لسان نبوت کو نہ چھوئے قرآن کریم ایک اور مقام پر طہیات کھانے کے بارے میں حکم دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ﴾²

(اے لوگو! انہیں کھاؤ اور پیو، زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں اور شیطانی راہ پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾³

(اے ایمان والو! انہیں کھاؤ اور پیو جو پاکیزہ چیزیں تمہیں دے رکھی ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمْ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَانْقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ﴾⁴

¹ طبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد، معجم الکبیر، ج 25، ص: 174 / مستدرک الوسائل، ج 4، ص: 140

² البقرة: 168

³ البقرة: 172

⁴ المائدة: 88

(خدا کے عطا کردہ حلال پاک رزق میں سے کھاؤ اور اس خدا سے ڈرتے رہنا جس پر تم ایمان لائے ہو)

مذکورہ آیات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ رزق حلال و طیب کھانے سے نیکیوں اور عمل صالح کی توفیق ملتی ہے گویا رزق حرام سے احتراز کرنے والے کے لئے نیک اعمال کے انجام دہی کا رجحان بڑھ جاتا ہے اور اس سے تقویٰ الہی اور طہارت و پاکیزگی کا حصول آسان ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ

((أَرْبَعٌ إِذَا كُنَّ فَيْدَكَ فَلَا عَلَيْكَ مَا فَاتَكَ مِنَ الدُّنْيَا ، صَدَقَ الْحَدِيثُ ، وَحَفِظَ الْأَمَانَةَ ، وَحَسُنُ الْخَلْقُ ، وَ عَفَةُ مَطْعِمٍ))¹

(حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تیرے اندر یہ چار خصوصیات ہوں تو دنیا فوت بھی ہو جائے تب بھی تیرا نقصان نہیں ایکامانت کی حفاظت دوسری بات میں سچائی تیسری اچھی اخلاق اور چوتھی کھانے میں پاکیزگی۔

ایک اور روایت حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس آدمی نے حلال مال کمایا پھر اس کو اپنی ذات پر خرچ کیا یا پھر الہی مخلوق کو کھانا کھلایا یا کپڑا پہنایا تو اس کے لئے یہ چیز پاکیزگی اور طہارت کا ذریعہ بنے گی۔ (عبداللہ بن یزید الخطمی الانصاری سے مروی ایک اور روایت کے مطابق:

إِنَّهُ كَانَ يَقُولُ فِي دُعَائِهِ: " اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي حُبَّكَ، وَحُبَّ مَنْ يَنْفَعُنِي حُبُّهُ عِنْدَكَ، اللَّهُمَّ مَا رَزَقْتَنِي مِمَّا أَحَبُّ فَأَجْعَلْهُ قُوَّةً لِي فِي مَا تَحِبُّ، اللَّهُمَّ وَمَا زَوَيْتَ عَنِّي مِمَّا أَحَبُّ فَأَجْعَلْهُ لِي فَرَاغًا فِي مَا تَحِبُّ ". قَالَ أَبُو عِيْسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَأَبُو جَعْفَرٍ الْخَطْمِيُّ اسْمُهُ عَمِيرُ بْنُ يَزِيدَ بْنِ خُمَاشَةَ²

عبداللہ بن یزید الخطمی انصاری سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی دعا میں فرماتے تھے ”اے اللہ! تو مجھے اپنی محبت عطا کر، اور مجھے اس شخص کی بھی محبت عطا کر جس کی محبت مجھے تیرے دربار میں فائدہ دے، اے اللہ! جو بھی تو مجھے میری پسندیدہ و پاکیزہ رزق عطا کرے اس رزق کو اپنی پسندیدہ چیزوں میں استعمال کے لیے قوت و طاقت کا ذریعہ بنادے۔“

مذکورہ روایت کی روشنی میں مسلم معاشرے کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پاکستانی سماج آفاقی تعلیمات سے کوسوں دور ہے آج کا معاشرہ حرام مال کے اثر سے اخلاقی اقدار کھو چکا ہے پاکستانی سماج اس محرک سے عاری ہے جو نیک اعمال کی انجام دہی کا سبب بنتا ہے تمام باطل معاملات جو شرعاً کسی طور پر جائز نہیں ان کا کھلم کھلا بیع و شری ہو رہا ہے ان مشکل

¹ محمد الخطیب التبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، التوبة والموعظة والرقائق، حدیث رقم: 5222

² ترمذی، الجامع، کتاب الدعوات عن رسول اللہ، باب: منه، حدیث رقم: 3491

معاشی حالات میں پوری قوم کے گھڑ گھڑانے کے باوجود رحمت کا نزول نہ ہونا اور مسلمانوں کی حالت کا روز بروز ابتر صورت حال سے واضح ہے کہ مسلمانوں نے طیبات اور پاکیزہ اشیاء سے دوری اختیار کی ہوئی ہے اور وہ تجارت کے ذریعے حلال مال کا اکتساب ہے۔

آج ہمارا کھانا پاک نہیں ہمارا پہننا شرعاً مشکوک ہے جو کینسر کی طرح ہمارے سماج میں سرایت کر رہا ہے اور اس حرام مال سے وجود میں آنے والی نسلیں یقیناً قوم کا نہیں ذاتی خواہشات کی پوجا میں گزر بسر کر رہی ہے۔ اس حرام مال کی بدولت رشتوں کا احترام محض ایک خواب بن چکا ہے

لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ آفاقی تعلیمات اور سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے معاشرے میں حلیت اور طہارت کے تصور کو اجاگر کیا جائے اور حرام اشیاء کی ضرر رساں اثرات کا شعور دیا جائے تاکہ آئندہ نسلیں محفوظ رہنے کے ساتھ آفاقی اہداف کی طرف ان کا سفر جاری و ساری رہ سکے۔

رواداری

پاکستانی سماج کا ایک بہت بڑا المیہ رواداری کا فقدان ہے۔ شریعت نے ہمیشہ رواداری کا حکم دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مذہب، تہذیب، ثقافت، زبان یا رنگ و نسل میں اختلاف رکھنے والے ہر شخص کے ساتھ خواہ وہ دوست ہو یا دشمن، اس کے ساتھ آپ عدل و انصاف کا معاملہ کریں، اس کے مذہب و غیرہ کی وجہ سے اس کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہ کیا جائے، نہ کسی طرح کی زیادتی یا ظلم روار کھا جائے اس حوالے سے دیکھا جائے تو رواداری عدل کے مترادف ہے اور اس¹ صفت عدل کی وجہ سے اللہ نے اس امت کو امت وسط قرار دیا جس کو آنحضرت ﷺ نے امت عادل کے طور پر اس کی تشریح فرمائی جیسا کہ حضرت سعید خدری رضی اللہ کی روایت میں وارد ہوتا ہے:

((النبي صلى الله عليه وسلم في قوله: وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا، قَالَ: عَدْلًا))¹

قال ابو عيسى: هذا حديث حسن صحيح².

نبی اکرم ﷺ نے آیت ”وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا“ ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے کے سلسلے میں فرمایا: وسطے مراد عدل ہے) ”یعنی انصاف پسند۔ اس امت کا خاصہ یہ ہے کہ یہ انصاف اور عدل کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے اور اس امت کے سماجی نظام میں تقویٰ بنیادی حیثیت اختیار کرتا ہے اور قرآنی تعلیمات بھی مسلمانوں سے انصاف کا متقاضی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

¹ ابوداؤد، السنن، کتاب اخلاق والبر والصلة، حدیث رقم: 2402

² ترمذی، السنن، کتاب تفسیر القرآن عن رسول ﷺ باب: ومن سورة البقرة، حدیث رقم: 2866

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا إِعْدِلُوا ۖ اقْرَبُوا لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾¹

(تمہیں اس بات پر کسی قوم کی دشمنی آمادہ نہ کرے کہ تم نا انصافی کرو، انصاف سے کام لو، یہی طریقہ تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ یقیناً تمہارے تمام کام سے پوری طرح باخبر ہے)

رواداری کے سلسلے میں یہ آیت بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے کہ رواداری کو عدل کا مترادف قرار دیا جاتا ہے،۔ آیت کریمہ کا مطلب یہی ہے کہ آمادہ نہ کر دے کسی قوم سے تمہاری عداوت اور دشمنی تمہیں اس بات پر کہ تم انصاف کو چھوڑ دو، بلکہ تمہیں تو ہر حال میں انصاف ہی کرنا ہے۔ اس لیے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا جائے اور دوسروں کے مذہب، عقائد و نظریات وغیرہ کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کیا جائے اور ان کے ساتھ مذہبی، سیاسی، فکری اور علمی رواداری کا معاملہ کیا جائے۔ اسلام کے نزدیک اس عمل سے عمریں بڑھ جاتی ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((إِنَّهُ مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرَّفْقِ، فَقَدْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَصِلَةُ الرَّحْمِ وَحُسْنِ الْخُلُقِ وَحُسْنِ الْجَوَارِعِ عُمُرَانِ الدِّيَارِ وَيَزِيدَانِ فِي الْأَعْمَارِ))²

(نبی کریم ﷺ نے ان کو فرمایا: ”جس کو نرمی عطا کی گئی، اس کو دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی سے نواز دیا گیا اور صلہ رحمی، حسن اخلاق اور پڑوسی سے اچھا سلوک (جیسے امور خیر) گھروں (اور قبیلوں) کو آباد کرتے ہیں اور عمروں میں اضافہ کرتے ہیں۔)

”اسلام“ سلامتی اور ”ایمان“ امن سے عبارت ہے، یہ دین انسانیت اور امن و سلامتی کا علم بردار ہے، دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کی اساس اور بنیاد امن و سلامتی اور مذہبی رواداری پر قائم ہے۔

اسلامی تاریخ میں رواداری کی سب سے بڑی مثال تب قائم کی گئی جب پہلی اسلامی ریاست قائم کی گئی۔ میثاق مدینہ ایک ایسا معاہدہ تھا جو ایک قبائلی معاشرے میں رواداری کی سب سے عمدہ مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ میثاق مدینہ کے مطابق تمام قبائل یعنی اوس و خزرج وغیرہ اسلامی حکومت سے معاہدہ کر کے اس میں برابر کے شریک تھے۔ نبی کریم ﷺ کو ایک ایسے سربراہ کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی جنہیں سیاسی اثر و رسوخ کے بجائے شخصی کردار کی بنیاد پر قائد اور سربراہ تسلیم کر لیا گیا تھا اور آپ کو معاملات کے فیصلوں میں قاضی تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اسلام کو جب خیبر سمیت کئی غیر مسلم علاقوں پر غلبہ حاصل ہوا تو غیر مسلم رعایا کا مسئلہ پیدا ہوا۔ مسلم ریاست کے سامنے دنیا کی تاریخ موجود تھی جس میں

¹ المائدہ: 7

² ابوداؤد، السنن، کتاب اخلاق والبر والصلۃ،، حدیث رقم: 2402

فاتح قوم نے کبھی بھی مفتوح اقوام کو اپنے برابر کے حقوق نہیں دیئے اور نہ ہی اپنے برابر سمجھا۔ جدید و قدیم تاریخ میں ایسے متعدد واقعات موجود ہیں کہ فاتح قوم نے نہ صرف یہ کہ مفتوح قوم کو غلام بنایا، بلکہ ان کے مذہب، ثقافت اور معیشت تک کو برباد کیا۔ فطری طور پر مسلمانوں سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ مسلمان جب فاتح ہو گئے اور خطے میں آباد دیگر مذاہب کے پیروکار جو رسول اللہ ﷺ کو نبی اور اسلام کو دین کو نہیں مان رہے تھے اور ہمیشہ سے ان سے برسرِ پیکار رہے تھے، ایسے میں مسلمان ان سے کم از کم بہت نرم برتاؤ بھی کرتے تو ان کو اپنا آبائی دین چھوڑ کر اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور کر سکتے تھے، اس لیے کہ وہ غالب تھے۔ یہاں پر بھی قرآن حکیم نے صاف بتا دیا کہ مسلمان غالب ہوں یا مغلوب، ان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے مذہب کے پیروکار کو جبراً مسلمان بنائیں، ارشاد ہوا "دین میں کوئی جبر نہیں ہے"۔

یہ ایک بنیادی اصول ہے کہ دین کے قبول کرنے میں یا کسی دین کو رد کرنے میں کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن حکیم میں مذہبی عبادت گاہوں کے احترام میں ایک ایسا اشارہ موجود ہے جس میں عبادت گاہیں خواہ مسلمانوں کی ہوں یا غیر مسلموں کی سب کی سب قابل احترام ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾¹

(کچھ زبردستی نہیں دین میں)

دشمنان اسلام یہ باور کرنا چاہتے تھے کہ اسلام تلوار کی طاقت سے پھیلا ہے لیکن ان کو اس بات کا علم نہیں کہ کیسے تلوار سے عرب کی وحشت پنی کا خاتمہ ممکن ہوا حالانکہ طاقت اور زور زبردستی سے اخلاقیات کی نمو ممکن نہیں ہوتی جبکہ دیکھتے ہے دیکھتے پورا عرب تعلیمات اسلام سے جگمگا اٹھا اس حیرت انگیز نشر و اشاعت سے متاثر ہو کر برطانوی مصنفہ آرم سٹر انک نے اس ناقابل تردید حقیقت کو بیان کرتے ہوئے لکھتی ہے:

“Muhammad founded a religion and a tradition that was not based cultural on the sword despite the westron myth and whose name is islam signifies peace and reconciliation.”²

”محمد ﷺ ایک ایسے مذہب اور تہذیب کے بانی تھے جن کی بنیاد تلوار پر نہیں تھی مغربی پروپیگنڈے اور افسانہ کے باوجود اسلام کا نام امن اور صلح کا مفہوم رکھنے والا ہے“

¹البقرة: 256

²Karon Armstrong, Muhammad A Western Attemp to Understanding Islam, London 1992, p:

پاکستان قائد اعظم کے ویژن کے مطابق رواداری کے اصول پر قائم ہے۔ قائد اعظم کے پاکستان میں کسی کے ساتھ امتیازی سلوک کی اجازت نہیں۔ بلکہ تمام شہریوں کو بطور شہری برابر حقوق حاصل ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو۔ یہ سب کچھ اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ اس امر میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں کہ اسلام رواداری، امن و سلامتی اور احترام انسانیت کا داعی ہے۔۔ قرآن و سنت میں واضح کیے گئے اصولوں کے مطابق اسلامی معاشرے کا ہر فرد بلا تفریق مذہب و ملت عزت و مساوات اور بنیادی انسانی حقوق کے حوالے سے یکساں حیثیت کا حامل ہے۔

اسلامی ریاست میں مملکت کے تمام باشندے خواہ وہ کسی بھی مذہب کے پیروکار ہوں، عقیدہ اور مذہب کی تفریق کے بغیر پوری طرح آزاد ہیں۔ ان پر مذہبی معاملات میں کسی قسم کا کوئی جبر و زبردستی نہیں ہوگا۔ کسی کے ساتھ صنف کی بنیاد پر بھی امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جائے گا۔ یہی رواداری کی بہترین مثال ہے۔ اور یہ نظریہ رواداری اسوہ رسول ﷺ کے عین مطابق ہے۔ آج دنیا میں سماجی لسانی و مذہبی اور علاقائی بحران کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ پاکستان میں بسنے والے مختلف اقوام اور قبیلوں نے ایک دوسرے کے اعتقادات کے خلاف نفرت آمیز نظریات قائم کی ہوئی ہیں حالانکہ اسلام نظریاتی اختلافات کو قبول کرتا ہے پر امن معاشرے کے لئے برداشت احترام اور محبت کی پالیسی کو مکالمے میں محور قرار دیتا ہے یہ اسلام اور اسوہ حسنہ ہی ہے جس نے رواداری کا اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا جیسا کہ قرآن گواہی دیتا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾¹

(پھر اللہ کی رحمت کے سبب سے تو ان کے لیے نرم ہو گیا، اور اگر تو تند خو اور سخت دل ہوتا تو البتہ تیرے گرد سے بھاگ جاتے، پس انہیں معاف کر دے اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور کام میں ان سے مشورہ لیا کر، پھر جب تو اس کام کا ارادہ کر چکا تو اللہ پر بھروسہ کر، بے شک اللہ تو کل کرنے والے لوگوں کو پسند کرتا ہے۔)

یہ آیت کریمہ اس بات کی شاہد ہے کہ آپ نے رواداری کا پیغام دیا سماجی تعلقات کو مستحکم کرنے کے لئے صلہ رحمی، ایک دوسرے سے محبت کرنے، ایک دوسرے کی مدد کرنے کی نصیحت فرمائی۔ اس لئے قرآن کہتا ہے خدا تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ نرم دل ہیں اگر آپ بد زبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، آپ ان سے

¹ آل عمران: 159

درگزر کریں اور ان کے لئے استغفار کریں اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

آپ ﷺ نے عرب کے تمام جاہلانہ اور وحشیانہ اصولوں کو یکسر مسترد کرتے ہوئے احترام آدمیت پر مبنی اصول متعارف کروائیں ان قوانین کے مطابق جنگ کے دوران عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے قتل، عبادت گاہوں اور فصلوں و جانوروں کے قتل نیز دشمنوں کو مثلہ کرنے پر پابندی لگا دی حتیٰ کہ دوران امن آپ نے دوسرے مذاہب کو مکمل آزادی دی۔ ڈاکٹر حافظ محمد ثانی نے آنحضرت ﷺ کی رواداری کی ایک پوری فہرست بیان کیے۔

- عیسائیوں کے گرجاؤں، راہبوں کے مکانوں نیز زیارت گاہوں کو ان کے دشمن سے بچائیں
- تمام مضر اور تکلیف رساں چیزوں سے پوری طرح ان کی حفاظت کرنا¹
- ان پر بے جا ٹیکس نہ لگایا جائے
- کوئی عیسائی اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہ کیا جائے
- کسی راہب کو اپنی خانقاہ سے نہ نکالا جائے
- کسی ذاکر کو اپنی زیارت سے نہ روکا جائے
- مسلمانوں کے مکان اور مسجد بنانے کی غرض سے عیسائیوں کے گرجے مسمار نہ کئے جائیں۔²

اسلام میں رواداری کا عالم یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ دوسرے مذاہب کے حقوق کا خاص خیال رکھا آپ نے مذہبی پیشواؤں اور عبادت خانوں کی حفاظت کا حکم فرمایا۔ امام ابو یوسف * کتاب الخراج میں لکھتے ہیں:

"لا يهدم لهم بيعة ولا يمنعون من ضرب النواقر الا في اوقات الصلوة ولا من اخراج الصلبان في يوم عيديهم"³

"یہودیوں اور عیسائیوں کے عبادت خانے نہ گرائیں جائیں یہ لوگ ناقوس بجانے سے نہ روکے جائیں البتہ نماز کے اوقات بند رہے گے اور ان کو عید کے دن صلیب نکالنے سے نہ روکا جائے۔"

¹ حافظ محمد ثانی، رسول اکرم اور رواداری، (کراچی: فضلی سنز لمیٹڈ، اشاعت مارچ 1998)، ص: 192-193

² ایضاً

³ امام ابو یوسف، کتاب الخراج، (کراچی: فضلی سنز لمیٹڈ، اشاعت مارچ 1998)، ص: 192-193

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ پر عمل کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی خلافت کے دوران رواداری کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

اظہار و ستمان حق

فکری و اخلاقی تحدیات کی اہم وجہ ستمان حق یعنی حق بات کو چھپانا ہے احادیث کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علم دین سے متعلق سوال کرنے والے کو دین کی صحیح بات نہ بتلانا یا دین کی معلومات حاصل کرنے یا رکھنے کے باوجود حقائق بیان کرنے سے انکار کر دینا سخت وعید اور گناہ کا باعث ہے۔ کتب احادیث میں روایت منقول ہے کہ:

((قال رسول الله ﷺ: مَنْ سُنِيَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ أَلْجَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلْجَامٍ مِنْ نَارٍ)).¹

(جس سے علم دین کی کوئی ایسی بات پوچھی جائے جسے وہ جانتا ہے، پھر وہ چھپائے تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی)

بہت سے معاشرتی و سماجی معاملات میں عمومی رویہ نا انصافی پر مبنی ہے ملکیتی و وراثتی حقوق میں حق بات معلوم ہونے کے باوجود دنیاوی مفاد کی خاطر حق بات سے انحراف کرنا گناہ ہی متصور نہیں کیا جاتا، حلال و حرام، جائز ناجائز مال میں افتراق کا تصور ختم ہو چکا ہے حقائق کے بارے میں معلومات رکھے بغیر لوگوں کی غلط رہنمائی کرنا معمول کا عمل بن چکا ہے اس عمل کو احادیث کریمہ میں جہنم جانے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے:

((مَا مِنْ رَجُلٍ يَحْفَظُ عِلْمًا فَيَكْتُمُهُ، إِلَّا آتَى بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَلَجًا بِلْجَامٍ مِنَ النَّارِ))²

(جو شخص بھی علم دین یاد رکھتے ہوئے چھپائے، تو اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنا کر لایا جائے گا)

حق اور سچ بات کے اظہار کیے بغیر سماجی نظام تعطل کا شکار ہوتا ہے کاروباری مسائل اور دیگر تعلقات اعتماد سازی کے بغیر نہیں چل سکتے جس سے امور کی انجام دہی میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لئے حسن معاشرت سماجی تعلقات کے بقاء میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے اور حسن معاشرت یہ ہے کہ حق اور سچ بات کے ساتھ پیش آیا جائے۔ قرآن نے بھی حسن معاشرت کی تاکید فرمائی ہے۔

¹ترمذی، الجامع، کتاب علم عن رسول ﷺ، باب: ما جاء في ستمان العلم، حدیث رقم: 2649

- ابو داؤد، السنن، باب ستمان العلم، حدیث رقم: 3658

²ابن ماجہ، السنن، باب: مَنْ سُنِيَ عَنْ عِلْمٍ فَكْتَمَهُ قَوْمٌ، حدیث: 261 / الخطیب التبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، حدیث رقم: 223

﴿وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنتُمْ مُّعْرِضُونَ﴾¹

(اور لوگوں سے اچھے انداز میں بات کرو، نمازیں قائم رکھنا اور زکوٰۃ دیتے رہنا لیکن تم سب پھر گئے اور منہ موڈ لیا تھوڑے لوگوں کے علاوہ۔)

عظمت اخلاق آخری پیغمبر ﷺ کا امتیاز ہے، سارے انبیاء اخلاق کی تعلیم دینے کے لیے دنیا میں آئے، مگر آپ ﷺ اس ہدایت کے آخری رسول ہیں، آپ ﷺ کے لہجے میں اس قدر تاثیر تھی کہ لوگ لپک لپک کر آپ ﷺ کی طرف آتے اور اخلاق سے سرشار مقناطیسی شخصیت لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی۔ ابن کثیر آپ کے اخلاق حسنہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں حسنہ سے مراد پاک و صاف بات کرنا اور ان کی جانب مائل ہوتے ہوئے نرمی برتنا ہے وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا أَي كَلِمُوهُمْ طَيِّبًا، وَلِينُوا لَهُمْ جَانِبًا، وَيَدْخُلْ فِي ذَلِكَ الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ² جبکہ علامہ طباطبائی قول حسن کو کنایہ قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک مخاطب کافر ہو یا مومن بس ان کے ساتھ حسن معاشرت ہی قول حسن ہے والمعنى قولوا للناس قولاً حسناً، وهو كناية عن حسن المعاشرة مع الناس، كافرهم ومؤمنهم ولا ينافي حكم القتال حتى تكون آية القتال ناسخة له لأن مورد القتال غير مورد المعاشرة فلا ينافي الأمر بحسن المعاشرة³ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَأَجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ﴾⁴

(اور جھوٹ اور غلط بیانی سے اجتناب کرو)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا﴾⁵

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو اور صحیح اور سیدھی بات کیا کرو)

یہاں مومنین کو جھوٹ اور حق بات چھپانے سے منع کیا جا رہا ہے کہ جب بھی بات کی جائے تو وہ حقائق پر مبنی ہو کیونکہ اس سے معمولات زندگی متاثر ہونے کا خدشہ پیدا ہوتا ہے۔ کسی بھی سماج میں قول و فعل پر اعتماد کرتے ہوئے امور کی انجام دہی یقینی ہوتی ہے اگر اعتماد ہی اٹھ جائے تو سماجی اور معاشی نظام ایک ساتھ بیٹھ جائیگے۔ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ

¹ البقرہ: 83

² ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، البقرہ: 83، ج 1، ص: 181

³ طباطبائی، محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، (پاکستان: الغدیر اکیڈمی)، ذیل البقرہ: 83، ج 1، ص: 516

⁴ الحج: 30

⁵ الاحزاب: 70

نماز ظہر سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے نمازیوں کو اپنی جگہ بیٹھنے کا کہا اور پھر قول سدید کے بارے میں پسند و نصیحت فرمائی۔

((صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الظهر، ثم قال على مكانكم اثبتوا، ثم أتى الرجال فقال: إن الله أمرني أن آمركم أن تنتقوا الله، وأن تقولوا قولاً سديداً، ثم أتى النساء فقال: إن الله أمرني أن آمركن أن تتقين الله، وأن تقلن قولاً سديداً))¹

(ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نماز ظہر سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے نمازیوں کو اپنی جگہ بیٹھنے کا کہا آپ ﷺ مردوں سے مخاطب ہوئے، اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کو تقویٰ کا حکم دوں پھر عورتوں کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دوں اور سیدھی بات کرنے کی نصیحت کروں)

پس کلام کی خوبصورتی یہ ہے کہ جھوٹ اور غلط بیانی سے پاک ہو اور بات سیدھی ہو جو حقیقت سے مکمل ہم آہنگ، غلط اور جھوٹی بات کبھی اثر نہیں چھوڑتی نہ لوگ اس کی تحسین کرتے ہیں حق بات کو چھپانا اور پھر احتراز کرنا بخل میں شمار ہوتا ہے اور یہ بہت بڑا عیب ہے لیکن پاکستانی سماج میں اسے عیب نہیں سمجھا جاتا حالانکہ یہ یہودیوں کی صفت ہے قرآن نے اسے مکروہ عمل قرار دیا ہے:

﴿الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا هَبِئًا﴾²

(جو لوگ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل سکھاتے ہیں اور اسے چھپاتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے، اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔)

علامہ بغوی رحمہ اللہ بخل کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"منع السائل من فضل ما لديه، وفي الشرع: منع الواجب، { وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ } ، قرأ حمزة والكسائي بالبخل الباء والحاء، وكذلك في سورة الحديد، وقرأ الآخرون بضم الباء وسكون الخاء، نزلت في اليهود بخلوا ببيان صفة محمد صلى الله عليه وسلم وكنتموها."³

¹ السيوطي، الدر المنثور في التفسير بالماثور، تفسير الاحزاب: 70، ج 12، ص: 154

² النساء: 37

³ البغوي، تفسير معالم التنزيل ذيل آيت النساء: 37، ج 5، ص: 213

اسی آیت سے واضح ہے کہ فضل الہی کے چھپانے والوں کو کافر قرار دیکر ذلت ان کے مقدر میں لکھی جاتی ہے اس عمل کی پیچیدگی اور مغضوب ہونے کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اللہ نے اسے کفر سے نسبت دی ہے اس ضمن میں پاکستانی سماج پر نظر دوڑائیجائے تو یہ اسلامی تعلیمات سے کوسوں دور نظر آتی ہے کیونکہ حق بات کہنے کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی۔

تصحیح افکار

ہر دور میں کسی بھی قوم اور معاشرے کو جو مسئلہ زیادہ درپیش رہا ہے وہ ان کے افکار کا استحصال ہے انبیائے کرام نے سب سے پہلے تصحیح افکار و آزادی فکر پر تبلیغی امور انجام دیئے اور اسے فرض منصبی قرار دے کر لوگوں کا تعلق اللہ سے اور پھر مخلوق سے ان کے تعلق کو مثبت انداز میں استوار فرمائیں۔ انس بن مالک رضی اللہ کی روایت کے مطابق آپ ﷺ ہمیشہ فکر و سوچ کے بارے میں دعا کیا کرتے تھے:

((قال: كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم دعوات لا يدعون، كان يقول: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ، وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ))¹
 "رسول اللہ ﷺ کی کچھ دعائیں تھیں جنہیں آپ ﷺ پڑھنا نہیں چھوڑتے تھے: آپ ﷺ فرماتے: اے اللہ! میں فکر و سوچ اور پریشانی سے، عاجزی و سستی سے، کنجوسی و بزدلی سے اور لوگوں کے غالب آنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"

سابقہ امتوں میں اس قدر زیادہ فکری بگاڑ اور انتشار تھا کہ منطقی سادہ فہم قضیوں سے کسی بھی مسئلے کا حل تلاش کرنے سے قاصر رہتے تھے اس لئے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کو خدا سمجھ کر اور شرک کا ارتکاب کر بیٹھتے حالانکہ وہ اس بات کے ادراک سے عاجز تھے کہ کیسے ہاتھ کے بنے ہوئے لات و رمنات ان کو رزق اور زندگی سے ہمکنار کر سکتے ہیں۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے افکار ان فرسودہ روایات اور ان کے آبا و اجداد کی جاہلانہ توہمانہ عقائد کے بندھنوں میں جکڑ چکے تھے کہ ان کے خلاف سوچنا ایک ناقابل معافی جرم کہلاتا ہے۔ ان جکڑے بندھن سے نکلنے کے لئے فکری آزادی چاہیے۔ آزادی اس وقت ممکن ہوگی جب انسان فکر کی دولت سے آراستہ ہو اور فکر اس وقت متحرک ہوگی جب اس کے لئے آزادی میسر ہوگی۔ یہ دونوں عظیم نعمتیں ہیں جن کی اہمیت کو مختلف پیرایوں میں اسلام نے اجاگر کیا ہے جیسا کہ فکر کی اہمیت کے بارے میں سیدنا انس بن مالک سے روایت مروی ہے کہ فکر سے انسان کو رزق ملتا ہے۔

¹ نسائی، السنن، کتاب الاستعاذہ، باب: الاستعاذۃ من اللہ، حدیث رقم: 5451

((من كانت الآخرة همه جعل الله غناه في قلبه وجمع له شمله وانتہ الدنيا وهي راغمة، ومن كانت الدنيا همه جعل الله فقره بين عينيه وفرق عليه شمله ولم ياتہ من الدنيا إلا ما قدر له))¹

(نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس کی فکر آخرت ہو خدا تعالیٰ اس کے دل کو بے نیاز اور غنی کر دیتا ہے اس کے امور کی شیرازہ بندی کرتا ہے اور دنیا عاجز و درماندہ ہو کر اس کے پاس آتی ہے اور جس کی فکر صرف دنیا ہو اللہ تعالیٰ اس کے فقر و فاقہ کو اس کی پیشانی پر رکھ دیتا ہے اور اس پر اس کے امور کو منتشر کر دیتا ہے اور اسے دنیا میں سے بھی وہی کچھ ملتا ہے جو اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہوتا ہے)

جو فکر مادیات میں الجھی ہوئی ہو وہ فکر ہمیشہ انسانی معاملات کو پر اگندہ رکھتی ہے ایسے میں انسان ہمیشہ احتیاج کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے اس سلسلے میں حضرت ابان بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے حدیث بھی مروی ہے کہ

“يقول: من كانت الدنيا همه فرق الله عليه امره وجعل فقره بين عينيه ولم ياتہ من الدنيا إلا ما كتب له ومن كانت الآخرة نيته جمع الله له امره , وجعل غناه في قلبه وانتہ الدنيا وهي راغمة”²

(جس کو دنیا کی فکر لگی ہو تو خدا تعالیٰ اس پر اس کے معاملات کو پر اگندہ کر دے گا، اور محتاجی کو اس کی نگاہوں کے سامنے کر دے گا، جب اس کو دنیا سے صرف وہی ملے گا جو اس کے حصے میں لکھ دیا گیا ہے، اور جس کا مقصود آخرت ہو تو خدا تعالیٰ اس کے معاملات کو ٹھیک کر دے گا، اس کے دل کو بے نیازی عطا کرے گا، اور دنیا اس کے پاس ناک رگڑتی ہوئی آئے گی)

بعض روایات کے مطابق اسی فکر کی بدولت عالم کو عابد پر فضیلت دی گئی ہے چونکہ عابد کی فکر اپنی ذات کے گرد گھوم رہی ہوتی ہے جبکہ عالم کی فکر پوری انسانیت اور اجتماع سے منسلک ہوتی ہے۔ قرآنی آیات سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اس امت کو سابقہ امتوں پر فضیلت بھی غور و فکر کے سبب ملی ہوئی ہے کیونکہ امت محمدیہ ﷺ کے دیگر امتوں پر فضیلت کی وجہ اس امت کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا ہے جبکہ یہ فریضہ غور و فکر کے بغیر انجام نہیں پاتا ہے یعنی جو اقرار عمل کے نتائج کا علم نہیں رکھتے یا پھر اعمال کے انجام دہی کے اثرات کا شعور نہیں رکھتے و کیسے امر بالمعروف کر سکتے ہیں؟ لہذا غور و فکر کرنے والا ہی امر بالمعروف کے فریضے سے ہمکنار ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں وارد ہوتا ہے ایک عالم کی ایک لمحے کی فکر ایک عابد کے ستر سالہ عبادت سے افضل ہے بہت سی روایات ایسی ہیں جو اسی فکر کی وجہ سے عالم اور عابد کے درمیان فرق کو بیان کر رہی ہے حضرت ابو امامہ باہلی سے روایت ہے کہ:

¹ نسائی، السنن، کتاب التوبہ والموعظہ والرقائق، باب: دنیاوی و آخروی فکر، حدیث رقم: 2287

² ابن ماجہ، السنن، کتاب الزہد، باب: الهم الدنيا، حدیث رقم: 4105

قال: ذكر لرسول الله صلى الله عليه وسلم رجلان احدهما: عابد والآخر عالم، فقال رسول الله ﷺ: فضل العالم على العابد كفضلي على ادناكم، ثم قال رسول الله ﷺ: إن الله وملائكته واهل السموات والارض حتى النملة في جحرها، وحتى الحوت ليصلون على معلم الناس الخير قال ابو عيسى: هذا حديث حسن¹

"رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو مختلف شخصیات کموزیر بحث لایا گیا، ان میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ایک عام آدمی پر ہے،" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ اور اس کے فرشتے اور آسمان اور زمین والے یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنی سوراخ میں اور مچھلیاں اس شخص کے لیے جو نیکی و بھلائی کی تعلیم دیتا ہے خیر و برکت کی دعائیں کرتی ہیں"۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے"

متن حدیث میں فکر کی عظمت واضح ہے چونکہ فکر ہی وہ جوہر ہے جو ہزار اربلیس صفت انسانوں پر بھاری ہے یہ ان کے تمام حیلے اور عابد کی خلوت کی عبادات کا تعلق اس کی ذات سے ہوتا ہے اسے جنت کی تلاش رہتی ہے اور اسے وہ خلوت کی عبادات میں ڈھونڈتا ہے جبکہ عالم لوگوں کی دکھوں اور ان کے مداوی میں رب کی رضا دیکھتا ہے اسے کائنات کے ہر ذرے میں خدا کی وحدانیت کے دلائل نظر آتے ہیں اس لئے ذات سے نکل کر فائے عامہ میں زندگی کے تصرف کو اعزاز سمجھتا ہے۔ اسلام نے فکری آزادی کو افضل جہاد قرار دیا ہے۔ حق بات کو چھپانا اور کلمہ حق سے احتراز کرنا اسلام کی نظر میں جائز نہیں حدیث میں وارد ہوتا ہے:

((مَا هُوَ أَفْضَلُ الْجِهَادِ قَالَ إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْجِهَادِ كَلِمَةً عَدَلَ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ))²
 "آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا افضل جہاد کیا ہے؟ تو آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا افضل جہاد کیا ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا بے شک سب سے بڑا جہاد جابر حکمران کے سامنے حق بات کہنا ہے۔"

اس حدیث شریف میں ظالم اور جابر حکمران کے سامنے حق بات کرنا اور کہنا سب سے افضل جہاد قرار دیا گیا، ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان سے حق بات کہنا بھی جہاد ہے لہذا جہاد کو قتال کے معنی میں استعمال کرنا درست نہیں ہے اسی طرح موجودہ دور میں جہاد بالعلم والقلم زیادہ موثر نہیں ہے۔ یہ بات حقیقت ہے کہ وقت کے ساتھ جہاد کے ذرائع بھی تبدیل ہو چکے ہیں۔ آج کے دور میں قلم کے ذریعے افکار کا مقابلہ سب سے موثر جہاد ہے۔

¹ترمذی، السنن، کتاب العلم عن رسول اللہ ﷺ، باب: ما جاء فضل الفقه على العبادة، حدیث رقم: 2685

²ترمذی، السنن، کتاب الامارة والقضاء، حدیث رقم: 2174

— ابو داود، السنن، کتاب الامارة والقضاء، ج 2، ص: 1094، حدیث رقم: 4344

ان مذکورہ روایات سے واضح ہے کہ آزادی فکر دوسرے اقوام کی طرح مسلم سماج میں انتہائی اہمیت کے حامل ہے اس آواز کے دب جانے کی صورت میں بہت سے سماجی و فکری تحدیات کو جنم لینے کا موقع ملتا ہے کیونکہ ان تحدیات کو روکنے ٹوکنے اور مزاحمت کرنے والی قوت اگر کوئی ہے تو وہ آزادی فکر ہے۔ پس فکری حیات ہی وہ دافع اور مانع ہے جو فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تحت معاشرتی مفاسد کا دفاع کرنے پر قدرت رکھتی ہے اس لئے اسلام نے اسے افضل جہاد قرار دیا ہے۔

پاکستانی معاشرہ اس جہاد سے محروم دکھائی دیتا ہے ہر ناجائز کام آنکھوں کے سامنے انجام پا رہے ہیں لیکن اس کے باوجود حق بات کرنے سے معاشرہ گریزاں ہے عوام کو سب چیزوں کا پتہ ہے کہ معاشرے میں کون اچھا اور کون برا ہے کون مخلص اور خود غرض ہے؟ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ فکری بقاء کے لئے اجتماعی ذمہ داریوں کو نبھانا وقت کی ضرورت ہے تاکہ یہ آواز فکری اور اخلاقی تحدیات اور ان کی مویشگافیوں کو محدود کرنے میں کار آمد ثابت ہو سکے۔

اجتہاد کی ناگزیریت

فکری و اخلاقی تحدیات کی ایک اہم وجہ ابھرتے مسائل کے حل کا فقدان اور مسائل کے بارے میں عدم شعور ہے۔ کوئی بھی مسئلہ آن واحد میں معاشرے کو لپیٹ میں نہیں لیتا بلکہ مختلف مراحل میں اس مسئلے کی بالترتیب شدت ایک خاص مرحلے پر سماجی اقدار پر حاوی ہوتی ہے اجتہاد ہمیشہ ایسے نادیدہ مسائل اور مستقبل میں پیدا ہونے والے خطرات کے بارے میں فقط آگاہی دیتا ہے بلکہ ان مسائل کا حل بھی پیش کرتا ہے۔

کلام عرب میں اجتہاد کی حقیقت یہ ہے کسی مجتہد کا کسی مسئلے کی تحقیق اور جستجو میں انتہائی جدوجہد کرنا ہے۔ اس حوالے سے اجتہاد سے مراد وہ جدوجہد جس میں محنت شاقہ برداشت کرنی پڑتی ہے آئمہ مجتہدین نے اپنے ذوق کے مطابق اس کی وضاحت فرمائی ہے:

"هو استقراغ الجهد وبذل غاية الوسع اما في درك الاحكام الشرعية وما في تطبيقها

1"

"شرعی احکام کی معرفت حاصل کرنے یا جزئیات پر ان کو منطبق کرنے میں خالی الذہن ہو کر غور و فکر کی انتہائی

طاقت صرف کرنا"

علامہ تفتازانی نے اجتہاد کی یوں تعریف کرتے ہیں:

¹ ابواسحاق شاطبی، الموافقات، کتاب الاجتہاد، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1411ھ) ج 4، ص: 345

"کسی شرعی حکم کے بارے میں غالب گمان کے حصول میں فقیہ کا اپنی طاقت صرف کرنا"¹

ان تعریفات سے دو چیزیں ملخص ہو کر سامنے آتی ہیں پہلا یہ کہ اجتہاد کے ذریعے ان مسائل کا حل دریافت کرنا مقصود ہوتا ہے جو حل طلب ہیں وجود کے اعتبار سے مسائل زندہ ہیں لیکن ان کے موقع محل اور جہت کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا۔ ایسے میں اجتہاد ہی ایسا ذریعہ ہوتا ہے جس کے ذریعے مسائل کی جہت اور ان کے موقع محل کا مناسب تعلق پیدا کیا جاتا ہے۔
علامہ زبیدی^(م 1205ھ) فرماتے ہیں:

"الإجتہاد بذل الوسع في طلب الأمر والمراد به رد القضية من طريق القياس الى الكتاب و السنة"

"اجتہاد کہتے ہیں کسی چیز کی تلاش میں اپنی پوری طاقت خرچ کرنا اور اس سے مراد ہے کسی قضیہ (مسئلہ) کو قیاس کے طریقے سے کتاب و سنت کی طرف لوٹانا۔ (یعنی اس کی کوشش کرنا)"²

موجودہ دور میں زندگی کے مختلف شعبوں میں اور جدید علوم میں اجتہاد کی اشد ضرورت ہے چونکہ بسا اوقات شرعی عذر مثلاً بیماری وغیرہ کی وجہ سے حکم شرعی پر عمل کرنا انتہائی دشوار ہوتا ہے ایسے میں اجتہاد کے توسط سے ایسی صورت نکالی جا سکتی ہے جس سے انسانی دشواری بھی ختم ہو اور حکم شرعی پر عمل بھی ممکن ہو سکے۔ بد قسمتی سے موجودہ دور میں آئے روز اخلاقی اور فکری تحدیات کا ایک طوفان سماج کو لپیٹ میں لے چکا ہے اس کی وجہ اس مشکل سے نکلنے کے لئے حکم شرعی پر عمل کرنے سے مسلمان غافل ہو چکے ہیں اجتہاد کی ضرورت محسوس کئے بغیر استکباری قوتوں کے پیدا کردہ مسائل پر ایمان لاتے ہیں اور قرآنی احکامات کے ذریعے اس مشکل سے نکلنے کی جتن کرنے سے قاصر ہیں۔ حالانکہ اللہ نے وعدہ کیا ہے، کہ اگر وہ اس کی راہ میں کوشش کریں گے تو اللہ ضرور ان کو اس مشکل سے نکلنے کا راستہ دکھا دے گا۔ جیسا کہ ارشاد رب العزت ہو رہا ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾³

(اور جو مشقتیں برداشت کرتے ہیں لوگ ہماری راہ میں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھا دیں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کا ساتھی ہے) قرآن کریم اور جناب نبی اکرم ﷺ کی سنت و تعلیمات دونوں تاریخ کے ریکارڈ پر محفوظ حالت میں موجود ہیں لیکن ظاہر ہے کہ ان میں انسانی زندگی کو قیامت تک پیش آنے والے حالات و مسائل کی تفصیلات موجود نہیں ہیں اور نہ ہی موجود ہو

¹ علامہ تفتازانی، اجتہاد، (دہلی: جامعہ ملیہ برقی پریس، 1931)، ص: 36

² مرتضیٰ الزبیدی، تاج العروس، (لاہور: ادارہ مطبوعات اسلامی منصورہ)، ج 2، ص: 330

³ العنکبوت: 69

سکتی ہیں اس لیے اسلام نے بعد میں رونما ہونے والے حالات و واقعات اور مشکلات و مسائل کے حوالہ سے انسانی معاشرہ کو قرآن و سنت کے دائرہ کا پابند رکھتے ہوئے جزئیات و فروعات میں حالات و مواقع کی مناسبت سے قرآن و سنت کی اصولی راہ نمائی کی روشنی میں عقل و قیاس کے ساتھ فیصلے کرنے کا اختیار دے دیا ہے اور اسی اختیار کو شریعت کی اصطلاح میں ”اجتہاد“ کہتے ہیں۔

اس کے ذریعہ بدلے ہوئے حالات و ادوار میں شریعت کے اصل منشاء و مقصد کی بابت رہنمائی کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے، اجتہاد اس کا نام نہیں ہے کہ شارع کے نصوص کو محدود کر دیا جائے اور اپنی رائے و خواہش کے دائرہ کو وسیع کیا جائے، بلکہ اجتہاد کے ذریعہ درحقیقت نصوص اور شارع کی ہدایات و تعلیمات کے اطلاق کو وسیع کیا جاتا ہے، اور ان صورتوں کو بھی آیات و روایات کے ذیل میں لایا جاتا ہے جیسا کہ درج ذیل آیات کے استدلال سے واضح ہے:

﴿وَمَنْ حَبِثُ خَرَجْتَ قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَمَا اللَّهُ بِغَفِلٍ
عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾¹

(اپنا منہ کر لیا کرو مسجد حرام کی طرف آپ جہاں سے بھی نکلے آپ کے رب کی طرف سے، یہی حق ہے جو کچھ کر رہے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں)

مسجد الحرام سے دوری کی صورت میں اس کی طرف رخ کرنا اجتہاد کی بدولت ممکن ہوتا ہے۔ نماز جیسی اہم فرائض میں یہ حکم موجود ہونے کی دیگر مسائل میں بدرجہ اولیٰ اجتہاد ضروری ہے۔ یہ آیت اجتہاد کے دائرہ کار میں وسعت پیدا کرتی ہے۔²

﴿الرَّضَاعَةُ وَ عَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾³

(بچے کے باپ پر ضروری ہے کہ اس کی ماں کو معروف طریقے سے کھانا اور کپڑا دے)

اس مدت میں بچے کے باپ پر مطلقہ کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری ہے جسے ہم نان و نفقہ کہتے ہیں اس میں معروف کا ذکر ہے اور قرآن و سنت میں اس معروف کی مقدار کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ لہذا ماؤں کو دوران رضاعت جو کچھ کھانے اور پہناوے کے طور پر دیا جائے گا اس کی مقدار اجتہاد کے ذریعے سے معین کیا جائے گا۔ حضرت یونس نے حضرت زہری

¹ البقرہ: 149

² تفتی امینی، اجتہاد، (کراچی: قدیمی کتب خانہ) ص: 32

³ البقرہ: 233

سے بیان کیا ہے کہ مطلقہ بیوی کے ساتھ ساتھ بچہ بھی ہو تو اس کے دودھ پلانی تک کا خرچہ مرد پر واجب ہے پھر حکم

پروردگار بھی ہے کہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار نہ کرے

فَلَيْسَ لَهَا أَنْ تَأْتِيَ بَعْدَ أَنْ يُعْطِيَهَا مِنْ نَفْسِهِ مَا جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَيْسَ لِلْمَوْلُودِ لَهُ أَنْ يُضَارَّ بِوَلَدِهِ وَالِدَتُهُ، فَيَمْنَعَهَا أَنْ تُرْضِعَهُ ضَرَارًا لَهَا إِلَى غَيْرِهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَسْتَرْضِعَا عَنْ طَيْبِ نَفْسِ الْوَالِدِ وَالْوَالِدَةِ¹

"اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ بچہ کو دودھ پلانے سے اس وقت بھی انکار کر دے جبکہ بچہ کا والد اسے (نان

نفقہ میں (اپنی طرف سے وہ سب کچھ دینے کو تیار ہو جو اللہ نے اس پر فرض کیا ہے۔ اسی طرح فرمایا کہ باپ

اپنے بچہ کی وجہ سے ماں کو نقصان نہ پہنچائے۔"

اس حوالے سے دیکھا جائے تو یہ سب اجتہاد کی کرامات ہے اس طرح کی مثال حضرت عباس رضی اللہ کی روایت میں بھی ملتی ہے:

"امراة من جهينة جاءت إلى النبي ﷺ فقالت: إن امي نذرت أن تحج فلم تحج حتى ماتت، افاحج عنها؟ قال: نعم، حجي عنها، ارايت لو كان على امك دين اكننت قاضية، اقضوا الله، فالله احق بالوفاء²

"قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ میری والدہ نے حج کی منت مانی تھی لیکن وہ حج نہ کر سکیں اور ان کا انتقال ہو گیا تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ان کی طرف سے تو حج کر۔ کیا تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو تم اسے ادا نہ کرتیں؟ اللہ تعالیٰ کا قرضہ تو اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے کہ اسے پورا کیا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ ان آیات اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد وہ واحد ذریعہ ہے جن کے ذریعے آئندہ مسائل کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے"

مذکورہ حقائق سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ فکری اور اخلاقی تحدیات کو اس وقت پھلنے ور پھولنے موقع ملتا ہے جب اجتہاد کے سارے دروازے مسدود ہو جاتے ہیں۔ لہذا اجتہاد دفاعی پوزیشن مستحکم کرنے کے لئے ایک ناقابل تسخیر عمل ہے۔ اس کے ذریعے شیطانی افکار اور اعمال کا توڑ نکالا جاسکتا ہے اور سماج کو منفی رویے اور انتشاری اعمال سے مفاد عامہ کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔

¹بخاری، الجامع الصحیح، باب نفقة المرأة إذا غاب عنها، حدیث رقم: 5359

²بخاری، الجامع الصحیح، کتاب جزاء الصيد، باب: الحج والنذور عن الميت، والرجل یحج عن المرأة، حدیث رقم: 1852

خلاصہ (Summary)

یہ موضوع یعنی "پاکستانی معاشرے کی فکری و اخلاقی تحدیات: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ" پانچ ابواب پر مشتمل ہے اور ان میں سے ہر باب کو متفرق فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ باب اول میں موضوع سے متعلق تعارفی مباحث بیان کیا گیا ہے باب دوم کے فصول میں پاکستانی معاشرہ اور فکر و اخلاق کے مفہوم کو اجاگر کرنے کے ساتھ ان کے بنیادی ماخذ پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں علمائے اخلاق و فلسفہ کے آراء و نظریات کا جائزہ لینے کے بعد جامع اور مانع تعاریف کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جس میں فکر سے مراد معلوم چیزوں میں عقل کی وہ کارکردگی ہے جس کے ذریعے وہ مجہول چیزوں کی معرفت حاصل کر لیتی ہے یعنی معلوم چیزوں کی چھان بین اور ان کی جانچ پڑتال مقدمہ بنتا ہے کہ ان کے ذریعے نامعلوم حقیقت تک پہنچا جاسکے۔ اسی طرح اخلاق سے مراد نفس میں راسخ اس ہیئت کا نام ہے جس سے بغیر سوچے سمجھے افعال صادر ہوتے ہیں اگر اس ہیئت سے ایسے افعال سرزد ہو جو شرعاً اور عقلاً مستحسن ہوں تو ایسی ہیئت کو خلقِ حسنہ کہا جاتا ہے اور اگر اس سے افعال قبیحہ سرزد ہوں تو ایسی ہیئت کو خلقِ سیئہ کہا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ خلقِ ضمہ کے ساتھ نفس میں راسخ ہیئت کا نام ہے تو بس اگر کبھی کسی عارضی حالت کی وجہ سے اس نفسانی کیفیت کے خلاف مال بزل کیا جائے تو اسے سخا نہیں کہا جائے گا جب تک کہ یہ اس کی نفسانی کیفیت میں شامل نہ ہو۔

مسلم معاشرے کی خد و خال اور خصوصیات جیسے تصور خلافت، عدل و انصاف، عفو و درگزر، انفاق فی سبیل اللہ، تقسیم میراث اور جذبہ قربانی و حریت کے اطلاق کو عمیقانہ نظر سے دیکھا گیا ہے۔ اسی طرح فکر اسلامی کے مناج استنباطی و مناج استدلالی اور مناج استقرائی کا جائزہ لینے کا ساتھ فکر کے ماخذ جیسے قرآن، سنت، قیاس، عقل اور فطرت (مطالعات و مشاہدات) پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ چونکہ یہ وہ بنیادی ذرائع ہیں جن کی وجہ سے فکر کو تقویت اور چاشنی ملتی ہے۔

تیسرے باب کے پہلی فصل میں فکری و اخلاقی تحدیات کی جہات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے جس میں چار بنیادی جہات ایسی ہیں جو اخلاق اور فکر اسلامی کے لئے اس دور میں نوجوان نسل کے لئے بہت برا چیلنج ہیں ان میں سرفہرست سیکولر ازم، لبرلزم، استہیزم اور ماڈرنیزم ہیں ان نظریات کی وجہ سے لادہنیت بڑی تیزی سے اسلامی سماج میں نفوذ کر رہی ہے۔ ان تمام نظریات کا مشترکہ بھینڈا مذہب سے لا تعلقی اور دوری ہے۔ سیکولر ازم کے مطابق تمام اجتماعی معاملات کو عقل انسانی سے حل کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ وہ انفرادی زندگی میں تو کسی خدا کو ماننے کی اجازت تو دے دیتا ہے لیکن اجتماعی مسائل کو خدا کے حوالے کرنے سے انکاری ہے۔ دین کی پیروی انسانی آزادی کے منافی ہے، لہذا سیاست اور دین، معیشت اور دین و معاشرت اور دین یہ سب الگ الگ ہیں۔

سیکولر ازم اور لبرلزم کا آپس میں موازنہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سیکولرزم کا روئے سخن خدا کی طرف ہے کہ تو نہیں ہے، بالکل بھی نہیں ہے، اور لبرلزم انسان سے مخاطب ہے کہ صرف تو ہی تو ہے، اور کوئی نہیں ہے۔ سیکولر ازم میدان اور بنیاد فراہم کرتا ہے لبرلزم کے لئے، اے خدا اگر تو نہیں تو بس میں ہی میں ہوں اب میری مرضی ہے جیسے اور جس طرح ہوں۔ سیکولر ازم میں خدا کی جگہ عقلیات پر اکتفاء کیا جاتا ہے جبکہ لبرلزم میں عقلیات دم توڑتی ہے اور انسان اپنے نفس اور انا پر اکتفاء کرتا ہے۔

باب چہارم کے تینوں فصول میں فکری و اخلاقی تحدیات کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے انفرادی و اجتماعی اثرات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس تحقیق سے یہ بات واضح ہے کہ فکری و اخلاقی تحدیات کے اسباب میں سرفہرست علم و تحقیق کے معیارات سے بے توجہی، قرآنی تعلیمات سے دُوری، تعلیم و تزکیہ کا فقدان، اندھی تقلید، مثالی یا آئیدیل قیادت کا فقدان، مطالعات و مشاہدات میں عدم دلچسپی، علم کی اسلامی تشکیل کا فقدان، اور مصلحت پسندی جیسے عناصر اسلامی روایات کے لئے کوہ گراں بن چکے ہیں۔ ان اسباب کے باعث معاشرے پر بہت سنگین مذہبی، معاشی اور سیاسی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اگر سیاسی اثرات کا جائزہ لیا جائے تو دین کی سیاست سے جدائی بنیادی عنصر ہے آج سیاسی میدان میں دین لاوارث نظر آتا ہے۔ اسی طرح نمائندگی کا تصور قدرے مختلف ہے اسلام تقویٰ کے حامل شخص کو افضل سمجھتا ہے جبکہ موجودہ سماج معاشرے کے بد معاش اور قاتل مزاج افراد کو بطور لیڈر انتخاب کرنے پر شرمسار نہیں۔ اس کے علاوہ مغربی جمہوریت میں افراد کو تو لٹے ہوئے ووٹ کو ایک ہی زاویے سے دیکھا جاتا ہے جبکہ اسلام عالم اور جاہل میں فرق کرتا ہے۔ اس حوالے سے دونوں کا ووٹ مساوی نہیں۔

پانچویں باب کے دونوں فصول میں قرآن اور تعلیمات حدیث کی روشنی میں فکر و اخلاق کی اصلاح کے طرق بیان کئے گئے ہیں۔ قرآنی تعلیمات کے ضمن میں چند چیزیں فکر و اخلاق کی اصلاح کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے ان میں عقیدہ توحید و آخرت فکری و اخلاقی اصلاح کا بنیادی عنصر ہے یہ فکر کو کسی صورت حدود سے تجاوز کرنے نہیں دیتی۔ اسی طرح فریضہ امر بالمعروف کی ادائیگی قرآن کی نگاہ میں فکری و اخلاقی اصلاح کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اس طرح تعلیمات حدیث سے بھی واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی کچھ دعائیں تھیں جنہیں آپ ﷺ پڑھنا نہیں چھوڑتے تھے: آپ ﷺ فرماتے: اے اللہ! میں فکر و سوچ اور پریشانی سے، عاجزی و سستی سے، کنجوسی و بزدلی سے اور لوگوں کے غالب آنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

نتائج تحقیق (Conclusion)

اس موضوع کے متعلق تحقیقی عمل سے درج ذیل نتائج اخذ کئے جاتے ہیں:

1. اس تحقیق سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ اسلامی فکری و اخلاقی اصول انسانوں کے درمیان حُسن سلوک، محبت، ہمدردی اور احترام کو فروغ دیتے ہیں۔ یہ اصول فرد کی روحانی و اخلاقی ترقی کے لیے اہم رہنمائی فراہم کرتے ہیں بلکہ یہ سماج میں انصاف، امن، محبت، اور ہم آہنگی کو فروغ دینے کا بھی ذریعہ ہیں۔
2. فکری و اخلاقی تحدیات سے یہ بات بھی منصفہ شہود پر آئی ہے کہ پاکستانی معاشرہ میں انتہا پسندی ایک بنیادی سماجی و فکری مسئلہ ہے اس کی بنیادی وجہ غلو فی الدین، غربت، تعلیمی پسماندگی اور سیاسی جبر جیسے عوامل ہیں اس سے سماج میں خوف اور تشویش پیدا ہوتی ہے جس سے سرمایہ کاری، سیاحت اور کاروباری معاملات پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔
3. تحقیق کے ضمنی ابحاث کے جائزے سے معلوم ہوا ہے کہ پاکستانی معاشرہ میں انتہا پسندی معاشرتی اتحاد اور ہم آہنگی کو نقصان پہنچاتی ہے جب افراد یا گروہ انتہائی نظریات اپناتے ہیں تو اس سے مذہبی یا نظریاتی بنیاد پر معاشرتی تقسیم بڑھ جاتی ہے اور مختلف گروہ ایک دوسرے کے خلاف دشمنی کی بنیاد پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔
4. اس تحقیق سے یہ تصور بھی منکشف ہوا ہے کہ الحاد پاکستانی سماج کے لئے ایک اہم فکری چیلنج ہے۔ جو نوجوان نسل میں مذہب اور عقیدے کے بارے میں شکوک و شبہات کو جنم دے رہا ہے۔ اس کے پیروکار اکثر اپنی زندگیوں میں مذہبی احکام کی بجائے ذاتی عقل و فہم اور سائنسی تحقیق پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں جہاں وہ عقائد کی پابندیوں سے آزاد ہو کر اپنی مرضی کے مطابق سوچنے اور فیصلے کرنے کے قائل ہوتے ہیں۔
5. الحاد کی نفوز پذیری سے ثقافتی روایات اور معاشرتی اقدار میں تبدیلی آئی ہے۔ زندگی میں شدید مشکلات، جیسے بیماری، موت، یا دیگر ذاتی مسائل، بعض لوگوں کو مذہب کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ ان کے لئے یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر خدا موجود ہے تو ان مشکلات کا سامنا کیوں ہے؟ اسی طرح جب لوگ سائنسی دلائل کو مذہبی عقائد سے زیادہ قابل قبول یا منطقی پاتے ہیں، تو وہ الحاد کی طرف مائل ہو سکتے ہیں۔ کچھ افراد کو مذہبی گناہ یا خوف سے بچنے کے لئے خدا کے تصور کو رد کرنا پڑتا ہے۔
6. پاکستانی معاشرہ میں فکری تحدیات میں کھوج لگانے سے معلوم ہوا کہ فرقہ واریت بھی سماجی فکری مسائل میں سے ایک اہم تحدی ہے اس کی بنیادی وجہ مختلف مذہبی عقائد، فرقوں، یا مسلکوں میں پائے جانے والے اختلافات ہیں۔ ان

اختلافات کی شدت کے باعث غریب یا محروم طبقات کو کسی خاص فرقے سے تعلق ہونے کے باعث امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جو فرقہ وارانہ تشویش میں اضافہ کرتا ہے۔

7. تحقیق کے ضمنی ابحاث سے اس حقیقت کا انکشاف بھی ہوا ہے کہ لسانی و علاقائی تعصبات بھی ہمارے سماج کا ایک اہم فکری مسئلہ ہے۔ لسانی اور علاقائی تعصبات اکثر معاشی نا انصافیوں کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض دیگر عوامل جیسے مختلف گروہ اپنے عقائد اور زبان کو دوسرے گروہ سے اعلیٰ سمجھتے ہیں، جس سے جذباتی تناؤ اور کشیدگی پیدا ہوتی ہے۔

8. اس تحقیق سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوئی ہے کہ بد عنوانی ایک بنیادی اخلاقی و سماجی مسئلہ ہے۔ بد عنوانی کا ایک بڑا سبب قانون کی کمزوری یا اس کا مناسب نفاذ نہ ہونا ہے۔ معاشرتی و اقتصادی عدم مساوات، غربت اور وسائل کی کمی لوگوں کو رشوت یا دوسرے غیر قانونی طریقوں سے فوائد حاصل کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

9. تحقیقی ابحاث میں یہ پہلو بھی زیادہ نمایاں ہوا ہے کہ حق گوئی سے احتراز کرنے سے بہت سے اخلاقی مسائل جنم لیتے ہیں۔ افراد اکثر اس خوف میں مبتلا ہوتے ہیں کہ سچ بولنے کے نتیجے میں انہیں ذاتی، پیشہ ورانہ، یا سماجی نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حق گوئی سے احتراز مالی بد عنوانی کو بڑھا سکتا ہے۔ اگر مالی معاملات میں سچائی کو نہیں بتایا جاتا یا چھپایا جاتا ہے تو اس سے معاشی بحران یا ادارہ جاتی مالی نقصان ہو سکتا ہے۔

10. اس تحقیق سے واضح ہوا ہے کہ نظام تعلیم نے نہ فقط طبقاتی کشمکش کو جنم دیا ہے بلکہ ایسا جدید تعلیم یافتہ طبقہ پروان چڑھا ہے جو اپنی اقدار اور روایات سے تو نا آشنا اور محروم ہے مگر اپنے قول و عمل میں مغربی افکار و نظریات کو سند اور معیار کا درجہ دیتا ہے حتیٰ کہ اپنی تاریخ سے نابلدہ ہے اور مغرب کو مشعل راہ سمجھتا ہے۔

11. فکری تحدیات کے ابحاث میں لبرلیزم، سیکولرزم اور ماڈرنیزم بھی ایک بے خدا ثقافت کے ضمن میں فکری و اخلاقی تحدیات کے طور سامنے آئے ہیں۔ جو ایک لامحدود آزادی کی طرف دھکیل دیتے ہیں جو حقوق اور انسانی اقدار کی پامالی کے ساتھ مختلف تحریک کو جنم دیتے ہیں۔

سفارشات و تجاویز (Recommendations)

اس مقالہ کی اہم تجاویز و سفارشات درج ذیل ہیں:

1. نظام اخلاق اور نظام معاش کا آپس میں گہرا تعلق پایا جاتا ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے میں تاثیر بھی رکھتے ہیں لہذا اخلاق کے تناظر میں معاشی تحدیات پر عمیق مطالعے کی ضرورت ہے۔
2. مختلف ثقافتوں اور معاشروں میں اخلاقی اور فکری اصول مختلف ہو سکتے ہیں اور ان کا اپنا مفہوم ہو سکتا ہے۔ اس حوالے سے فکری اور اخلاقی اصولوں میں نسبت کے تصور کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔
3. ریاستی سطح پر لسانی و علاقائی تعصبات کے خاتمے کے لیے قوانین اور پالیسیاں تشکیل دینا ضروری ہیں۔ اگر ریاست لسانی یا علاقائی امتیاز کو برداشت نہیں کرتی اور تمام شہریوں کو یکساں حقوق فراہم کرتی ہے، تو فرقوں کے درمیان تعصبات کم ہو سکتے ہیں۔
4. بدعنوانی کے حل کے لئے حکومتی، قانونی، اور سماجی سطح پر جامع اقدامات کی ضرورت ہے۔ بدعنوانی کے خاتمے کے لیے شفافیت، جوابدہی، اور معاشرتی آگاہی کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ مضبوط قوانین کا نفاذ ضروری ہے تاکہ اس کے اثرات کو کم سے کم کیا جاسکے۔
5. غیر معیاری نصاب تعلیم طبقاتی کشش اور دیگر سماجی مسائل کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ لہذا معیاری نصاب تعلیم کی تشکیل سے فکری و اخلاقی مسائل کا سدباب ممکن ہو سکتا ہے۔
6. اخلاقی تحدیات کے سدباب کے لئے علم کی اسلامی تشکیل کے مختلف پہلو پر تحقیق سے فکری تحدیات پر قابو پانے میں مدد مل سکتی ہے۔
7. تعلیمی پسماندگی کا خاتمہ، اسماعیل راجعی الفاروقی اور عبد الحمید احمد ابو سلیمان کے افکار کا تقابلی جائزہ سے اسلامی فکر کی ترویج کا طریقہ کار وضع کرنے میں معاون ہو سکتا ہے۔
8. قرآنی تعلیمات سے نوجوان نسل کی قربت بڑھانے کے لئے مختلف پرکشش اور جدید اسلوب سے مزین پروگرام کی تشکیل وقت کی اہم ضرورت ہے تاکہ سیکولر اور الحادی نظریات و خیالات سے نوجوان نسل کو تحفظ فراہم کیا جاسکے۔

فہارس (Indexes)

فہرست آیات

فہرست احادیث

فہرست اعلام

فہرست مصادر و مراجع

فهرست آیات

نمبر شمار	آیات	سوره	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1.	﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾	البقرة	1	50
2.	﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾	البقرة	2	50
3.	﴿يَسْنِي أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَصْبِرْ﴾	البقرة	3	256
4.	﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ﴾	البقرة	121	167
5.	﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَأَىٰ كَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ﴾	البقرة	30	24
6.	﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَ سْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَ نَّبِئُونِي﴾	البقرة	31	141
7.	﴿وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا﴾	البقرة	83	311
8.	﴿رَبَّنَا وَأَبْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ﴾	البقره	129	268
9.	﴿صِبْغَةَ اللَّهِ َّوَمِنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً َّوَنَحْنُ لَهُ عَبِيدُونَ﴾	-	138	98
10.	﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُونَ﴾	البقرة	143	150
11.	﴿وَمَنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ﴾	البقرة	149	319
12.	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ َّ إِنَّ اللَّهَ﴾	البقرة	153	46
13.	﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ﴾	البقرة	155	46
14.	﴿إِنَّ الَّذِي َّ نَ يَكُ َّ تُمُونَ مَا أَن َّ زَلَّ َّ نَا مِنِ الْ َّ يَتِ وَ الْ َّ هُ َّ دَىٰ مِّنَ َّ بَعْدِ﴾	البقرة	159	235
15.	﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ﴾	البقرة	164	35
16.	﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَلًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا﴾	البقرة	168	304
17.	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا﴾	البقرة	172	174
18.	﴿أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ َّ فَمَن كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ﴾	البقرة	184	286
19.	﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ أَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾	البقرة	187	210
20.	﴿وَ أَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ لَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ َّ وَ﴾	البقرة	195	288
21.	﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً﴾	البقرة	201	186
22.	﴿وَ عَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ عَسَىٰ﴾	البقرة	216	50
23.	﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنْفَعٌ لِلنَّاسِ﴾	-	219	37

24.	﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا ۞﴾	البقرة	245	283
25.	﴿لَا أَكْرَاهُ فِي الدِّينِ﴾	البقرة	256	308
26.	﴿قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذَى ۗ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ﴾	البقرة	263	126
27.	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي﴾	البقرة	264	130
28.	﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ﴾	البقرة	275	227
29.	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ	البقرة	278	240
30.	﴿فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِوَ إِنْ تَبَتُّمْ فَلَكُمْ﴾	البقرة	279	225
31.	﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ	آل عمران	11	259
32.	﴿زَيْنٍ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ﴾	آل عمران	14	231
33.	﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا ۖ وَمَا عَمِلَتْ	آل عمران	30	185
34.	﴿إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا﴾	آل عمران	35	87
35.	﴿وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ	آل عمران	104	260
36.	﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ	آل عمران	105	77
37.	﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ	آل عمران	110	23
38.	﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ	آل عمران	110	202
39.	﴿الَّذِينَ يَنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظِ وَالْعَافِينَ عَنِ	آل عمران	134	46
40.	﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لَنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَأَفَضُّوا﴾	آل عمران	159	309
41.	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ﴾	آل عمران	159	
42.	﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾	آل عمران	185	229
43.	﴿لَتَبْلُغْنَ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ﴾	آل عمران	186	242
44.	﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾	النساء	1	25
45.	﴿يُؤْصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِ كَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَىٰ ۚ﴾	النساء	11	287
46.	﴿وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا	النساء	20	94
47.	﴿وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا﴾	النساء	20	94
48.	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ۖ﴾	النساء	29	237

49.	﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۚ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي﴾	النساء	36	208
50.	﴿الَّذِينَ يَخْلُونُ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبَخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ﴾	النساء	37	313
51.	﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾	النساء	48	193
52.	﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾	النساء	54	189
53.	﴿إِنَّ اللَّهَ يَمَّا يُرْكُمُ أَنْ تَوَدُّوا الِّمَاتِ إِلَى أَهْلِهَا ۚ وَإِذَا حَكَمَ تَمَّ﴾	النساء	58	115
54.	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾	النساء	59	70
55.	﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فِجْرَؤُهُ ۖ جَهَنَّمُ خُلْدًا فِيهَا ۖ﴾	النساء	93	247
56.	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا كُونُوا قَوْمِي ۚ بِالْقِسِّ طِ شَهَادَةً لِلَّهِ﴾	-	135	112
57.	﴿إِنَّ الْمُنْفِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾	-	145	206
58.	﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ﴾	النساء	171	192
59.	﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أَحَلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أَحَلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتِ ۚ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنْ﴾	المائدة	4	175
60.	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا كُونُوا قَوْمِينَ لِلَّهِ شُ﴾	المائدة	7	306
61.	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا كُونُوا قَوْمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ لَا﴾	المائدة	8	100
62.	﴿مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ﴾	المائدة	32	241
63.	﴿وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ﴾	-	49	183
64.	﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾	المائدة	79	201
65.	﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾	المائدة	79	201
66.	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَبَّاتٍ مَّا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ ۖ﴾	المائدة	87	187
67.	﴿وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمْ اللَّهُ حَلَلًا طَبَّاتٍ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ﴾	المائدة	88	304
68.	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ ۚ وَمَنْ قَتَلَهُ﴾	المائدة	95	285
69.	﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا﴾	المائدة	104	158
70.	﴿الْمَ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ﴾	الانعام	4	38
71.	﴿وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحْجُونَنِي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَيْنِي وَلَا أَخَافُ﴾	الانعام	80	92
72.	﴿وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا﴾	الاعراف	28	159
73.	﴿وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ﴾	الاعراف	70	159

74.	﴿أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ﴾	-	175	36
75.	﴿فَاقْصِصْ الْقِصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾	الاعراف	176	143
76.	﴿وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا﴾	الانفال	41	287
77.	﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾	الانفال	43	77
78.	﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ﴾	التوبة	71	264
79.	﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ﴾	التوبة	103	284
80.	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾	التوبة	119	105
81.	﴿وَمَا يَتَّبِعْ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ﴾	يونس	36	106
82.	﴿وَلَا يَحْزَنْكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا - هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾	يونس	65	247
83.	﴿فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا﴾	هود	27	102
84.	﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا﴾	هود	112	195
85.	﴿فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ﴾	هود	116	202
86.	﴿قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ﴾	يوسف	32	91
87.	﴿وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رِوْسًا وَأَنْهَارًا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ﴾	الرعد	3	133
88.	﴿وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ ۖ إِنْ يُوصَلْ وَيَخْشَوْْنَ رَبَّهُمْ﴾	الرعد	21	128
89.	﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ﴾	الرعد	28	231
90.	﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ﴾	الحجر	28	200
91.	﴿وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمْ﴾	النحل	24	166
92.	﴿لَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوْ السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ﴾	النحل	79	37
93.	﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ﴾	النحل	90	116
94.	﴿فَلَنَّا يَأْتِيَنَّكَ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۚ كُنْ مِنَ الْإِنسَانِ الْغَافِلِينَ﴾	الانبياء	69	148
95.	﴿وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ﴾	الحج	30	312
96.	﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا﴾	الحج	41	145
97.	﴿فَإِنَّ هَٰذَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾	-	46	35
98.	﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سَلَالَةٍ مِنْ طِينٍ * ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نَفْثَةً فِي قَرَارٍ﴾	المومنون	12	200
99.	﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِغُرُوحِهِمْ حَافِظُونَ أَلَا عَلَىٰ﴾	المومنون	7	210
100.	﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ﴾	المومنون	51	174

			عَلَيْهِمْ	
208	26	الاسراء	﴿وَاتِذَا الْقُرْىُ حَقَّتْهُ وَالْمَسْكِينُ وَابْنُ السَّبِيلِ وَلَا تَبْذُرْ تَبْذِيرًا﴾	101
26	32	-	﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزَّيْنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشًا قَدْ سَاءَ سَبِيلًا﴾	102
176	19	الكهف	﴿وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ ۖ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ قَالُوا ۖ ﴿﴾	103
156	20	طه	﴿جَنَّاتٍ عُدْنِ تَجْرَىٰ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ وَذَلِكَ جَزَاءُ ۖ﴾	104
245	2	النور	﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ ۖ﴾	105
119	30	النور	﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْأَيْمَ وَالْغِي ۖ﴾	106
210	32	النور	﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَأَمَّا تَكُمْ إِنْ يَكُونُوا ۖ﴾	107
	22	الشعراء	﴿قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ وَفَعَلْتَ ۖ﴾	108
255	4	النمل	﴿إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ ۖ أُولَٰئِكَ ۖ﴾	109
187	77	القصص	﴿وَأَتَّبِعْ فِيمَا أَتَىٰكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ ۖ﴾	110
318	69	العنكبوت	﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ۖ﴾	111
37	7	الروم	﴿أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا ۖ﴾	112
257	17	لقمان	﴿يَسْبِقِ أَقِيمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَأَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَصْبِرْ عَلَىٰ مَا ۖ﴾	113
48	18	لقمان	﴿وَلَا تُصْعِرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ﴾	114
188	20	لقمان	﴿أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ ۖ﴾	115
183	26	ص	﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۖ﴾	116
189	35	ص	﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي ۖ﴾	117
291	9	الزمر	﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۖ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو ۖ﴾	118
204	53	الزمر	﴿قُلْ ۖ يَعْبَادِي الَّذِينَ أُسِّرُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ ۖ لَا تَقْنَطُوا مِن ۖ﴾	119
			رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ﴾	
162	41	حم السجدة	﴿سَرَرِي ۖ إِنَّا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ ۖ حَتَّىٰ يَبَيِّنَ لَهُمُ أَنَّهُ ۖ﴾	120
143	6	الحجرات	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ ۖ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا ۖ﴾	121
27	13	الحجرات	﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ ۖ﴾	122
298	12	الحجرات	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا احْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ ۖ﴾	123

124	﴿فَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبْلِ كَيْفَ خُلِقَتْ﴾	الغاشية	17	162
125	﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ﴾	محمد	10	163
126	﴿فَهُلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾	محمد	22	128
127	﴿فَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾	محمد	24	36
128	﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾	محمد	23	233
129	﴿وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ﴾	الجالية	24	64
130	﴿قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَآتِنَا﴾	الزخرف	22	159
131	﴿اعْلَمُوا أَنَّ مَا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ زِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي﴾	الحديد	20	66
132	﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا﴾	الحديد	27	186
133	﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتَانِ﴾	الرحمان	54	259
134	﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ﴾	الحشر	10	126
135	﴿سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مِمَّا قَدِمَتْ لِغَدٍ﴾	الحشر	18	157
136	﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ﴾	الحشر	23	43
137	﴿كَيِّ لَا يَكُونُ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ﴾	الحشر	7	226
138	﴿أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى﴾	القيامة	36	90
139	﴿أَذْهَبَ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى فَقُلْ هَلْ لَكَ إِلَى أَنْ تَزَكَّى﴾	النازعات	18	265
140	﴿وَأَتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَى آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتَقَبَّلَ مِنْ﴾	الدهر	7	257
141	﴿وَوَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَ إِذَا﴾	المطففين	1	240
142	﴿وَوَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ﴾	المطففين	5	240
143	﴿فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ﴾	الطارق	5	162
144	﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى﴾	الاعلى	14	157
145	﴿وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونَ وَطُورِ سِينِينَ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ لَقَدْ﴾	اليتين	1	201
146	﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾	علق	1	154
147	﴿وَأَنَّهُ لَحُبُّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ﴾	العاديات	8	276

فهرست احادیث

نمبر شمار	متن حدیث رسول ﷺ	کتاب	صفحه
1.	اجتنبوا السبع الموبقات، قالوا: يا رسول الله ما هن؟ قال: الشرك بالله، -	صحیح بخاری	314
2.	اجعلها لفقراء اقاربك، فجعلها لحسان،	صحیح بخاری	382
3.	إِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيضِ فَنَفْسُوا لَهُ إِلَّا أَحَلَّ	جامع ترمذی	247
4.	إذا رأيتم الناس قد مرجت عهدوهم وخفت أماناتهم وكانوا هكذا وشبك	سنن ابی داود	81
5.	اربع إذا كن فيك فلا عليك ما فاتك من الدنيا، حفظ امانة وصدق	احمد بن حنبل	396
6.	أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ أَوْ أَمِيرٍ جَائِرٍ.	سنن ابی داود	282
7.	أكبر الكبائر: الإشراف بالله، وقتل النفس، وعقوق الوالدين، وقول	صحیح بخاری	337
8.	أكمل المؤمنين إيماناً أحسنهم خلقاً	سنن ابی داود	83
9.	الزم بيتك واملك عليك لسانك وخذ بما تعرف ودع ما تنكر	سنن ابوداود	238
10.	الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَتَأْمُرَنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَلَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ؛	جامع ترمذی	157
11.	اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَ رِزْقًا طَيِّبًا وَ عَمَلًا مُّتَقَبِّلًا	سنن ابن ماجه	348
12.	انا عند ظن عبدي بي وانا معه إذا دعاني-----	صحیح بخاری	271
13.	ان الله اوحى الى ان تنواضعوا حتى لا ينفخ احد على احد ولا يبغي	سنن ابوداود	393
14.	إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبْضُهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَرْضِ فَجَاءَ بَنُو آدَمَ	سنن ابی داود	193
15.	إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللَّهُ: الْحِلْمُ، وَالْأَنَانَةُ	صحیح مسلم	405
16.	انك لحى الارض اللله واجبار ضالله	جامع ترمذی	83
17.	اَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بَغْيٍ إِذْنِ مَوَالِيهَا، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، ثَلَاثَ-----	سنن ابی داود	389
18.	إنما البيع عن تراض-----	سنن ابن ماجه	20
19.	إنما بعثت لأتمم مكارم اخلاق	مسند البزار	286

290	المعجم الاوسط	ان من احبكم احسنكم اخلاقا	20.
87	سنن ابى داود	اِنَّ مِنْ اَعْظَمِ الْجَهَادِ كَلِمَةً عَدَلَعِنْدَ سُلْطَانِ بَخَائِرِ اَوَامِيْرٍ جَائِرٍ	21.
219	صحيح بخارى	اى هـ الناس اندماء كموا مولكموا عراضكموا ابشاركموا اولادكم حرام	22.
210	صحيح بخارى	اِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ بِالطَّرَقَاتِ. فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا لَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا بُدُّ نَتَّحِ	23.
382	صحيح مسلم	الْبِرِّ وَالْإِثْمِ فَقَالَ: الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ	24.
324	سنن نسائي	الْبَيْعَانِ بِالْخِيَارِ، مَا لَمْ يَفْتَرَقَا، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيْنَا-----	25.
253	صحيح بخارى	تعبد الله لا تشرك به شئنا وتقىم الصلاة وتؤتي الزكاة وتصل الرحم----	26.
68	جامع ترمذى	جعل الله الرحمة مائة جزء، فأمسك عنده تسعة وتسعين جزءا ،	27.
28	سنن ابى داود	خَيْرُكُمْ الْمُدَافِعُ عَنْ عَشِيرَتِهِ مَالْمِ يَأْشُمُ	28.
364	جامع ترمذى	خَصَلْتَانِ مَنْ كَانَتْ فِيهِ كَتَبُهُ اللَّهُ شَاكِرًا صَابِرًا، وَمَنْ لَمْ تَكُنْ فِيهِ لَمْ يَكْتُبْهُ	29.
393	سنن ابن ماجه	سياتي على الناس سنوات خداعات يصدق فيها الكاذب ويكذب فيها	30.
157	سنن ابن ماجه	خط لنا رسول الله صلى الله عليه و سلم خطا ثم قال هذا سبيل الله ثم	31.
74	صحيح اب حبان	كان رسول الله يقول اللهم حسنت خلق فاحسن خلقي	32.
323	شعب الايمان	كفى لاىكون دولة بنى نالاغذىء منكم	33.
314	صحيح بخارى	كلكم راع ومسئول عن رعيته، فالإمام راع وهو مسئول عن رعيته،	34.
50	صحيح بخارى	لا احد اغير من الله ولذلك حرم الفواحش ما ظهر منها وما بطن، ولا	35.
193	سنن ابن ماجه	لا ترجعوا بعدى كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض	36.
210	سنن ابن ماجه	لَا تُزَوِّجُ الْمَرَأَةَ الْمَرَأَةَ، وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرَأَةَ نَفْسَهَا، فَإِنَّ الزَّانِيَةَ-- ---	37.

246	صحیح مسلم	لَا يُشِيرُ أَحَدُكُمْ إِلَى أَخِيهِ بِالسَّلَاحِ، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَحَدُكُمْ لَعَلَّ الشَّيْطَانَ	38.
354	صحیح مسلم	لا يصبر على لاوائها وشدتها احد، إلا كنت له شهيدا او شفيعا يوم القيا	39.
235	صحیح بخاری	لايؤمن احدكم حتى يحب لاخي همای حبلنفسه	40.
68	صحیح مسلم	لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ الرَّبَا وَمُؤْكَلَهُ "، قَالَ: قُلْتُ:	41.
192	سنن ابی داود	ليس منا من دعا إلى عصبية، وليس منا من قاتل على عصبية، و	42.
227	صحیح بخاری	ما اكل احد طعاما قط، خيرا من ان ياكل من عمل يده، وإن نبي الله	43.
163	سنن ابن ماجه	ما من غني ولا فقير إلا ود يوم القيامة انه اتي من الدنيا قوتا	44.
293	صحیح بخاری	مَا مِنْ وَالٍ يَلِي رَعِيَةً مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَيَمُوتُ وَهُوَ غَاشِلُهُمَا لِأَحْرَم	45.
287	صحیح بخاری	من اُحْبَابُ نَبِيِّ سَطْلَهْفِيرَز قَهْوِي نَسَاءٌ لَهْفِيَا ثَرَهُ فَيَصِلُ رَحْمَهُ-----	46.
393	صحیح مسلم	مَنْ أَشَارَ إِلَى أَخِيهِ بِحَدِيدَةٍ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَلْعَنُهُ حَتَّى يَدَعُهُ،	47.
210	جامع ترمذی	من خرج في طلب العلم فهو في سبيل الله حتى يرجع	48.
394	سنن ابن ماجه	من رأى منكم منكرا فاستطاع ان يغيره بيده , فليغيره بيده فإن لم	49.
37	المعجم الكبير	مَنْ رَحِمَ وَلَوْ ذَبِيحَةَ عَصْفُورٍ رَحِمَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.	50.
182	جامع ترمذی	من سئل عن علم علمه ثم كتبه الجحيم يوم القيامة بلجام من نار ----	51.
73	سنن نسائي	من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون اهله فهو شهيد، ومن قتل	52.
358	جامع ترمذی	من كان بينه وبين قوم عهد، فلا يحلن عهدا ولا يشدنه،	53.
366	جامع ترمذی	مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ	54.
218	سنن نسائي	يا اسامة , إن بني إسرائيل هلكوا بمثل هذا، كان إذا سرق فيهم الشريف	55.
389	سنن الدارمي	يا ايها الناس، إنما انا بشر يوشك ان ياتيني رسول ربي، فاجيبه، وإني تارك	56.
402	صحیح مسلم	يا عبادي اني اظلم على نفسي وجعلت هوى نكمت محرما فلا	57.

نمبر شمار	فہرست اصطلاحات	صفحہ نمبر
1.	اجتہاد	116
2.	احساس کمتری	247
3.	اخبارات و سماعت	77
4.	استدلالی منہج	108
5.	استنباطی منہج	112
6.	استقرائی منہج	113
7.	اظہار و ستمان حق	404
8.	الحاد	135
9.	الحاد مطلق	140
10.	اندھی تقلید	241
11.	ایفائے عہد	330
12.	انفاق	40
13.	تزکیہ نفس	250
14.	تصنع پرستی	182
15.	تفکر فی الافاق	54
16.	تفکر فی الخلق	56

57	تفکر فی الانفس	.17
137	جدت پسندی	.18
172	حق گوئی	.19
61	خلق وخلق	.20
311	رباء	.21
204	رفت ورحمدلی	.22
399	رواداری	.23
185	روایت ودرایت	.24
132	سیکولر ازم	.25
167	طبقاتی نظام	.26
49	طهارت	.27
73	عجز و انکساری	.28
195	عدل اجتماعی	.29
252	عصیت	.30
29	عفت و عصمت	.31
67	عفو و درگزر	.32
118	عقلیت پسندی	.33

133	علمائیت	.34
172	فحاشی و عریانی	.35
160	فرقه داریت	.36
326	قمار و میسر	.37
117	قیاس	.38
144	لبرلیزم (آزاد خیالی Liberalism)	.39
239	محاسبه و تزکیه نفس	.40
291	مادیت پرستی	.41
143	ماڈرنیزم	.42

فہرست اعلام

نمبر شمار	اعلام	صفحہ نمبر
1	آل احمد سرور	149
2	ابن خلدون	217
4	ابن قیم	95
5	احمد بن ابی عاصم الانطاکی	96
6	اشتقاق احمد گوندل	145
7	حسن بن فضل طبری	168
8	خورشید احمد	176
9	رشید الدین خان	146
12	عبد الحمید ابو سلیمان	127
13	سید سبط حسن	134
14	علوی بن عبد القادر السقاف	61
16	شبلی نعمانی	211
17	مبارک علی	141
18	محمد رضا المظفر	51
19	مرتضی مطہری	86
20	مفید	90
21	ناصر مکارم شیرازی	88
22	محمد عبده	93
22	رشید الدین	146
27	وحید اختر	148

فہرست مصادر ومراجع

• القرآن الکریم

عربی کتب

- ابن القیم الجوزی، محمد بن ابی بکر، مفتاح دار السعادة، (جدة: مجمع الفقه الإسلامی سعودی عرب، 1432ھ)
- ابن حبان، ابو حاتم محمد ابن حبان الخرماني، الصحیح، (بیروت: مؤسسہ الرسالہ، لبنان، 1414ھ/ 1993ء)
- ابن شیبہ، المصنف، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار، 1993)
- ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل ابن عمر، تفسیر القرآن العظیم، (قاہرہ: دارطیبہ، مصر 1999ء)
- ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن زید قزوینی، السنن، (بیروت: دار الفکر، لبنان)
- ابن مسکویہ، احمد بن محمد، تہذیب الاخلاق وتطہیر الاعراق، (تہران: مؤسسہ انتشارات عرفان، 1396ھ)
- ابن منظور، محمد بن مکرم الافریقی المصری: لسان العرب، (بیروت: دار صادر، سن ن)
- احمد بن ابی عاصم الانطاکی، کتاب السنۃ، (الریاض: دار الصمیعی، 1998)
- احمد بن حنبل، المسند، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1421ھ)
- أحمد بن فارس بن زکریا ابو الحسین، مقاییس اللغة، (بیروت: دار الجیل لنشر و التوزیع 1399ھ)
- اصفہانی، حسینی بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، (بیروت: دار المعرفہ، 1412ھ)
- ابو اسحاق شاطبی، الموافقات، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ لبنان، 1375ھ)
- أبو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی علاء الدین، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1424ھ)
- ابو عبیدہ، کتاب الاموال، (اسلامآباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، 1428ھ)
- ابو عیسیٰ محمد ابن عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی، مترجم علامہ وحید الزمان، (لاہور: اسلامی کتب خانہ 1999ء)
- البانی، شیخ ناصر الدین، سلسلہ احادیث صحیحہ، (لاہور: مکتبہ قدسیہ 2011ء)
- الامام جلال الدین عبدالرحمان بن ابی بکر السیوطی، الدر المنثور، (بیروت: دار الفکر للطباعۃ 911ھ)
- باقر مجلسی، بحار الانوار، سید حسن امداد ممتاز الافاضل، (کراچی: محفوظ بک ایجنسی، سن ندارد)
- البخاری، ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم، الجامعہ الصحیح، (بیروت: دار الفکر لطباعۃ والنشر وتوزیع 1401ھ/ 1981ء)
- بسیونی، محمود شریف، (القاہرہ: الوثائق الدولیۃ المعنیۃ بحقوق الإنسان، المجلد الثاني، دار الشروق، سن ن)

- البغوی، الحسن بن مسعود بن محمد، معالم التتزیل فی التفسیر القرآن (تفسیر البغوی)، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1420ھ)
- بی هقی، احمد بن حسنین، شعب الایمان، (بیروت: مکتبہ الرشد والنشر والتوازی، لبنان، 1423ھ)
- پانی پتی، قاضی ثناء اللہ، تفسیر مظہری، (لاہور: مکتبہ ہدیاء القرآن پبلکیشنز، 1999ء)
- التبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، (دہلی: مکتبہ الحسنات، 2007)
- جرجانی، التعریفات، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1420ھ)
- جلال الدین المحلی، جلال الدین السیوطی، تفسیر جلالین/المحلی، (بیروت: دار الفکر، سن ن)
- الحاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد، المستدرک علی الصحیحین، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1411ھ)
- خواجہ عبد الحمید، جامع اللغات، (لاہور: اردو سائنس روڈ 299 پر مال، 1414ھ)
- الدارمی، عبد الرحمن دارمی، السنن، (لاہور: مکتبہ انصار السنہ پبلیکیشنز، 1996)
- رازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1420ھ)
- الزمخشری، ابو القاسم محمود بن عمرو بن احمد، الکشاف، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1420ھ)
- السجستانی، ابو داود سلیمان، سنن ابی داود، (بیروت: دار الفکر، لبنان، 1414ھ)
- السقاف، علوی بن عبد القادر، الدرر السنیہ، (الریاض: موسوعۃ الاخلاق، 1399ھ)
- سید مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، تاج العروس (مطبوعہ مصر، سنندارد)
- شرح السنہ، کتاب الفضائل، باب فضائل سید الاولین والاخرین، (بیروت: مکتبہ الرشد والنشر والتوازی، 1411ھ)
- شیخ محمد رشید رضا، تفسیر المنار، (بیروت: دار الفکر، سن ن)
- شیخ مفید، محمد بن محمد بن نعمان، شرح اعتقادات، (تہران: علمی اسلامی ہایران، 1371ھ)
- الطباطبائی، محمد حسنین، المیزان فی تفسیر القرآن، (لاہور: مکتبہ انصار السنہ پبلیکیشنز، سن)
- طبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد، معجم الکبیر، (القاهرہ: مکتبۃ البیت، 1993ء)
- الطبرسی، میرزہ حسینی نوری، مستدرک الوسائل، (حلب: مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ، 1986ء)
- الطبری، ابن جریر، جامع البیان فی تفسیر آی القرآن، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1420ھ)
- الطبرسی، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، سید حسن امداد ممتاز الافاضل، (کراچی: محفوظ بک ایجنسی)
- عسقلانی، فتح الباری، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1375ھ)
- عمار الطالی، دکتور، کتاب آثار ابن بادیس، (قاهرہ: الشركة الجزائریة، الطبعة الثالثة 1417ھ)
- الفیض الکاشانی، الصافی فی کلام اللہ الوافی، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1420ھ)
- قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، (الریاض: دار عالم الکتب، 2003ء)
- کرمانی، صحیح البخاری بشرح الکرمانی، (قاهرہ: مؤسسہ المطبوعات الاسلامیہ، 1432ھ)

- کلینی، محمد بن یعقوب، اصول الکافی، باب طبقات الانبیاء، (کراچی: موسسہ قائمہ محمد 1385ھ)
- محمد ابن سعد، طبقات الکبریٰ، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1375ھ)
- مجدالدین فیروز آبادی، القاموس المحیط (بیروت: دار الفکر)
- المرتضیٰ الزبیدی، تاج العروس من جواهر القاموس، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1375ھ)
- مسلم، ابوالحسن بن مسلم ابن الحجاج قشیری زی شاپوری، الصحیح، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1375ھ)
- المعجم الفلسفی، مجمع اللغة العربیة، (قاهرہ: مصر، 1403ھ)
- مولوی، فیروز الدین، فیروز للغات (لاہور: فیروز سنٹر، سنندارد)
- نجفی، شہخ محسن علی، الکوثر فی تفسیر القرآن، البلاغ المبین، (اسلام آباد: اسلامی تحقیقاتی و اشاعتی ادارہ، پاکستان)
- النسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی، السنن، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1416ھ/1995ء)

- ہائل سعید الصرمی، أصول الأخلاق و تماسک المجتمع بها، (رابطہ قادیان الشام، 11 جون، 2014)
- ہمام بن منبہ، صحیفہ، (بیروت: مکتبہ الرشید للنشر والتوازیع، 1433)

اردو کتب

- آل احمد سرور، تنقید کیا ہے، (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر 2011)
- ابراہیم عماد ندوی، مسلمان سائنس دان اور ان کی خدمات، (دہلی: مکتبہ الحسنات، 2007)
- اردو دائرہ معارف اسلامی، (لاہور: دانش گاہ پنجاب، پنجاب یونیورسٹی، 1986ء)
- الازہری، محمد پیر کرم شاہ، ضیاء النبی، (لاہور: مکتبہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز پاکستان-1999ء)
- ابن جوزی، سیرت عمر ابن خطاب، (لاہور: شا کر پبلیکیشنز اردو بازار، 2014)
- ابن خلدون، تکملہ، (کراچی: نفیس اکیڈمی)
- ابو نعمان سیف اللہ خالد، سیرت ابو بکر صدیق رضی اللہ، (لاہور: دار الاندلس اردو بازار)
- ابن باز، مجموعہ فتاویٰ، الموقع الرسمي لسماحة الشيخ الامام ابن باز رحمہ اللہ
- اصلاحی، امین احسن، تزکیہ نفس، (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، 1994ء)
- اشتیاق احمد گوندل، پاکستان میں اسلام اور لبرلیزم کی کشمکش، (لاہور: شیخ زاید اسلامک سینٹر جامعہ پنجاب قائد اعظم کیمپس)
- اقبال حسن خان، ”شیخ الہند مولانا محمود حسن حیات اور علمی کارنامے، (انڈیا: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۷۳)
- افلاطون، ریاست، مترجم ذاکر حسین، ڈاکٹر، (دہلی: جامعہ ملیہ برقی پریس، 1932)

- امیر علی، سپرٹ آف اسلام، (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، 1994ء)
- جرجی زیدان، تاریخ تمدن اسلامی، (تہران: علمیه اسلامیہ ایران، 1371ھ)
- خان رشید الدین، مولانا ابوکلام آزاد، شخصیت، سیاست (لاہور: پیغام مکتبہ قدسیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار، 1999)
- ڈاکٹر مبارک علی، تاریخ اور سیاست، (لاہور: تاریخ پبلکیشنز، مزنگ روٹ)
- ڈاکٹر سبط حسن، نوید فکر، (دہلی: حوری نورانی، 2002)
- ڈاکٹر محمد امین "اسلام اور تجدید پسندی" البصیرہ انسٹیٹیوٹ، 01 دسمبر 2005
- ڈاکٹر حافظ محمد ثانی، رسول اکرم اور رواداری، (کراچی: فضلی سنز لمیٹڈ، مارچ 1998)
- ڈاکٹر احمد غازی، حرمت الربا اور غیر سودی مالیاتی نظام، (اسلام آباد: انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، 2001)
- رشید احمد جالندری، اساسیات اسلام (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامی کلب روٹ، طبع دوم، 1992)
- زیدی، سید مسعود، پاکستان کا مقدمہ، (لاہور: کلاسیک، 1972)
- شبلی نعمانی، ابن خلدون عبدالرحمان بن محمد، مقدمہ ابن خلدون، (بیروت: دار الفکر سن)
- شاہ ولی اللہ دہلوی، احمد بن عبدالرحیم، حجتہ اللہ البالغہ، (کراچی: نفیس اکیڈمی اردو بازار، 1993)
- شبلی نعمانی، کلام اور علم کلام، (کراچی: نفیس اکیڈمی اردو بازار)
- شبلی نعمانی، الفاروق، (لاہور: اسلام بک ڈپوبار اول، 1997)
- صباح الدین عبدالرحمن، مولانا شبلی نعمانی پر ایک نظر، (اعظم گڑھ: معارف دارالمصنفین، 2003)
- علامہ اقبال، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامی کلب روٹ، سن ندارد)
- عبدالحمید احمد ابوسلیمان، فکر اسلامی کا بحران، (لاہور: ادارہ معارف اسلامی منصورہ)
- عبدہ محمد، رسالۃ التوحید، (نئی دہلی: گلوبل میڈیا پبلیکیشنز-1983)
- غزالی، احیاء العلوم، دارالعلوم دیوبند، (لاہور: مکتبہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز-1999ء)
- محمد رفعت، اسٹیفن ہاکنگ کے نظریات کا تنقیدی جائزہ، (علی گڑھ: تحقیقات اسلامی 2018)
- منگوری، طفیل احمد سید، مسلمانوں کا روشن مستقبل، (لاہور: حماد اکتیو شیش محل روٹ) (سن)
- مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز) (پرائیوٹ)
- لمیٹڈ، منصورہ ملتان روٹ،
- مرتضیٰ مطہری، فلسفہ اخلاق، (چکوال: دانشگاه اسلامی، پیام نور پبلیکیشنز، 2005)
- مہدی آصفی، خواہشیں، مترجم سید کمیل اصغر زیدی، (سرگودھا: حیدر بک ڈپو خوشاب روٹ پاکستان)

- محمود الرشید حدوٹی، ادیان عالم کا تقابلی جائزہ، (لاہور: پبلشرز ایمپوریم اردو بازار)
- محمد رضا المظفر، الشیخ، کتاب بالمنطق، (بیروت: موسسہ لرافد لطباعۃ والنشر لبنان، طبع اول 1430ھ)
- ناصر مکارم شیرازی، علم الاخلاق، مترجم علامہ ریاض حسین نجفی، (لاہور: مصباح القراءات سنہ 1416ھ پاکستان)
- وحید اختر، جدیدیت اور ادب، (علی گڑھ: شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی، طبع اول، 1969)

English Sources

- Allama Muhammad Iqbal, The Reconstructions of Religious Thought in Islam,(Lahore:DoDo press,1930)
- D G.H Zulfiqar,Pakistan(Lahore: Bazme –i-Iqbal ,1995)
- G.W,Chuadhary,Pakistan transition from Military to Civilian rule,(England:scarpian publication Ltd, ,1988)
- Dawkins, R. The God Delusion,(London: Bantam Press,2006),
- Gustave E.Von Grunebaum,Medieval Islam:A Study in Cultural Orientation(Newyark:Chicago University Press,1946)
- Harry Cox, secular city: Secularization and Urbanization in Theological prospective (Newyark: MacMillan, 1966),
- Holyoke ake George J., English Secularism (Chicago: The open court publishing Company, 1896)
- Ismail Rajee,Al Farooqi,Islamization of Knowledge,General Principle and Work Plan, Second edition,International Institute of IslamicThought,(Hirenden:Verginia,USA)
- Jurgen Habermas,The Philosiphical Discourse of Modernity, (ambridge:Cambridge Universty Press,1987)
- K.A.K Yusufi, Speeches Statements and Messages of quid Azam,(Lahore:Iqbal Bazam, ,1996)
- Karon Armstrong, Muhammad A Western Attempt to Understanding Islam, (London 1992)
- Outhledge ,Consize Routledge Encyclopedia of Philosophy,(Oxford :Taylor &Frances Routledge,2000)
- Thomas Vargish,Modernism in Routledge Encyclopedia of Philosophy (Oxford:London and Newyark:Routledge 1998),
- Syed Abdul Latif, The mind AlQuran builds published in Islam and Human Rights 1978
- The new Encycolopedia Britannica,(Newyark: The open court publishing Company,1985)
- Wilfred cantwell smith, Islam in modern history,(NewYork: The New American library, 1957)

ویب سائٹ

- <https://www.rekhta.org>
- <https://ahmad-suroor-articles>
- <https://www.Hadees.com>
- <https://www.islamtime.com>
- <https://www.minhaj.org.com>
- ، <https://www.kitabosunnat.com>
- [https://www.britannica.com/topic/islamicarts,](https://www.britannica.com/topic/islamicarts)
- <https://www.archive.com>